ٹائٹیل طبع اوّل

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اَلْحَقّ

مباحثہ
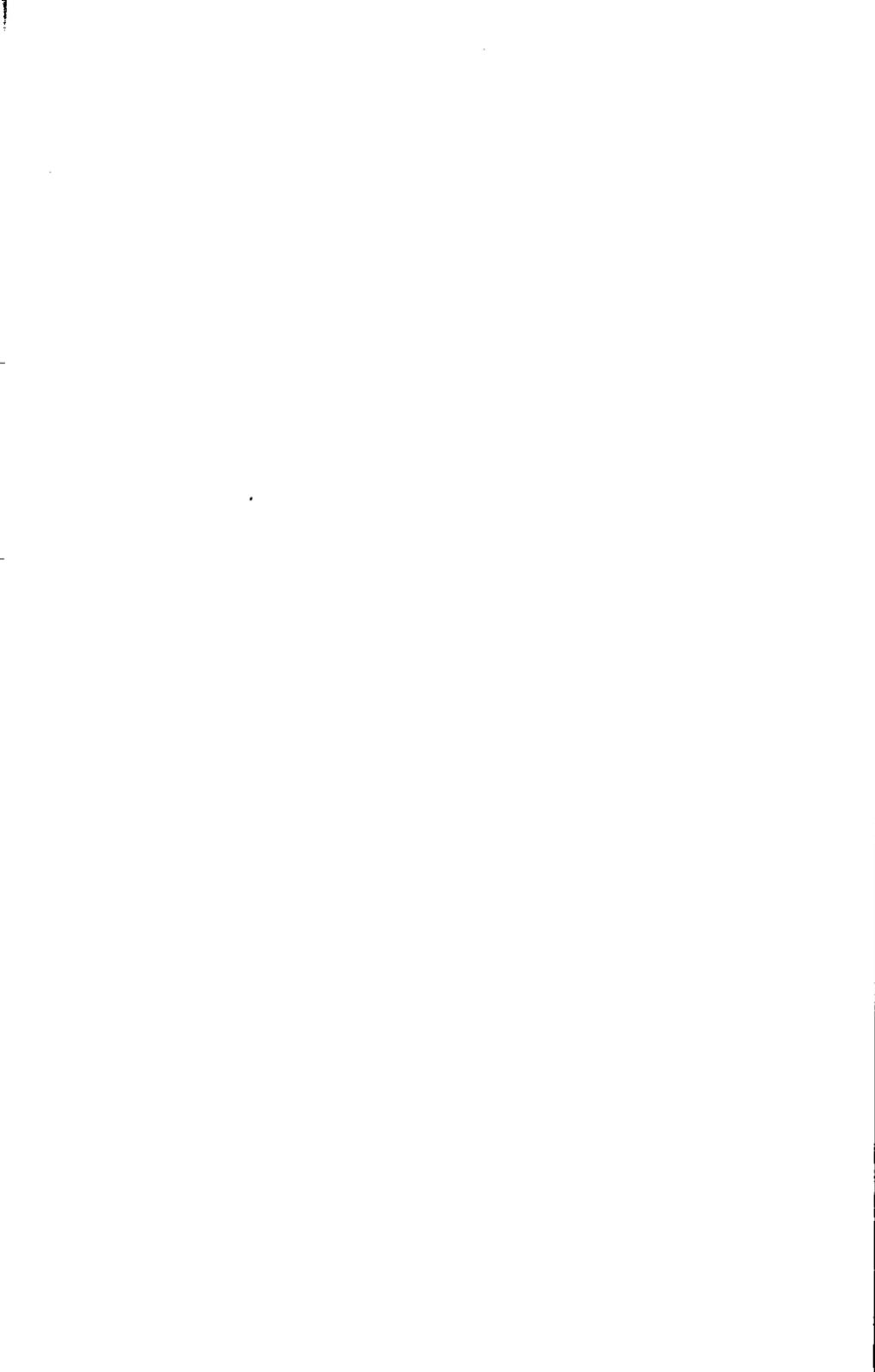
مابین حضرت اقدسؑ و مولوی محمدؐ بشیر بھوپالوی بمقام

دہلی

و مباحثہ بذریعہ مراسلات مابین مولوی سید محمدؐ احسن صاحب

امروہی و مولوی محمدؐ بشیر مذکور

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حافظ حکیم فضلدین صاحب

مالک مطبع کے چھپکر شائع ہوا۔

تعداد اشاعت ۷۰۰ تاریخ طبع جنوری ۱۹۰۵ء قیمت ۸/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرحمٰن الرحیم والصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ النّبیِ الاُمّیِ الصّادق المصدوق المطاع الامین۔

دہلی کے مباحثہ کے شیوع میں امید سے زیادہ توقف ہوا اس عرصہ میں بیقرار اور منتظر شائقین کو فرط تحیر سے طبعًا طرح طرح کے ظنون و اوہام کے پنجہ میں اسیر ہونا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس التوا و توقف میں بھی بڑی مصلحتیں ثابت ہوئیں اور اب یہ دنیا میں اپنی پوری تجلّی کے ساتھ آفتاب نصف النہار کیطرح چمکا ہے۔ بیشک ایک عالم کو انتظار لگ رہا تھا کہ اُس جلیل اور باہیبت دعوے کے مقابلہ پر جو مرسل یزدانی امام ربّانی حضرت غلام احمدؐ قادیانی نے کیا ہے مستند اور مسلم فضلا سے کوئی شخص کھڑا ہو اور مسلمانوں کو وہی شوق تھا کہ قدیم بغل پروردہ عقیدہ کو نہ چھوڑیں جبتک کسی زبردست مقابلہ کی محک پر کس کر اسکا خاسرہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ لودیانہ کے مباحثہ سے جو اصل دعوی مسیح موعود سے بالکل اجنبی واقع ہوا تھا مسلمانوں کی پیاس کو ایک قطرۂ آب بھی ہونٹ تر کرنے کیلئے نہ ملا تھا۔ گو ایک جہت سے اہلِ حق مبصر کو اُس سے بھی حضرت مرزا صاحب کا مؤید من اللہ ہونا صاف طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ مگر عام لوگ جنکی نگاہیں مبادی سے متجاوز ہو کر مقاصد کی تہ در تہ باریکیوں پر پہنچ نہیں سکتیں کھلا کھلا ثبوت اور بیّن حجّت کا ظہور چاہتے تھے سو رحیم کریم اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو حیرت و تردد کی ظلمتوں میں ابتلا کیوقت اپنی خاص حکمت سے چراغ ہدایت ہاتھ میں دیتا ہے اپنی دائمی سنّت کے موافق اب بھی تقاضا فرمایا کہ اُن فطری سعیدوں کو جن پر بعض بواعث سے آنی حجاب پڑ گئے ہیں اور جنہیں حقیقۃً قبول حق کی سچی اور پُرجوش تڑپ تو لگی ہوئی ہے مگر وہ صدیقی ایمان کے خلاف قاطع حجّت اور باہر دلیل دیکھ کر ایمان لانا پسند کرتے ہیں۔ اپنی مرضیات کی راہیں دکھانے کیلئے ایک خاص امر فارق بین الحق والباطل دکھلائے۔ اُس حکیم حمید اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست حکمت کے پورا کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود کے دل میں سفر دہلی کا ارادہ القا کیا۔ آپ ۲۸ ستمبر کو مع الخیر وارد دہلی ہوئے۔ کل پنجاب اور ہندوستان کی آنکھیں بڑی بے صبری سے دہلی کی کارروائیوں کو دیکھنے لگیں۔ انکا یہ موروثی اعتقاد چلا آتا تھا کہ دہلی بڑے بڑے نامی علما اور اجلہ اولیا کا مسکن و ماوی ہے اسلئے وہاں کما ینبغی احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائیگا مگر افسوس وہ نہ جانتے تھے کہ ان کے حسن اعتقاد کے محرک و مرجع جنکی پاک اور برگزیدہ تصنیفات و تالیفات انکی دلکش تصاویر کے مرقع کی بجا قائم مقامی کر کے پڑھنے والوں کے دل میں سو سو حسرتیں چھوڑتی ہیں قبروں میں سوئے ہیں اور انکے سینوں کو روندنے والے اترا اترا کر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو فخلف من بعدھم خلفٌ اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات

کے پورے مصداق ہو رہے ہیں بیشک بعض اب بھی ہیں جنہیں مقدس اسلاف کی سچی یادگاریں کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ الغرض حضرت مرزا صاحب اپنے مخدوم آقا اپنے مقتدا جناب ہادیٔ کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح جبکہ وُہ اہلِ مکّہ سے ابذائیں سہکر طائف ایسے مہذب شاداب شہر کو تشریف لے گئے تھے کہ کہیں اُن میں ہی کوئی طالب حق ملجائے ہندوستان کے مہذب شہر دہلی میں آئے۔ مگر کیا ہمیں اس بات کے اظہار پر دلی رنج مجبور نہیں کرتا کہ اہلِ دہلی نے (الاماشاء اللہ ومن شاء عصمہ) شاید اہلِ طائف کی تاریخ پڑھ کر اور اپنی پر زور نخوت و رعونت پر اعتماد کر کے جاہا کہ وہ ایک مرد خدا کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں اُن گذشتہ مخالفانِ راستی سے کوئی قدم پیچھے رہجائیں خیر جو کچھ اُن سے بن پڑا انہوں نے کہا اور کیا اور ایک باامن۔ رحیم۔ مہذب اور پکی بے طرفدار گورنمنٹ کے پرسطوت و بارعب وقت میں جسقدر مخالفت کا وہ حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے کی مگر اُن کی متفق کوششوں سے نور اللہ بجھ نہ سکا بلکہ آخر اُنہی کے ہاتھوں اُنہی کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نور کی ترقی کا موجب بنایا مگر انہوں نے سخت غفلت کیوجہ سے نہ سمجھا شاید اب بہتیرے سمجھ جائیں۔ یہاں ہمیں ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ہم دہلی کی کارروائی کے جزوی و کلی حالات مفصلاً لکھنے کی تکلیف اٹھائیں۔ اس امر کو ہمارے مکرم دوست منشی غلام قادر صاحب فصیح ضمیمہ پنجاب گزٹ مورخہ ۱۴ نومبر میں بڑی وضاحت اور صداقت سے شائع کر چکے ہیں ہمارے نزدیک اتنا ہی کہنا ایک جامع مضمون کے قائم مقام ہے کہ اُن لوگوں نے ایک مسلم انسان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں حقوق العباد میں سے کسی ایک حق کی بھی رعایت نہ کی لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ بہر نہج اُنپر حجت تمام کر دے گو میاں مولوی سید نذیر حسین صاحب اور اُنکے لشکروں نے اللہ کے اتمام حجت کی راہ میں عمداً بڑی بڑی چٹانیں ڈالدیں اور ہر طرح ہاتھ پاؤں مارے کہ اُنکا لشکر قیام بیّنہ سے ہلاک نہ ہونے پائے اور جوں توں کر کے وُہ پیالہ اُن سے ٹلجائے مگر اللہ تعالیٰ نے مولوی محمدؐ بشیر صاحب بھوپالوی کو ایک دوست کی صورت میں اُنکا خانہ برانداز دشمن بھیجدیا یہ کہنا نادرست نہیں کہ مولوی صاحب کو دہلی کے بعض پیروانِ میاں صاحب نے جو میاں صاحب سے بوجہ شدت ہرم اور دیگر ملاؤں سے بوجہ فقدان قابلیت مایوس ہو چکے تھے بڑے شوق سے بلایا اور یہ بھی بالکل حق ہے کہ مولوی محمدؐ بشیر صاحب کو باغراض شتّی خود بھی خواہش تھی کہ حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کریں بہرحال اس سادہ دل مولوی نے میاں سید نذیر حسین صاحب اور انکے تابعین کے رحم انگیز زار نالے اور سخت سرزنش پر بھی مطلق کان نہ دھر کے بڑی جرأت سے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کو کیونکر نباہا ناظرین اِن مضامین کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لینگے گو

مولوی محمد بشیر صاحب نے کسی نیت پر اس میدان میں قدم رکھا ہو مگر ہم انھیں مبارک دیتے ہیں کہ انہوں نے ہندوپنجاب کے علماء کیطرف سے اپنے تئیں فدیہ دیا ہے واقعی وہ ایک زبردست کفارہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کیطرف سے ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ نے انھیں اس لق و دق بیابان میں جہاں کوئی جادہ نہ ملتا تھا اور نہ جہاں کوئی نقش پائے رہ رواں ہی نظر آتا تھا اس نشان کی طرح کھڑا کیا جس سے مسافر سمت کا پتہ لگاتے ہیں اگرچہ اُس میل (نشان) کو شعور نہ ہو کہ اس کا وجود اتنے بڑے فائدہ کا موجب ہے مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ شاید شاکر علیم خدا اُن کو بوجہ دال علی الخیر ہونے کے واقعی فہم بھی عطا کردے تو کہ وہ اس فرستادہ خداوندی کو طوعاً قبول کریں میرا ایک ارادہ تھا کہ میں معمولاً ان مضامین پر کچھ نوٹ یا ایک مختصر ساریویو کرتا مگر میرے دلی دوست بلکہ مخدوم معظم مولوی سید محمد احسن صاحب نے مجھے اس قرض سے سبکدوش کردیا انھوں نے جیسا اس خدمت کو ادا کیا ہے درحقیقت اُنہی جیسے فاضل اجل کا حصہ تھا۔ جزاہ اللہ احسن الجزا میرا یقین ہے کہ یہ ایسا نیک کام اُنکے مبارک ہاتھ سے پورا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُنکے رفع درجات کے لئے ایک یہی بس ہے مگر قوی امید ہے کہ ہمارے حضرت سید صاحب ممدوح روح قدس سے موید ہوکر اور بھی بڑی مفید اور منتج ثواب کام کرینگے ۔

الغرض مولوی محمد بشیر صاحب کے وجود کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں جنہوں نے غیر ضروری مباحث اور بخلاف ایک پنجابی ملا کے لاطائل اصول موضوعہ کو چھوڑ کر اصل امر کو بحث کا تختہ مشق بنایا اور یوں خلق کثیر کے ہر روزہ انتظار جان کاہ کو رفع کردیا گو اسپر بھی اس بات کے کہنے سے چارہ نہیں کہ ہدایت ایک منجانب اللہ امر ہے اور وہ سچا ہادی لامعلوم اسباب کے وسایط سے سعید ان ازلی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر کہنے کو کہا جاسکتا ہے کہ راہ خوب صاف ہوگئی اور اس مضمون حیات و ممات مسیحؑ کی بحث کی حجت قطعاً و حکماً تمام ہوگئی ۔

ہم کمال ہمدردی اور اسلامی اخوت کی راہ سے اہل دہلی کو اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ ناحق کی ضد کو چھوڑ کر اس مامور من اللہ کو قبول کریں ورنہ اُن کا انجام خطرناک معلوم ہوتا ہے میں کانپتے ہوئے دل سے انھیں اتنا کہنے سے رک نہیں سکتا کہ اُن کا جامع مسجد دہلی میں حضرت مسیح موعود کے برخلاف چھ سات ہزار آدمی کا مجمع کرکے طرح طرح کے ناسزا حرکات کا مرتکب ہونا دیکھ کر مجھے یاد آگیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ جو کمالات عزیزی مطبوعہ دہلی میں لکھا ہے جناب مولٰنا شاہ عبدالعزیز جو واسطے نماز جمعہ کے جامع مسجد میں تشریف لے جاتے تو عمامہ آنکھوں پر رکھتے۔ ایک شخص فصیح الدین نام جو اکثر حضور میں حاضر رہتے تھے انہوں نے عرض کیا

کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہی جو آپ اس طرح رہتے ہیں آپ نے کلاہ اتار کر اُنکے سر پر رکھدی ایک دفعہ ہی بے ہوش ہوگئے جب دیر میں افاقہ ہوا عرض کیا سو سو اسو کی شکل آدمی کی تھی اور کوئی ریچھ اور کوئی بندر اور کوئی خنزیر کی شکل تھا اور اُس وقت مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمی تھے حضرت نے فرمایا کہ میں کس کی طرف دیکھوں اس باعث تو نہیں دیکھتا"

دہلی والو خدا کیلئے اس واقعہ سی عبرت پکڑو مجھے ڈر لگتا ہی کہ اسوقت بھی تم نے اپنی حرکات سی ثابت کر دیا ہو کہ تم میں بہت ہی تھوڑے ہیں جو اصلی انسانی صورت پر ہیں اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اے اہلِ پنجاب! موقعہ ہے کہ تم اس دہلی کے واقع کو سنکر پوری نصیحت حاصل کرو۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کا حال دیکھ کر عبرت پاتا ہی تم ان تکفیر باز خشک ملاؤں کو انکی اپنی غضب و حسد کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جلنے دو۔ ان سنگدل حقد مجسم صاحبان غرض کو کبھی بھی خلوص و حق سی سروکار ہوا ہی جو اب ہوگا؟۔ اے علم خیز سرزمین لاہور کے رہنے والو ہوشیار ہو جاؤ تمہارا یہ بزرگ خطہ ساری پنجاب کا مرجع ہے۔ دیکھنا وہ پتھر جسے خود تم نے بڑی کوششوں کے ساتھ اپنی راہ سی ہٹایا ہی وہ پھر تمہاری ٹھوکر کا باعث نہ ہو۔ تم خوب جانتے ہو وہ شاخ کس جڑ سی پھوٹی ہی کس زمین میں اسکا نشو و نما ہوا ہی۔ دیکھنا دیکھنا! بھولے سی بھی تمہارے ہاتھ سی پھر اُسکی آبیاری نہ ہو!۔ ایسا نہ ہو کہ دلی کا اُلو تمہاری دیواروں پر بھی بولنے لگے! اے دانشمندو! تم ان کاغذی گڑیوں پر کیوں فریفتہ ہوتے ہو کیا یہ کفر کے فتوے غیر معصوم ہاتھوں کے لکھے ہوئے اور ظالم دلوں کے نتائج نہیں؟ کیا یہ ناشدنی سیاہ کارروائی کرنیوالے خود بھی کاغذی پیراہن پہنکر دادخواہ نہیں ہوئے کہ انپر ناحق کفر کا فتویٰ لگایا گیا؟ پس یہ مسلسل کافر بھی کیا کسی دوسرے کو کافر بنانے کا استحقاق رکھتے ہیں؟ یہ دھوکے کی ٹٹی ہی جو ان ملاؤں نے کھڑی کر رکھی ہی۔ اے صاف باطن حق کے طالبو اسکو پھاند کر آگے بڑھو اور دیکھو کہ وہ جسے یہ حاسد سیاہ غول ثابت کرنا چاہتے اور ڈہٹ بندی کر کے لوگوں کو ایک ڈراونی مورت دکھاتے ہیں وہ درحقیقت ایک عظیم الشان روشنی کا فرشتہ ہی۔ اے خدا اے ہدایت کے مالک خدا تو ان لوگوں کو توفیق عنایت فرما کہ وہ تیرے اس بندہ کو پہچانیں! آخر میں اس دل لبھانیوالے عربی قصیدہ کی نسبت جسکی اشاعت کو بڑا ضروری اور مفید سمجھا گیا ہی میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے ایک نہایت برگزیدہ دوست کا لکھا ہوا ہی جسکے وجود کو ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھتے ہیں۔ ہم کسی وقت بشرط ضرورت اُنکا حال بھی لکھیں گے۔ امید ہی کہ اس قصیدہ کے اردو ترجمہ کو جو اکثر جگہ حاصل مطلب کے طور پر کیا گیا ہی دلچسپی سے خالی نہ پائیں گے۔

اب ہم ان تکفیر بازوں کو حضرت امام ابن قیمؒ کے چند شعر سُنا دیتے ہیں شاید ان میں کوئی خدا ترس بات کی تہ کو پہنچکر اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔

(۱) ومن العجائب انکم کفرتم — اهل الحديث وشيعة القران

(۲) الکفر حق الله ثم رسوله — بالنص يثبت لا بقول فلان

(۳) من کان رب العلمين وعبده — قد کفراه فذاك ذو کفران

(۴) فهلمّ ويحكم نحا كمكم الى — النصّين من وحى ومن قرآن

(۵) وهناك يعلم ايّ حزبينا على الكفران حقا او على الايمان

(۶) فليهنكم تكفير من حكمت باسلام وايمان له النصان

(۷) ان كان ذاك مكفرا يا امّة العدوان من هذا على الايمان

(۸) كفّرتم والله من شهد الرسول بانه حقا على الايمان

(۹) كم ذا التلاعب منكم بالدّين والايمان مثل تلاعب الصبيان

(۱۰) خسفت قلوبكم كما كسفت عقولكم فلا تزكوا على القرآن

(۱۱) يا قوم فانتبهوا لانفسكم وخلوا الجهل والدعوى بلا برهان

(۱) بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ تم نے اہل حدیث اور اہل قرآن کی تکفیر کی۔

(۲) تکفیر تو اللہ اور اسکے رسول کا حق ہے (تمہیں کافر بنانے کا منصب کس نے دیا) وہ نص سے ثابت ہوتا ہے نہ فلاں وبہمان کے قول سے

(۳) جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کافر کہیں وہی کافر ہے۔

(۴) افسوس تم لوگوں پر! تو اب آؤ ہم تم کتاب و سنت پر اپنے مقدمہ کو عرض کرتے ہیں۔

(۵) وہاں چل کر کھل جائے گا کہ واقعی ایمان پر کون ہے اور کفر پہ کون۔

(۶) اُن لوگوں کا کافر کہنا جنکے ایمان و اسلام پر کتاب و سنت گواہی دیں تمہیں مبارک ہو۔

(۷) سرکشو! اگر ایسے برگزیدہ لوگ عاملین بہ کتاب اللہ کافر ہیں تو پھر مومن کون ہے۔

(۸) اللہ کی قسم تم دلیری کر کے ایسے کی تکفیر کر رہے ہو جسکی نسبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہی دیتے ہیں کہ وہ واقعی مومن ہیں

(۹) آؤ خدا کا خوف کرو کب تک بچوں کی طرح دین کو بازیچہ بنا رکھو گے؟

(۱۰) تمہارے دل اور عقلیں گہنائی گئیں ہیں اب قرآن پر تو زیادت نہ کرو۔

(۱۱) اے لوگو اپنی جان کے بچاؤ کے لئے بیدار ہو جاؤ اور اس جہل اور دعویٰ بلا دلیل کو چھوڑ دو۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على السيد الامين وعلى اله وصحبه اجمعين

قصیدہ

یَتشرّف المنظوم بلثم کف الاِمام الجلیلُ وَالهُمَا النّبیل المجدِ المتجّد مِیرزا غُلام احمدُ قادِیانی اَدامَ اللّٰہ تعالیٰ ظلّہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اِلی کم تمادی الھجر یلعب بالصّبّ ۔ وَحتّام یبلوہ الزّمان بذ النّکب
فھل للمعنّی زورۃ ینطفی بھا ۔ تباریح وَجْدٍ توقد النّار فی الجنب
الاھل علمتم ما حملت بحبّکم ۔ واوزارہ من بعد کم انقضت صُلبی
اَبِیتُ علی جمر الغضا متقرّعًا ۔ ودمعی طویل اللیل یشرح للغرب
حرامٌ علی جفنی الکری فاسئلوا بہٖ ۔ نجوم الدُّجیٰ والھدب یجفو عن الھدب

(۱) نہیں معلوم ہجر کی درازی کب تک عاشق کو ستاتی رہیگی۔ اور زمانہ اُسکو اُن دُکھوں میں کب تک مبتلا رکھیگا۔
(۲) کبھی دُکھ سہنے والے (عاشق) کو بھی ایک بار ملاقات میسّر ہو گی۔ جس سے وہ عشق کی اس جلن کو بُجھا سکے جس نے اُس کے پہلو میں آگ مشتعل کر رکھی ہے ؎
(۳) ہائے تمہیں کیا خبر ہے؟ کہ میں نے تمہارے عشق میں کیا کیا اُٹھایا۔ اُس کے بوجھوں نے تمہاری جُدائی میں میری پیٹھ توڑ دی۔
(۴) میں چوب غضا کے دہکتے کوئلوں پر کروٹیں بدلتے بدلتے راتیں کاٹتا ہوں اور میرے آنسو رات بھر رگ آب چشم کو کھولتے رہتے ہیں۔
(۵) نیند میری آنکھوں پر حرام ہے تم اُسکی بابت تاریکی کے ستاروں سے دریافت کر لو کیا مجال جو پلک سے پلک لگی ہو۔

کذا حال مسلوب القرار متیّمٍ	۶	عدیم اصطبارٍ وامق فی الھوی صلب
حلیف الضنی مستوحشٍ ذي کآبۃٍ	۷	طویل اغترابٍ نازح الاھل والحبّ
ھل العیش الا فی وصال احبّۃٍ	۸	نأتْ دارھم لکن عن الجسم لا القلب
فان بعدوا عنی فان حدیثھم	۹	یخفف اشجانی وینھیٰ عن النّحب
بلائی للیالی ویلھا من صروفھا	۱۰	بما صرت فیه حآئر الفکر واللُّب
والھی عن الانشآء والشعر بعد ما	۱۱	تعوّدت شعرًا والکتابۃ من طلبی
کانی ما کنت امرأً ذا فطانۃٍ	۱۲	ولا ورثت نفسی الفصاحۃ من کعب
ھموم وتنکیدٌ واَسْرٌ وغربۃٌ	۱۳	وفی سفھاء النّاس دارٌ وھم کربی
فقدت سروری مذ فقدت احبتی	۱۴	کرام اُناسٍ خلّفوا الھمّ فی العقب

۶ عاشق بے قرار۔ سوختہ دل۔ بے صبر۔ شیدا اور عشق میں ثابت قدم کا ایسا ہی حال ہُوا کرتا ہے۔

۷ وہ عاشق جس نے بیماری سے دائمی دوستی کا عہد باندھ رکھا ہے۔ لوگوں کی صحبت سے گریزاں۔ دکھی۔ مدتوں کا مسافر۔ اہل وعیال اور دوستوں سے جُدا ہے۔

۸ زندگی کا لطف تو بس اُن پیاروں کی صحبت میں ہے جنکا وطن جسم سے دُور۔ پر قلب کے نزدیک ہے۔

۹ وہ جو مجھ سے دُور ہیں تو مضائقہ ہی کیا ہے کیونکہ اُنکی پیاری باتیں میرے دکھ درد کو ہلکا کرتی اور مجھے گریہ وزاری سے روکتی ہیں۔

۱۰ مجھے جُدائی کی راتوں نے سخت ستایا۔ اُنکی گردشوں اور حادثوں پر افسوس! میری تو اسمیں عقل و فکر چکّر کھا گئی ہے۔

۱۱ مجھے انشاء اور شعر گوئی سے بالکل غافل کر دیا حالانکہ شعر گوئی اور اعلیٰ درجہ کا لٹریچر لکھنا تو میری عادت تھی۔

۱۲ اب میری یہ حالت ہے کہ گویا مَیں کبھی بھی زیرک شخص نہ تھا۔ اور جیسے میں کعبؓ (صاحب قصیدۂ بانت سعاد) سے فصاحت کا وارث ہی نہیں ہُوا۔

۱۳ رنج وغم۔ گرفتاری اور سفر میں مبتلا۔ بیوقوف لوگوں میں مکان ہے جنکے ہاتھوں دُکھ سہ رہا ہوں۔

۱۴ میری خوشی اور عیش مفقود ہوگئی جب سے اپنے پیارے دوستوں سے جُدا ہُوا۔ وہ کیا ہی برگزیدہ لوگ تھے۔ ان کے پیچھے میرے حصہ میں تو اب غم ہی غم ہے۔

حفالتهم ابقيتُ فيهاَ اِذَا مَضَوْا	١٥	فامسيتُ احيى بالطغام وبالقحب
بُليتُ باهل الجهل وَيل لاُمهم	١٦	مضرتهم ادهى من الذئبُ الكلب
يعادون اهل العلم والعلم كله	١٧	لما همّهم فى لذة الفرج والشرب
اُقاسى الاذى من جهلهم ومرائهم	١٨	وشدتهم بالسّبع كالطعن والخلب
على غربة فيها هموم وكربة	١٩	وانواع اسقام وفقد اخى الحبّ
وما لاقنى فى ذى البلاد مواسيًا	٢٠	وَلَمْ يتيسّر آسيًا من فتًى ندب
وحيد واصناف الخُطوب تنوبنى	٢١	تعددت البلوٰى علىٰ عادم الصحب
ارانى مع الاوغاد يستصحبوننى	٢٢	اُعَلّمُ غيرَ الاهل كالقرد والدُّبّ
لقد ضاق صدرى بالاقامة عندهم	٢٣	وسُوءِ جوار العابس الوجه ذى قطب

١٥ وہ برگزیدے تو چلے گئے اور میں ردّی سا پیچھے رہ گیا۔ اب کمینوں قلاشوں میں مجھے زندگی بسر کرنی پڑ گئی۔

١٦ جاہلوں سے میرا پالا پڑ گیا۔ اُن کی جلنے والی پر افسوس۔ یہ تو کتوں اور بھیڑیوں سے بھی بڑھ کر موذی ہیں۔

١٧ فسق وفجور اور مے خواری کے دل دادہ ہیں اس لئے علم اور اہلِ علم سے بیر رکھتے ہیں۔

١٨ مجھے اُن کے ناحق کے جھگڑے۔ جہالت اور گالی گلوچ سے سدا تکلیف رہتی ہے۔

١٩ مزید برآں پردیس۔ اور پھر ہر طرح کے رنج وغم اور بیماریاں اور محبّوں کا نہ ہونا۔

٢٠ افسوس ان دیسوں میں مجھے کوئی غم خوار نہ ملا اور نہ کوئی جوانمرد فیاض غم گسار ہاتھ آیا۔

٢١ میں اکیلا ہوں اور اس پر طرح طرح کے مصائب مجھ پر پڑ گئے ہیں۔ جس کے دوست نہ ہوں اُس پر بہت سی مصیبتیں وارد ہوا کرتی ہیں۔

٢٢ میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ فرومایہ لوگوں سے سنگت نصیب ہو رہی ہے۔ اور بندروں اور ریچھوں کے ایسے نااہلوں کا معلّم بنا ہوا ہوں۔

٢٣ ان بدمزاج۔ بدخو۔ ترش رو ہم نشینوں میں رہتے اور اُن کی سنگت سے میرا دل اُکتا گیا ہے۔

الی الله اشکو فارعاتٍ تصیبنی	۲۴	من الدّهر قد ضاقت بها سَعَۃ اللّحب
ومن مفترٍ یرمی بانواع تهمۃٍ	۲۵	وتلبیس مُغتابٍ ومستهزٍ سبّ
وعلماء[1] السُّوء یدعون اُسوۃ	۲۶	علی فرط جهل بالحقائق والکتب
عمائم والجبات والقمص واللحی	۲۷	بها فخرهم لکنها الجهل لا تخبی
ببکم سمع الیلمعیّ حدیثهم	۲۸	ورؤیتهم تقذی بها عین ذی لُبّ
فوالله انی ما هجرت خلاطهم	۲۹	لغیر جفاء لیس من شیمۃ النجب
وجهدهم المزری بعلمی ولومهم	۳۰	ورغبتهم فیما یناسب بالوغب
یلوموننی انی اعاف لقائهم	۳۱	وکیف الاتی جاهلا لیس من حزبی
فکم بین ذی لبّ ادیب وجاهل	۳۲	وشتّان بین الماجد الحرّ والوشب
من الجهل ان تلقی وتکرم جاهلا	۳۳	للحیته اوجبۃ او عظم السبّ
عذیری من الایام من جور اهلها	۳۴	اقاموا جبال الفادحات علی قلبی

۲۴ زمانہ کے مصائب سے جنہوں نے میرے وسیع سینہ کو بھی تنگ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکوہ کرتا ہوں۔
۲۵ اور اُس مفتری سے جو طرح طرح کی تہمتیں لگاتا ہے اور غیبت کرنیوالے کے دھوکے اور ٹھٹھہ باز گالی دینے والے سے۔
۲۶ اور بُرے عالموں سے جو باوجود حقائق و معارف و علوم کے نہ جاننے کے اپنے تئیں نمونے سداتے ہیں۔
۲۷ آجاکے انکا مایہ ناز عمامے۔ جُبّے۔ قمیصیں اور ڈاڑھیاں ہیں۔ مگر اُن سے جہل کیونکر چھپ جائے۔
۲۸ سمجھدار ان کی گفتگو کو سُننا گوارا نہیں کرتا۔ اور دانشمند ان کے دیکھنے سے گھن کرتا ہے۔
۲۹ بخدا میں نے جو اُن سے ملنا جُلنا چھوڑ دیا تو اُن کی جفا کے باعث جو شریفوں کا شیوہ نہیں۔
۳۰ اور اُن کے جہل کے باعث جسکی وجہ سے وہ میرے علم کو حقیر جانتے اور اُن کی فرومائیگی اور رذیلوں کیسی عادات سے مانوس ہونے کے باعث۔
۳۱ وہ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ میں اُنھیں دیکھنا روا نہیں رکھتا۔ سچ ہے۔ میں کیونکر جاہل سے ملوں جو میری جماعت سے نہیں۔
۳۲ دانا۔ ادیب۔ اور جاہل۔ نجیب و شریف اور کمینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔
۳۳ کسی جاہل سے ملنا اور اُسکی بڑی پگڑی اور لمبی ڈاڑھی اور جُبّہ کے باعث اُسکی عزّت کرنا بھی جاہل ہی کا کام ہے۔
۳۴ زمانہ اور اہل زمانہ کے جور و جفا سے جو میں شکوہ کروں تو مجھے معذور رکھنا چاہیئے کیونکہ انہوں نے میرے دل پر مصائب کے پہاڑ رکھ دیئے ہیں۔

[1] وعن علماء السّوء من سہو کاتب سے رہ گیا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۳۹ شمسی

۳۵ شرقت بابناء اللئام وشرّهم — وفتنتهم لا بالملام ولا العتب
۳۶ لعمری هذی النائبات اخفها — اشد علی الانسان من وقعة القضب
۳۷ رعی الله طیفاقد اتانی بفرحة — تکاد بها انجو من الهم والتّصب
۳۸ فانی بلیل بین هدءٍ ورقدةٍ — اذا شیم برق الشرق فی اسرع الوثب
۳۹ اضأت به الأفاق والارض کلها — وحار البرایا فیه خوفا من الخطب
۴۰ ففاهوا بما شآءوا ولم یتفکروا — لفرط اختباط بالضجیج وبالصّخب
۴۱ وکم مدع للعلم من فرط جهله — تاوّله بالهرج والطعن والضرب
۴۲ تانّقت فیه غیر یوم ولیلة — اراقب ما یبدی الزمان من العجب
۴۳ وقد اجتلی اٰثار خیر ورحمة — من الجانب الشرقی مستوطن الخصب
۴۴ وانشق من ریح الصّبا کل سحرةٍ — روایح تروی القلب کالغصن الرطب

۳۵ میں خبیث طینت لوگوں کے شر وفتنہ سے نہ انکی ملامت وعتاب سے سخت تنگ آگیا ہوں۔
۳۶ بخدا یہ ایسی مصیبتیں ہیں کہ اُن میں سے ہلکی سے ہلکی بھی انسان پر تلوار کی ضرب سے زیادہ شدید ہیں۔
۳۷ اللہ تعالیٰ اُس خیال کا حافظ وناصر ہو جو میرے پاس ایسی بشارت لایا جس سے امید پڑتی ہے کہ میں غم والم سے نجات پا جاؤں گا۔
۳۸ اُس کا واقعہ یوں ہے کہ میں ایک رات کچھ بیداری اور نیند کے درمیان تھا کہ شرقی بجلی اس زور سے کوندتی نظر آئی۔
۳۹ کہ ساری دنیا اُسکی روشنی سے منور ہوگئی اور لوگ حیران ہو کر کہنے لگے کہ کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا چاہتا ہے۔
۴۰ جو کچھ کسی کے مُنہ میں آیا بولتا رہا۔ مگر کسی کو بھی شدت اضطراب اور شور وغل کیوجہ سے سوچنے کا موقع نہ ملا۔
۴۱ بعض مدعیان علم نے بڑی جہالت سے اُسکی یہ تاویل کی کہ کوئی بڑا فتنہ اور جنگ ہونے والی ہے۔
۴۲ میں بھی اس امر میں کئی رات دن غور کرتا رہا اور منتظر تھا کہ زمانہ کیا عجیب واقعہ ظاہر کیا چاہتا ہے۔
۴۳ مگر میں اپنے زعم میں مبارک سرزمین مشرق کیطرف سے رحمت وخیر کے آثار کا منتظر تھا۔
۴۴ اور مشرقی ہوا سے ہر سحر مجھے ایسی خوشبو آتی۔ جو شاخ تر کی طرح دل کو تر وتازہ کر جاتی۔

وتُهدی لہ من نفحةٍ عنبریّة	۴۵	فَحَنّ لذکرالشرق شوقا الی القرب
واُلقِی فیه انّ بالشرق قدوةً	۴۶	تفوّح انفاس له موجب الجذب
فقد جآءنا من قادیانَ مُبشِّرٌ	۴۷	بخیر امام انتظرناہ مُذ حقب
واخبران اضحی غلامٌ لاحمدٍ	۴۸	خلیفته فینا ومنا بلا ذبّ
امامٌ همامٌ نائبُ الشرع مُلهَمٌ	۴۹	من الله رب العرش عافٍ عن الذب
مجدد دین الله فی امّةٍ غَوَت	۵۰	وصاحب هذا العصر حقا بلا کذب
جلیل جمیل احسن الناس کُلّهم	۵۱	کریم المحیّا اسمر اللون ذو الرّعب
وقور حلیم ربعة ربّ وفرةٍ	۵۲	له شعر سبط کما قال من نبیّ
سمی صفی بین الوصف ماجد	۵۳	حمید السجایا وافر العلم واللب
هو الحجة البیضاء لله فی الوری	۵۴	کشمس الضحی قد ضآء شرقا الی غرب

۴۵ اور اُسے بُوئے عنبر تحفہ دیتی جس سے میرے دل کو یادِ شرق اور اُس کے قرب کا اشتیاق لگ گیا۔

۴۶ اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ مشرق میں ایک برگزیدہ ہے جسکے دم مبارک کی ہوا یہ کشش کر رہی ہے۔

۴۷ اتنے میں قادیاں سے ایک بشارت دینے والا آیا کہ جس برگزیدہ امام کا تم برسوں سے انتظار کرتے تھے وہ آگیا۔

۴۸ اور اُس نے اطلاع دی کہ احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ایک خادم و غلام ہم میں اور ہم میں سے اُس کا جانشین ہُوا ہے۔

۴۹ مبارک امام۔ نائب شرع اور اللہ رب عرش کی طرف سے ملہم اور گناہوں سے پاک۔

۵۰ بہک گئی ہوئی امت میں از سرِ نو اللہ کے دین کو بحال کرنے والا اور لاریب اس زمانہ کا صاحب۔

۵۱ صاحب جلال و جمال اور حسن میں سب لوگوں میں سے برتر۔ کریمانہ لبشرہ والا۔ گندم گوں اور صاحب رعب۔

۵۲ باوقار۔ حلیم۔ میانہ قد اور بڑا سخی ہے۔ اُسکے نیچے لٹکنے والے بال ہیں جیسے کہ جناب نبوت مآب نے خبر دی۔

۵۳ عالی قدر۔ برگزیدہ۔ جس کی وصف عیاں ہے۔ بڑی شرافت والا۔ جس کی تمام عادتیں ستودہ ہیں۔ بڑے علم و دانش والا۔

۵۴ وہ جہان میں اللہ تعالیٰ کی روشن حجت ہے۔ آفتاب نیمروز کی طرح شرق و غرب میں درخشاں ہے۔

علیم باسرار الشریعۃ عاملٌ	۵۵	بموجبہا فی محکم الفرض والندبِ
بشیر بفوز بالمنٰے لمن اقتدیٰ	۵۶	نذیر لمن ولی من البوس والکربِ
قوی مہیب اشجع القوم باسلٌ	۵۷	شدید علی الکفار کالصارم العضبِ
محب لمن ود الرسول وصحبہ	۵۸	عدو لاہل الغی والجبت والنصبِ
عفیف تقی اودع الناس خیرہم	۵۹	واصدقہم فیما یقول وما یُنْبی
حییٌ ستیرٌ ذو المروۃ والوفا	۶۰	عفوّ صبورٌ ہیّن لیّن القلبِ
وضیٌ طلیق الوجہ برٌّ مبارک	۶۱	کریم رحیب الباع ذوالمنزل الرّحْبِ
سریع الی الحسنیٰ نفور عن الخنا	۶۲	بعید من الایذآء والزجر والسبِّ
امین علی حقٍ مطاع محدّثٌ	۶۳	بکل الذی یقضی ویسطر فی الکتبِ
یعین بنی الاٰمال بالمال والعطا	۶۴	ویغنی ذوی الافلاس بالجود والوہبِ

۵۵ شریعت کے اسرار کا جاننے والا۔ فرض و ندب میں شریعت کے موجبات پر عمل کرنے والا۔

۵۶ اپنے پیرو کو حصول آرزو کی بشارت دینے والا۔ اور منکر کو دُکھ درد سے ڈرانے والا۔

۵۷ زبردست۔ باہیبت۔ شجاع ترین قوم۔ جوان مرد۔ کافروں پر شمشیر تیز سے زیادہ تیز۔

۵۸ جناب رسولؐ اور اُنکے دوستوں کے دوست کا دوست۔ گمراہوں اور غیر اللہ کے پُوجنے والوں کا دشمن۔

۵۹ پاکدامن تقدیٰ شعار سب لوگوں سے برگزیدہ اور پرہیزگار اور اپنی تمام باتوں اور پیشگوئیوں میں سچّا۔

۶۰ بڑی حیا و شرم والا۔ بڑی مروت و وفا والا۔ درگذر کرنے والا۔ برداشت کرنے والا۔ بڑا ہی نرم دل۔

۶۱ روشن رو۔ کشادہ بُشرہ والا۔ نیکی رساں مبارک۔ کریم بڑا ہی مہمان نواز جس کا مکان سدا مہمانوں کیلئے کھلا رہتا ہے۔

۶۲ نیکی کرنے میں جلد باز۔ اور بدکاری سے بھاگنے والا۔ کسی کو سرزنش کرنے دُکھ دینے اور دشنام دہی سے کوسوں دُور۔

۶۳ مانا گیا۔ خدا کی ہم کلامی سے مشرف۔ اور جو کچھ اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھتا ہے اس سب میں امین برحق۔

۶۴ اُمید واروں کی داد و دہش سے اعانت کرتا ہے۔ اور مفلسوں کو جود و کرم سے غنی کرتا ہے۔

نمبر		
۶۵	يضيف مساءً وافد يه وغد وةً	ويدعى ابا الاضيافِ في الخصبِ والجدبِ
۶۶	تسير اليه الوفد من كل وجهة	ويقصده الرّكبان ركبًا على ركبِ
۶۷	حليف التقى يهدى الانام الى التقى	ويسعى لمرضاة المهيمن والقربِ
۶۸	طبيب بامراض القلوب مُبَصّرٌ	ينقى من الاهوآء والدّرن والثلبِ
۶۹	مشيد قصر الدين من بعد ما وهت	اساطينه فيناعن الثلم والشعبِ
۷۰	تصدى لاصلاح المفاسد فى الورٰى	بمنفعةٍ تدعوالى السلم لا الحربِ
۷۱	واذن انى قد بعثت مويّدًا	بارشاد من فى الحضر منهم وفى السّهبِ
۷۲	يصنف فى هذا رسايل جمّةً	ويرسلها جهرًا الى العُجم والعُربِ
۷۳	واعلن فى الاٰفاق دعوة بيعة	فشدوا اليه الرحل حزبا على حزبِ
۷۴	يزفون من بدوٍ اليه وحضرة	ثباتًا واشتاتًا من الشيبِ والشّهبِ

۶۵ صبح وشام مہمانوں کی مہمانی میں مصروف رہتا ہے۔ اسی لئے گرانی اور ارزانی میں اُسے مہمانوں کا باپ کرکے پکارا جاتا ہے۔

۶۶ ہر سمت سے جماعتوں کی جماعتیں اُسکے پاس آتی ہیں اور گروہ در گروہ ٹرینوں میں بھر کر اُسکے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

۶۷ بڑا ہی پرہیزگار اور پرہیزگاری کی راہ خلقت کو دکھانے والا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور قرب میں کوشش کرتا رہتا ہے۔

۶۸ دل کی بیماریوں کا طبیب۔ بڑی پہچان والا جو ہر قسم کے عیب۔ زنگ اور بُری خواہشوں سے پاک صاف کرتا ہے۔

۶۹ دین کی عمارت کا مضبوط کرنیوالا۔ جب کہ رخنے پڑ پڑ کر اس کی دیواریں ڈھینے پر آرہی تھیں۔

۷۰ خلقت کے بگاڑوں کی اصلاح کا بیڑا ایسی نفع رسانی پر اٹھایا ہے جسکی بلاہٹ صلح کیجانب ہے نہ لڑائی کی طرف۔

۷۱ اور اشتہار پر اشتہار دیئے ہیں کہ میں تائید یافتہ از خدا آیا ہوں تو کہ اُن سب کو جو دیہاتوں اور شہروں میں رہتے ہیں راہ حق دکھاؤں

۷۲ اس بارہ میں متعدد رسالے تصنیف کرکے علانیہ طور پر اطراف و اکناف عالم میں بھیجتا ہے۔

۷۳ عالم میں بیعت کی دعوت کا اعلان دے دیا ہے اور جوق در جوق لوگ تیاریاں کرکر اسکے قدموں میں حاضر ہوتے ہیں۔

۷۴ دیہات سے شہر سے ہر سمت سے الگ الگ اور مل مل کر زائرین اُس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔

يبايعه من كل حزبٍ عريفه	۷۵	على طاعة الرحمٰن فى السهل والصّعب
تراهم خضوعًا خاشعين لربّهم	۷۶	قلوبهم ملآى من الشوق والحُبّ
نفوع يفيد الناس من نفثاتِه	۷۷	ويسبى قلوب الخلق من خلقه العذب
رحيم بهم كالوالد البر مشفقٌ	۷۸	ينفس عنهم كربة الجهل والعُجب
وبحر علوم يقذف الدرّ موجه	۷۹	الى الناس طرًا لا يذود عن النهب
يحلق اهل العلم والفضل عندهٗ	۸۰	صباحًا مساءً وهو كالبدر فى الشهب
قعودًا لديه تسقط الطير فوقهم	۸۱	كانهم استولت عليهم يد الرّهب
يدورون فى اخذ المكارم حوله	۸۲	مثال النجوم الدايرات على القطب
وكم من كتاب جآء نامنه معجب	۸۳	له درجات عاليات على الكتب
براهينه تهدى البرايا كحله	۸۴	يجلى عيون الشك والجهل والعصب

۷۵ ہر گروہ کے تشنا سا آدمی اُس سے بیعت کرتے ہیں کہ وہ ہر حال میں راحت و رنج میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں گے۔

۷۶ ان بیعت کرنیوالوں کو تم دیکھو (وہ کیسے ہیں!) وہ اپنے رب کے آگے گڑگڑانے والے ہیں۔ اُن کے دل شوق و محبّت الٰہی سے بھرپور ہیں۔

۷۷ وہ نفع رساں ہے خلقت کو اپنے کلام سے فائدہ بخشتا ہے اور اپنے خلق شیریں سے خلقت کے دِل مٹھی میں کرلیتا ہے۔

۷۸ اُن پر مہربان باپ کی طرح رحیم و مشفق ہے۔ اور جہل اور خود بینی کی بلاؤں کو اُن پر سے ٹالتا ہے۔

۷۹ وہ علوم کا سمندر ہے جس کی موجیں تمام لوگوں کی طرف موتی پھینکتی ہیں اور پھر لوٹنے سے کسی کو روکتا نہیں۔

۸۰ صبح و شام اہل علم و فضل اُس کے گرد حلقہ کئے رہتے ہیں اور وہ اُن میں ایسا ہے جیسے ستاروں میں بدر۔

۸۱ وہ اہل علم اُس کے حضور میں ایسے محو ہو کر بیٹھے رہتے ہیں کہ اُنہیں بیجان خیالی کرکے پرندے اُن پر بیٹھ جاتے ہیں گویا ہیبت کا ہاتھ اُن لوگوں پر غالب ہے۔

۸۲ جس طرح بنات النعش قطب کے گرد گھومتے ہیں اسی طرح یہ اہل علم تحصیل معارف کیلئے اُسکے گرد گھومتے ہیں۔

۸۳ اُسکی کئی بڑی بڑی عجیب کتابیں ہمیں بھی ملیں جنہیں اور کتابوں پر بڑی بھاری فضیلت اور ترجیح ہے۔

۸۴ اُسکی براہین (احمدیہ) خلقت کی ہادی ہے اور سرمہ چشم آریہ جہل شک اور تعصب کی آنکھوں کو جلا دیتا ہے۔

۸۴ دکحلہ واؤ سہو کاتب سے لکھنی رہ گئی ہے۔ شمس

وتوضيحه تجلو ظلام غواية ۸۵ وما الفتح الا مفتح الفتح والغلب
وكم معجزات النظم قد تبهر النهى ۸۶ تغادر من باراه احير من ضبّ
يروق عيونا حسنها و نظامها ۸۷ وتكسو نفوسًا كلها نشوة الشرب
قصائد فيها النور والصدق والهدى ۸۸ تدل على الاحسان والفوز بالقرب
تكاد النجوم الزاهرات من السما ۸۹ تخر اليها ساجدات على الترب
يلذ على الاسماع حر كلامه ۹۰ ولطف معان فيه الالبابا يسبى
نفيس ارانا من نفايس سرّه ۹۱ دقايق علم لاينال عن الكسب
واعجز من اعجاز انفاسه العدى ۹۲ وقد باء من احداه[1] بالخسر والتّب
شياطين انس منه فرّوا وجنّة ۹۳ كان لهم انفاسه شهب الثقب
اقر له الاعداء بالفضل والعلى ۹۴ وذل لديه كل ذى العزل والنصب

۸۵ توضیح مرام گمراہی کی تاریکی کو کھول دیتی ہے۔ اور فتح اسلام تو فتح و غلبہ کی کنجی ہے۔
۸۶ اور آپ کی منظومات کے معجزے عقل کو حیران کر دیتے اور مقابلہ کرنے والے کو سوسمار سی بھی زیادہ سراسیمہ کر ڈالتے ہیں۔
۸۷ اُن کا حسن و نظام آنکھوں کو سرور بخشتا اور سخن فہموں کے دلوں کو سرشار بھی کر دیتا ہے۔
۸۸ قصائد میں تو نور۔ صدق۔ ہدایت۔ توحید۔ اور قرب الٰہی کے حصول کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔
۸۹ کچھ عجب نہیں جو آسمانوں کے نورانی تارے اُن قصائد کے آگے سجدہ کرنے کیلئے زمین پر آرہیں۔
۹۰ آپ کا لطیف کلام کانوں کو لذت دیتا اور اسکے معانی کی خوبی تو ہماری دانشوں کو اسیر ہی کرلیتی ہے۔
۹۱ آپ کی ذات مبارک نے عجائبات اسرار الٰہیہ سے ہمیں ایسے دقائق معارف دکھلائے ہیں جو کسب سے حاصل نہیں ہوسکتے۔
۹۲ اپنے کلمات طیبات سے مخالفوں کو عاجز کر دیا ہے اور معارضہ کرنیوالے کے پلّے زیاں اور وبال کے سوا کچھ نہیں پڑا۔
۹۳ تمام شیاطین انس و جن اُسکے ظہور سے رفوچکّر ہو گئے ہیں گویا آپکے انفاس اُنکے حق میں شہاب ثاقب ہو گئے۔
۹۴ دشمن بھی آپکی فضیلت کا اقرار کر چکے ہیں اور بڑے بڑے صاحب اختیار لوگ بھی آپکے سامنے سر نیچا کر دیتے ہیں۔

[1] صحیح حدّاہ معلوم ہوتا ہے۔ مصحّح

دعا امة من ههنا ثم ههنا	۹۵	فقال سويداء القلوب لها لبی
يؤثر فی اتباعه ما يقول	۹۶	ويكثرهم يومًا فيومًا ولا يكبی
ويحمده من شط منه ومن دنا	۹۷	سوی من يری فی الدين غيرا ولی الارب
وكم من كبير القوم اصغی وانما	۹۸	حذارًا علی الدنيا نأی عنه بالجنب
فلم يبق الا من تعدی بجهله	۹۹	يماری مراءً عن غوايته ينبی
اذا قيل برزوا اختبره مناظرًا	۱۰۰	يفر ويهذی بالوقاحة والجهب
واكبر من اغزاه نشوة جهله	۱۰۱	بانكاره من يدعی العلم عن كذب
يميل الی الطاغوت طورًا وتارة	۱۰۲	الی الرفض ثم النيچر الكفر كالصب
ومتبع طورًا ووقتا مقلد	۱۰۳	وعبد النصاری مرة ناصر الصلب
تزيا بزی الكفر يشری به الهدی	۱۰۴	ويبغی رضی الكفار فی سخط الرب

۹۵ اُس نے قوم کو ہر سمت سے آواز دی جسے سُن کر سویدائے دل نے کہا کہ اُسے مان ہی لو۔

۹۶ آپکا کلام معجز نظام پیروؤں کے دلوں میں پوری تاثیر کرتا ہی جس کا نتیجہ یہ ہی کہ انہیں روزافزوں ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ تنزّل نہیں۔ لہ

۹۷ سب ہی نزدیک دُور آپکی مدح سرائی کرتے ہیں۔ سوائے اُس بدقسمت کے جسے دین سی کوئی غرض واسطہ نہ ہو۔

۹۸ بڑے بڑے سرداران قوم کو آپکی باتیں دل میں لگ جاتی ہیں۔ مگر پھر دُنیا سی ڈر کر آپسے الگ ہو جاتے ہیں۔

۹۹ اب سوائے جاہل بے اندام کے اور کوئی نہیں رہا جو ناحق کے جھگڑوں سی اپنی گمراہی کا ثبوت دیتا ہی۔

۱۰۰ جب اُسی کہو میدان میں نکل اور مناظرہ کر کے حضرت مثیل کو آزمالے تو نوک دُم بھاگتا اور ناگفتنی باتیں منہ پر لاتا ہی۔

۱۰۱ اور سب سے بڑھ کر ایک جاہل ہی جو نادانی کے نشے میں چُور ہو کر انکار پر کھڑا اور علم کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہی۔

۱۰۲ کبھی تو وُہ پاگل آدمی کی طرح طاغوت کی طرف جُھک پڑتا ہی۔ کبھی رافضی بن جاتا اور کبھی فرقہ ضالہ نیچریہ کا پہلو اختیار کر لیتا ہے۔

۱۰۳ وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہی۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ کبھی کبھی نصارا کا غلام صلیب کا حامی بھی بن جاتا ہی۔

۱۰۴ کفر کا لباس پہنکر دین کو بیچتا ہی۔ اور اپنے مولا کی ناراضی میں کفار کو خوش کرنا چاہتا ہی۔

لہ وہ کلام بے اثر نہیں ہوتا بمقابل کمبادا آکبنی الرّنۃ ای کم یتورِ شمس ۱۴۶　لہ ۱۵ آرد کا لعنت شمس

وماهاجه شيءٌ سوى حسد له	۱۰۵	وذلك داء لا يعالج بالطب
اذا بهت المرتاب عند حجاجه	۱۰۶	تبادر للبهتان والشتم والقشب
ولم يدر ان الله ينصر عبده	۱۰۷	على الجاهل المرتاب المبطل الخب
ومن يخذل المبعوث يخذله ربه	۱۰۸	ويجعله فى خلقه عالى الكعب
ومن لم يعاونه سيبك تاسفا	۱۰۹	ويلق اثاما بالمذلة والكب
هلموا عباد الله واستمعوا له	۱۱۰	وقوموا جميعًا قومة الجحفل اللجب
اعينوه بالاموال وافدوه بالنفوس	۱۱۱	تنجوا من الآفات فى الخلف والشجب
عليكم باتباع امامكم	۱۱۲	فنعم امام جاء فيكم من الرب
يقودكم نحو الهدى فاقتدوا به	۱۱۳	ووالوه بالاخلاص والصدق والرغب
اتاكم ببرهان ومافيه مرية	۱۱۴	فلا تبطلوه بالممارات والشغب

۱۰۵ اُس کی مخالفت کی اور کوئی وجہ سوائے حسد کے نہیں۔ اور اس بیماری کا علاج تو طب میں بھی نہیں۔

۱۰۶ جب وہ اللہ کی باتوں میں شک لانے والا مباحثہ میں ہار کر بغلیں جھانکنے لگا۔ تب گالی گلوچ جھوٹ اور بہتان بولنے لگا۔

۱۰۷ اور یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہ مقابلہ جاہل شکی مبطل دھوکے باز کے اپنے بندہ کا ناصر ہے۔

۱۰۸ اصل یہ ہو کہ جس نے بھیجے ہوئے کو چھوڑا اُس کو اُسکا رب بھی ضرور چھوڑیگا اور وہ اُسی خلقت میں ذلیل کریگا۔

۱۰۹ جس نے آج اُسکی مدد نہ کی کل وہ افسوس کھا کر روئے گا۔ اور بڑی ذلت و رسوائی کے علاوہ سخت گنہ گار ہوگا۔

۱۱۰ آؤ۔ اے خدا کے بندو! اس کی باتیں سنو۔ اور جرار لشکر کی طرح سب کے سب اُٹھ کھڑے ہو۔

۱۱۱ مالوں سے اُسکی مدد کرو۔ جانوں کو اُسپر فدا کرو تو تم تمام دُکھ درد کی آفتوں سے نجات پاؤ گے۔

۱۱۲ اس اپنے امام کی پیروی کو فرض سمجھو۔ کیونکہ رب تعالےٰ کی طرف سے یہ خوب امام تم میں آیا ہے۔

۱۱۳ وُہ تمہیں ہدایت کی طرف چلاتا ہے اُسکے پیچھے آؤ اور اخلاص صدق اور رغبت سے اُس کو پیار کرو۔

۱۱۴ تمہارے پاس واضح برہان لایا ہے جس میں شک کی گنجایش نہیں۔ اب ناحق کے جھگڑوں فسادوں سے اُس کا ابطال نہ کرو۔

هو النعمة العظمیٰ من الله فاشکروا	۱۱۵	ولا تکفروها بالتمرد والنکب
هو الغیث فیکم فاقدروا حق قدره	۱۱۶	یروی البرایا کالصبیب من السحب
هو النور بین الرشد والغی فی الوریٰ	۱۱۷	به تنجلی سود الاساءة والذنب
ولله عینا من راٰه فانه	۱۱۸	علیٰ شرف اعلیٰ وقد فاز بالحسب
عجبت لمن لم یستبن بعد امره	۱۱۹	وقد بلغ الابکار فی الخدر والحجب
ویا عجبی ممن اساء ظنونه	۱۲۰	به وهو یهدیهم الیٰ خالص الحب
ابی الله الا ان یزید اعتلاءه	۱۲۱	ومن یمحی ما شاء للمحو والقلب
ابی الله الا ان یضیئ سراجه	۱۲۲	ومن ذا الذی یطفیه بالنفخ والحصب
لحا الله من ولاه بالبغی مدبرا	۱۲۳	یثیر رعاع الناس بالویل والحرب
لك الله قد ارسلت فینا مکرمًا	۱۲۴	فاهلا وسهلًا مرحبا بك یا محبی

۱۱۵ وہ اللہ کی طرف سی بڑی نعمت ہی۔ اسکی قدر کرو۔ سرکشی اور رُوگردانی سے کفرانِ نعمت کے ملزم نہ ہو۔

۱۱۶ وہ تم میں ابر رحمت ہی اُس کی پوری قدر کرو۔ یہ آسمانی باران کی طرح مخلوق کو سیراب کرتا ہی۔

۱۱۷ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کے لئے عالم میں ایک نور ہے اسی سے بدکاریوں اور گناہوں کی تاریکی دُور ہوگی۔

۱۱۸ مبارک ہو وہ آنکھ جس نے اُسے دیکھا۔ کیونکہ اُسے بڑا ہی شرف اور بڑا ہی اجر حاصل ہُوا۔

۱۱۹ مجھے اُس شخص پر تعجب آتا ہے جس پر ابتک اُس امام کا مشن واضح نہیں ہُوا حالانکہ پردہ نشین کنواریوں تک تو یہ دعوت پہنچ گئی ہے۔

۱۲۰ اُس پر تو بڑا ہی تعجب ہے جو ابتک اُسپر بدظنی رکھتا ہی حالانکہ وہ تو خالص حبّ الٰہی کی انھیں راہ دکھاتا ہی۔

۱۲۱ اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ کر چکا ہی کہ اس امام کی عظمت و قدر بڑھے گی۔ اور جسے خدا قائم رکھنا چاہی اُسے کون میٹ سکے یا ادل بدل کر سکے۔

۱۲۲ اللہ تعالیٰ ضرور اُسکے چراغ کو منوّر رکھنے والا ہی۔ کون ہی جو پھُونکوں اور کنکروں سے اُسے بجھا دے ؟۔

۱۲۳ خدا کی پھٹکار اُسپر جو اُس سی روگردان ہوتا اور سفلہ لوگوں کو اُسکے مقابلہ کیلئے جوش دلاتا ہے۔

۱۲۴ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو! تو ہم میں مکرّم و معظّم بھیجا گیا ہی۔ آئیے آئیے اے فیاض کریم ہمارے سر آنکھوں پر بیٹھیے۔

واشقیٰ عباد اللہ من صار جاحدًا	۱۲۵	لفضلک واستھواہ ابلیس فی الشقب
فاخزاہ فی الدنیا وسود وجھہ	۱۲۶	وقدامہ یوم الندامۃ والسحب
دعانی الی ذا النظم صدق مودۃٍ	۱۲۷	وفرط اشتیاق کان مستوطن القلب
فھاک امام المومنین حدیقۃ	۱۲۸	منضرۃ الاشجار مخضرۃ القضب
ودونك منی روضۃ مستطابۃ	۱۲۹	سقاھا الحجی سقی السحائب لا الغرب
یروق عیون الناظرین ابتسامھا	۱۳۰	اذا سرحت فیھا قلوبھم یطبی
قوافٍ تزید السامعین اشتیاقکم	۱۳۱	اذا انشدوھا نحو اعتابکم یصبی
احن الیکم والدیار بعیدۃ	۱۳۲	وشوق لقاء ینجد العین بالسکب
تھز النسیم القلب حین ھبوبھا	۱۳۳	کھز لسانٍ بالثناء ایما رطب
سقام و بعد ثم عذر و وحدۃ	۱۳۴	فکیف الحدور السھل فی المرتقی العصب

۱۲۵ بڑا ہی شقی بندہ ہی جو تیری فضیلت کا منکر ہوا۔ اور اُسے شیطان نے وادیٔ ضلالت میں پھینک دیا۔

۱۲۶ خدا نے اُسے دنیا میں ذلیل اور روسیاہ کردیا اور عاقبت میں اُسکے سامنے دخول جہنم اور ندامت ہے۔

۱۲۷ مَیں نے یہ قصیدہ مدحیہ محض اخلاص محبت اور کمال اشتیاق سی جو میرے دل میں جاگزین ہی لکھا ہے۔

۱۲۸ اے امام المومنین! لیجئے یہ ایک باغ ہی جس کی شاخیں اور درخت سب سرسبز ہیں۔

۱۲۹ میری طرف سی یہ باغ عجیب تحفہ قبول فرمائیے۔ یہ باغ سدا سرسبز رہنے والا ہی اور کبھی خزاں کا منہ نہ دیکھیگا۔

۱۳۰ اس کی شگفتگی ناظرین کی آنکھوں کو خنک کردیتی ہی اور جب اُنکے دل اس میں سیر و تفریح کریں تو انھیں خوش و خرم کرتی ہے۔

۱۳۱ یہ ایسے اشعار ہیں کہ جب پڑھے جائیں گے تو سامعین کے دلوں میں اشتیاق پیدا کرینگے پھر وہ شوق حضور کی آستان بوسی کی طرف انھیں مائل کرے گا۔

۱۳۲ مَیں آپکا مشتاق ہو رہا ہوں۔ ملک بہت دُور ہی اور شوق ملاقات میں میری آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں۔

۱۳۳ جب نسیم چلتی ہی میرے دل کو جنبش دیجاتی ہی جسطرح میری زبان حضور کی مدح و ثنا میں ہمیشہ حرکت کرتی رہتی ہی۔

۱۳۴ بیماری۔ دوری۔ عذر اور تنہائی اور اُس پر دشوار گزار بیابان اور کٹھن منزلیں میری راہ میں حائل ہیں۔

واشکو عدوًا لا یزال بمرصد	۱۳۵	یراقبنی فیما اقول وما انبی
مداج یفیح الشر من ای وجهة	۱۳۶	ویرشقنی ارشاق من ریع بالسلب
یحرق انیابًا علی عداوة	۱۳۷	کانی اوجعت المنافق بالغضب
بمقدمک المیمون طابت بشارة	۱۳۸	واسفرت الدنیا لکل اخی لب
وزالت بہا الاتراح عن قلب مکمد	۱۳۹	وقام بہ داعی المسرة والرحب
فلازلت للاسلام عونا وعزة	۱۴۰	یہابک من یاباہ فی الشرق والغرب

۱۳۵ میں ایک دشمن کی شکایت کرتا ہوں جو برابر گھات میں لگا ہوا میرے اقوال کو تاکتا رہتا ہی۔

۱۳۶ وہ ایک منافق ہی جو ہر طرح شر اُٹھاتا رہتا ہی۔ اور مجھے یوں تیر مارتا ہے جیسے وہ شخص جسے اُس کا اسباب لوٹنے کی دھمکی دی جاوے۔

۱۳۷ وہ مارے بغض کے مجھ پر دانت پیستا رہتا ہی جیسے مَیں نے اُس کا کچھ چھین کر اُسے ستایا ہی۔

۱۳۸ حضور کے قدوم مبارک سے دنیا بشارت پاکر خوش ہوگئی ہو اور عقلمندوں کو روشن نظر آنے لگی ہی۔

۱۳۹ اُس بشارت کو پاکر آزردہ دلوں کے رنج دُور ہوگئے اور بجائے اس کے دلوں میں خوشی اور فراخی کے ولولے پیدا ہوگئے۔

۱۴۰ میری دُعا ہے کہ حضور اسلام کے مددگار اور باعث عزت رہیں! اور منکرانِ اسلام شرق و غرب آپ سے خوف کھاتے رہیں۔

مابین

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود

اور

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی

دہلی میں

پرچہ نمبر (۱)

مولوی محمد بشیر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد ارباب علم و دین پر مخفی نہ رہے کہ اصل دعویٰ جناب مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونے کا ہے لیکن جناب ممدوح کے محض اصرار بلیغ سے مباحثہ حیات و وفات مسیح علیہ السلام میں منظور کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں بھی اصل منصب جناب مرزا صاحب کا مدعی کا ہے لیکن صرف جناب ممدوح کے اصرار سے ہی یہ بھی قبول کیا گیا کہ پہلے یہ عاجز اولۂ حیات مسیح علیہ السلام تحریر کرے اور اس میں بحث صعود و نزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جائے فاقول بحول اللہ وقوتہ وما توفیقی الا بہ علیہ توکلت و الیہ أنیب۔ جاننا چاہیئے کہ دلیلیں حیات مسیح علیہ السلام کی پانچ آیتیں ہیں۔ دلیل اوّل یہ ہے۔ قال اللہ تعالٰی فی سورۃ النساء وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیدا[1]۔ وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لَیُومِنَنَّ میں نون تاکید کا آیا ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ ماضی اور حال کی تاکید کے لئے نون نہیں آتا ہے ازہری تصریح میں لکھتا ہے۔ ولا یوکد بھما الماضی لفظا ومعنی مطلقا لانھما یخلصان مدخولھما للاستقبال وذالک ینافی المضی انتھٰی۔ اور دوسری جگہ لکھتا ہے

[1] النساء : ۱۶۰

ولایجوز تاکیده بهما اذا کان منفیا او کان المضارع حالا کقراءة ابن کثیر لاقسم بیوم القیٰمة و
قول الشاعر یمینا لابغض کل امرء + یزخرف قولا ولا یفعل + فاقسم فی الاٰیة والبغض فی البیت
معناهما الحال لدخول اللام علیهما وانما لم یؤکد ابالنون لکونها تخلص الفعل للاستقبال وذلك
ینافی الحال انتهٰی + فوائد ضیائیہ میں ہے تختص ای نون بالفعل المستقبل فی الامر والنهی والاستفهام والتمنی
والعرض والقسم وانما اختصت هذه النون بهذه المذکورات الدالة علے الطلب دون الماضی والحال
لانه لایوکد الا ما یکون مطلوبا انتهٰی۔ عبدالحکیم تکملہ میں لکھتے ہیں لان النون تخلص المضارع للاستقبال
فکرهوا الجمع بین حرفین لمعنی واحد فی کلمة واحدة مغنی میں ہے ولا یوکد بهما الماضی مطلقا واما
المضارع فان کان حالا لم یوکد بهما وان کان مستقبلاً اکد بهما وجوبا فی نحو والله لاکیدن
اصنامکم انتهٰی۔ شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں لکھا ہے۔ واعلم الاصل فی نون التاکید ان تلحق
بآخر فعل مستقبل فیه معنے الطلب کالامر والنهی والاستفهام والتمنی والعرض نحو اضربن زیدا
ولاتضربن وهل تضربنه ولیتك تضربن مثقلة ومخففة واختص بما فیه معنے المطلب لان وضعه
للتاکید والتاکید انما یلیق بما یطلب حتی یولد ویحصل فیغتنم هو بوجدان المطلوب
ولایلیق بالخبر المحض لانه قد وجد وحصل فلا یناسبا لتاکید واختص بالمستقبل لان الطلب
انما یتعلق بما لم یحصل بعد لیحصل وهو المستقبل بخلاف الحال والماضی لحصولهما
والمستقبل الذی هو خبر محض لا تلحق نون التاکید باٰخره الا بعد ان ید خل علی اول الفعل
مایدل علے التاکید کلام القسم وان لم یکن فیه معنی الطلب لان الغالب ان المتکلم یقسم
علے مطلوبه انتهٰی۔ اور ایسا ہی بلا خلاف تمام کتب نحو میں مرقوم ہے۔ قرآن مجید اور سنّت مطہرہ میں بھی
نون بہت مواضع میں خاص مستقبل کے لئے آیا ہے اور ماضی اور حال کے لئے ایک جگہ بھی پایا نہیں جاتا۔
اس مقام پر چند آیات نقل کیجاتی ہیں سورہ بقر میں ہے فاما یأتینّکم منی هدی فمن تبع هدای فلاخوف علیهم
ولاهم یحزنون[1]۔ اور بھی اسی میں ہے فلنولینّك قبلة ترضٰها[2] اور اسی میں ہے ولنبلونّکم بشیٔ من الخوف
والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات[3]۔ سورہ آل عمران میں ہے واذ اخذ الله میثاق النبیّن
لما اٰتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه[4] اور بھی اسی میں ہے
لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی

[1,2,3] البقرة : ۳۹ ، ۱۴۵ ، ۱۵۶ ، ۱۵۲ [4] اٰل عمران : ۸۲

کثیراً اور بھی اسی میں ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ الآیۃ۔[1]
اور بھی اُسی میں ہے۔ فالّذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم
سیّئاتھم ولادخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھر سورہ نسأ میں ہے ولاضلنھم ولامنینھم ولامرنھم
فلیبتکن اٰذان الانعام ولامرنّھم فلیغیرن خلق اللہ سورہ مائدہ کے رکوع گیارھویں میں ہے لتجدنّ اشدّ الناس
عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدنّ اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ
اسی سورہ کے تیرھویں رکوع میں ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لیبلونکم اللہ بشیٔ من الصید سورہ انعام کے دوسرے رکوع میں ہے
لیجمعنکم الی یوم القیٰمۃ لاریب فیہ۔ سورہ اعراف کے پہلے رکوع میں ہے فلنسئلن الذین ارسل الیھم
ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم اسی سورۃ کے چودھویں رکوع میں ہے لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف
ثم لاصلبنکم اسی سورہ کے اکیسویں رکوع میں ہے واذ تاذن ربك لیبعثن علیھم الی یوم القیٰمۃ من
یسومھم سوء العذاب۔ سورہ ابراہیم کے دوسرے رکوع میں ہے ولنصبرن علی ما اذیتمونا سورۃ ابراہیم
کے تیسرے رکوع میں ہے وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا اولتعودن فی ملتنا فاوحی
الیھم ربّھم لنھلکن الظالمین ولنسکننکم الارض من بعدھم سورہ نحل کے تیرھویں رکوع میں ہے
ولیبینن لکم یوم القیٰمۃ ماکنتم فیہ تختلفون۔ اسی میں ہے ولتسئلن عمّاکنتم تعملون۔ اسی میں ہے
من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیٰوۃ طیّبۃ ولنجزینھم بنی اسرائیل کے پہلے رکوع
میں ہے۔ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدنّ فی الارض مرتین ولتعلن علواً کبیراً سورہ حج
کے چھٹے رکوع میں ہے ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ سورہ نور کے ساتویں رکوع میں ہے۔ وعد
اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم
ولیمکنن لھم دینھم الّذی ارتضی لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا۔ سورہ نمل کے
دُوسرے رکوع میں ہے لاعذبنہ عذاباً شدیداً او لاْاَذْبحنہ اولیاْتینی بسلطان مبین۔ سورہ عنکبوت
کے ساتویں رکوع میں ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ سورہ محمد کے ۴ رکوع میں ہے ولتعرفنھم
فی لحن القول۔ تغابن کے پہلے رکوع میں ہے قل بلی وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم۔ انشقت
کے ہے لترکبن طبقاً عن طبق۔ اگر جناب مرزا صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عربا کا
ایسا پیش کریں کہ اس میں نون تاکید حال یا ماضی کیلئے یقینی طور پر آیا ہو یا کوئی عبارت کسی معتبر کتاب نحو کی جس میں

[1] آل عمران: ۱۸۷

تصریح امر مذکور کی ہو تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلونگا۔ بعد اس تمہید کے میں کہتا ہوں کہ لفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا اور نہیں اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لاویگا ساتھ حضرت علیسی کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰ سے اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آیندہ زمانے میں ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ سب اہل کتاب اُسمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان لاوینگے یہی ایک معنے اس آیت کے موافق محاورۂ عرب و قواعد نحو اور محاورہ کتاب سنت کے صحیح ہیں اور اسکے ماعدا جتنے معنے ہیں سب غلط اور باطل ہیں کیونکہ کسی معنے کی بنا پر لیومنن کا لفظ خالص استقبال کیلئے نہیں باقی رہتا وہ چار معانی ہیں۔ اوّل وہ جو عامہ تفاسیر میں منقول ہے کہ موتہ کے ضمیر کتابی کیطرف عاید ہے اور معنے یہ ہیں کہ نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسٰے پر اپنے مرنے سے پہلے یعنے نزع رُوح کے وقت اس تقدیر پہ لیومنن کا خالص استقبال کیلئے نہ ہونا ظاہر ہے اس لئے یہ معنے باطل ہیں دُوسرے معنے وہ ہیں جو جناب مرزا صاحب نے کشفی طور پر ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۷۲ میں لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اہل کتاب ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان رکھتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ ایمان لاوے کہ مسیح اپنی موت سے مرگیا فقط۔ یہ معنے بھی بسبب اس کے کہ اس تقدیر پہ لیومنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہے باطل ہیں اور اس معنے کشفی کے بطلان کے اور بھی وجوہ ہیں مگر ان کو اس بحث سے علاقہ نہیں ہے اسلئے ہم اُنکو یہاں بیان نہیں کرتے انشاء اللہ تعالےٰ ان وجوہ کا ذکر ازالہ اوہام کے ردّ میں بہ بسط بسیط کیا جائیگا۔ تیسرے وہ معنی ہیں جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک و شبہ کے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں چلے آتے ہیں فقط۔ یہ معنی بھی اسی وجہ سے باطل ہیں کہ لیومنن اس تقدیر پر خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا بلکہ ماضی کے لئے ہو جاتا ہے۔ چوتھے وہ ہیں جو مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی مرید مخلص مرزا صاحب نے القول الجمیل کے صفحہ ۲۸ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں اوران اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے مرجانے سے پیشتر ہی تسلیم کرے فقط۔ اس عبارت کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کو چاہیئے۔ کہ اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے ہی تسلیم کرے یعنے یہ جملہ انشائیہ ہے جیسا کہ بعض عبارات القول الجمیل اسپر قرینہ ہے تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب القول الجمیل اس مقام پر غلط فاحش

کا مصدر ہوا ہی کیونکہ لیومنن میں لام مکسورہ لام الامر سمجھا ہی حالانکہ قرآن خواں اطفال بھی جانتے ہیں کہ
قرآن مجید میں لام مفتوحہ لام تاکید ہی اور اگر یہ معنی ہیں کہ ان اہل کتاب میں سی ہر ایک شخص اس بات کو اپنے
مرنے سی پہلے تسلیم کر لیتا ہی یعنے یہ جملہ خبریہ ہی تو اس وقت لیومنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہی اسلئے
یہ معنے غلط ہوئے اور وہ معنے اس آیت کے جو خاکسار نے اول بیان کئے سلف میں سی ایک جماعت کثیر
اسی طرف گئی ہی ان میں سی ہیں ابو ہریرہ اور ابن عباس اور ابو مالک اور حسن بصری وقتادہ وعبدالرحمن بن زید بن
اسلم تفسیر ابن کثیر میں ہی حدثنا ابن بشار حدثنا عبدالرحمن عن سفیان عن ابی حسین عن سعید بن جبیر عن ابن عباس
و ان من اهل الکتاب الّا لیؤمنن به قبل موته - قال قبل موت عیسے بن مریمؑ قال العوفے
عن ابن عباس مثل ذلك قال ابومالك فی قوله الا لیومنن به قبل موته قال ذلك عند نزول
عیسے بن مریم علیه السلام لا یبقے احد من اهل الکتاب الّا آمن به وقال الضحاك عن ابن عباس
وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته یعنے الیهود خاصة وقال الحسن البصری یعنے النجاشی
واصحابه رواهما ابن ابی حاتم وقال ابن جریر حدثنی یعقوب حدثنا ابن علیة حدثنا ابو رجاء عن الحسن
وان من اهل الکتاب الّا لیؤمنن به قبل موته قال قبل موت عیسے وانه لحیّ الآن عند الله ولکن اذا
نزل آمنوا به اجمعون وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا علے بن عثمان اللاحقے حدثنا جریرة بن
بشیر قال سمعت رجلا قال للحسن یا ابا سعید قول الله عز وجل وان من اهل الکتاب الّا لیؤمنن
به قبل موته قال قبل موت عیسے ان الله رفع الیه عیسے وهو باعثه قبل یوم القیمة مقامًا یومن
به البر والفاجر وکذا قال قتادة عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیر واحد وهذا القول هو الحق کما
سنبینه بعد بالدلیل القاطع انشاء الله وبه الثقة وعلیه التکلان انتهیٰ - اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
کا اس طرف جانا حدیث صحیحین سی ظاہر ہے مخفی نہ رہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس معنی پر جسکو ہمنے صحیح اور حق کہا ہے
ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۶۸ - اور صفحہ ۳۶۹ میں چار اعتراض کئے ہیں۔ ان سب کا جواب مسکت
بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس موجود ہی۔ اعتراض اول آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے
جس سی معلوم ہوتا ہی کہ اہل کتاب کے لفظ سی تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مسیح کے وقت میں یا مسیح کے بعد برابر
ہوتے رہینگے اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود زمانے سے متعلق اور وابستہ
کرتا ہو۔ فقط جواب اسکا بدو وجہ ہی۔ اوّل یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے جو آیت کو خاص زمانہ

مستقبل سے وابستہ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس تعمیم کے موافق آپ کے معنی اول جو ازالۃ الاوہام میں لکھے گئے ہیں بھی باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک لفظ اہل کتاب کا آیت موصوفہ میں اُن سب اہل کتاب کو بھی شامل ہے جو مسیح کے وقت میں اُن کو صلیب پر چڑھانے سے پہلے موجود تھے حالانکہ اُنکا بیان مذکورہ بالا پر ایمان رکھنا قبل اسکے کہ وہ اسپر ایمان لاویں کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مرگیا غیر متصور ہے اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں۔ وھذا اغیر خفی علی من لہ ادنے تامل۔

اعتراض دوم احادیث صحیحہ بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اُسکے منکر خواہ اہل کتاب ہیں یا غیر اہل کتاب کفر کی حالت میں مرینگے فقط جواب اسکا بدو وجہ ہے۔ اوّل یہ کہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں ہے کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آوینگے بلکہ آیت میں تو صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے سب اہل کتاب اُنپر ایمان لے آویں گے۔ پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیح کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو۔ اُن کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں۔ دوّم ہوسکتا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی۔ جیساکہ آپ کے دونوں معنے کے موافق ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں ہے بلکہ یقین مراد ہے۔

اعتراض سوم۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلمہ ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہوگا۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائیگا۔ فقط اسکا جواب بھی انہیں دو وجہوں سے ہے جو اعتراض دوم کے جواب میں لکھی گئیں اعادہ کی حاجت نہیں۔ اعتراض چہارم۔ مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شریر رہجائینگے پھر قیامت آئے گی۔ اگر کوئی کافر نہیں رہیگا تو وہ کہاں سے آجاوینگے فقط۔ یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے۔ کیا مرزا صاحب یہ نہیں خیال فرماتے کہ یقیناً دنیا میں ابتداءً ایک ایسا زمانہ بھی ہو چکا ہے کہ کوئی کافر نہ تھا۔ پھر یہ کفار جو ابتک موجود ہیں کہاں سے آگئے۔ جیسے یہ کفار ہوگئے۔ ایسا ہی بعد عیسٰے علیہ السلام کے بھی ہو جائینگے۔ **دلیل دوسری**۔ یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے۔ ویکلّم الناس فی المھد وکھلا ومن الصّٰلحین[1] اس آیت سے علماء نے استدلال حیات مسیح پر کیا ہے تفسیر ابو السعود میں ہے وبہ استدل علی انہ علیہ السلام سینزل من السماء لما انہ علیہ السلام رفع قبل التکھل قال ابن عباس رضی اللہ عنہ ارسلہ اللہ تعالٰے وھو ابن ثلاثین سنۃ ومکث فی رسالتہ ثلثین شہرا ثم رفع اللہ تعالٰے الیہ تفسیر کبیر میں ہے قال الحسین بن الفضل

[1] آل عمران : ۴۷

وفی هذه الآیة نص فی انه علیه الصلوٰة والسلام سینزل الی الارض۔ بیضاوی میں ہے۔
وبه استدل علی انه سینزل فانه رفع قبل ان اکتهل۔ جلالین میں ہو۔ یفید نزوله قبل الساعة
لانه رفع قبل الکهولة معالم میں ہو وقیل للحسین بن الفضل هل تجد نزول عیسٰی فی القرآن قال
نعم قوله وکهلاً وهو یکتهل فی الدنیا وانما معناه وکهلاً بعد نزول من السماء انتهٰی۔ یہ آیت
اگرچہ فی نفسہا قطعیۃ الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہو مگر بانضمام آیۃ وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن
به کے قطعی الدلالۃ ہوجاتی ہو اور اس بنا پر ایک حسن اس آیت میں یہ ہوتا ہو جیسا کلام فی المهد ایک آیت
اور معجزہ ہے ایسا ہی کلام فی الکهولۃ معجزہ ٹھہرتا ہو کیونکہ اس زمان دراز تک جسم کا بغیر طعام و
شراب کے زندہ رہنا اور اس میں کچھ تغیر نہ آنا خارق عادت ہو ورنہ کلام فی الکهولۃ توسب ہی کہول
کیا کرتے ہیں حضرت مسیح کا اس میں کیا کمال ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے فہرست نعم جلیلہ میں ذکر فرمایا ہے۔
دلیل سوم۔ سورۂ نساء میں ہو۔ وما قتلوه یقیناً بل رفعه اللّٰه الیه وکان اللّٰه عزیزاً حکیماً۔[عه]
یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہو مگر ظاہر اس سے رفع الروح مع الجسد ہو کیونکہ ما قتلوہ
اول وثانی اور ما صلبوہ کے ضمیر منصوب کا مرجع تو قطعاً روح مع الجسد ہو پس یہ امر دال ہو اسپر کہ مرجع رفعہ کے
ضمیر منصوب کا بھی روح مع الجسد ہو علی الخصوص جب آیت وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به
اسکے ساتھ ضم کیجائے تو یہ بھی قطعی الدلالت ہوجاتی ہو۔ دلیل چہارم۔ سورہ زخرف میں ہو وانه لعلم للساعة
فلا تمترن بها واتبعون هذا صراط مستقیم[عه] یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہو
مگر ظاہر یہی ہو کیونکہ ارجاع ضمیر انہ کا طرف قرآن مجید کے بالکل خلاف سیاق وسباق ہو پس ضرور مرجع
عیسٰی علیہ السلام ہوئے اب یہاں تین احتمال ہیں یا حدوث مقدر مانا جاوے یا ارادہ معجزات یا نزول
اوّل باطل ہو اس لئے کہ ہمارے آنحضرت صلعم کا حدوث علامۃ قریبہ قیامت کے ہو جیسا کہ حدیث صحیح
میں وارد ہے بعثت انا والساعة کہاتین پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور
ایسا ہی احتمال دوم بھی باطل ہے کیونکہ معجزات سب دلالت علی قدرۃ اللہ تعالیٰ میں برابر ہیں تخصیص
معجزات عیسویہ کی کیا ہے پس متعین ہوا کہ مراد نزول ہو خاصکر جب کہ آیت وان من اهل الکتاب
جو قطعی الدلالۃ ہے اور احادیث صحیحہ بخاری ومسلم اس کی تفسیر واقع ہوگئی ہیں تو اس حیثیت سے یہ آیت
بھی قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر ہوگئی دلیل پنجم آیت ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا

عه النساء: ۱۵۸-۱۶۰، ۱۵۹   ۱۵۷   عه الزخرف: ۶۲ تکملة الحشر

ہے جو موافق اس آیت کے جو احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کی گئی تو بکثرت اس باب میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جنکا تواتر جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۵۷ میں تسلیم فرمایا ہے ان میں سے حدیث متفق علیہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدنیا وما فیہا ثم یقول ابو ہریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الآیۃ معنے حقیقی ابن مریم کے عیسےٰ بن مریم ہیں اور صارف یہاں کوئی موجود نہیں بلکہ آیت وان من اھل الکتاب اس معنی کی تعیین کر رہی ہے پس نزول عیسےٰ علیہ السلام متعین ہوگیا۔ اس سے ظاہر یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ ابن کثیر میں ہے وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا احمد بن عبد الرحمٰن حدثنا عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ حدثنا الربیع بن انس عن الحسن انہ قال انی قولہ تعالیٰ انی متوفیک یعنی وفاۃ المنام رفعہ اللہ فی منامہ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسےٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن آیت وان من اھل الکتاب اس کی صحت کی عاضد ہے یہ اخیر چار آیات اگرچہ ہر واحد ان میں سے بنفسہا دلیل قطعی حیات مسیح علیہ السلام پر نہیں ہے مگر تاہم بہ نسبت اُن تیس آیات کے جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں واسطے اثبات وفات حضرت مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں یہ آیات قوی الدلالۃ حیات مسیح پر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جناب مرزا صاحب نے تیس آیات واسطے اثبات وفات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں سو اُنکا جواب اجمالی یہ ہے کہ یہ آیات تین قسم کی ہیں اوّل وہ جنمیں لفظ توفی بالتخصیص حضرت مسیح کی نسبت واقع ہوا ہے۔ دوم وہ آیات جو عموماً سب انبیاء گذشتہ کی وفات پر دلالت کرتی ہیں سوم وہ آیات کہ نہ ان میں حضرت مسیح کی وفات کا خصوصاً ذکر ہے نہ عموماً صرف جناب مرزا صاحب نے اُن سے محض اجتہاداً استنباط وفات کیا ہے قسم اوّل کا جواب یہ ہے کہ بعد فرض و تسلیم اس کے لفظ توفی کے معنے حقیقی موت و قبض رُوح کے ہیں اور دوسرے معنے مجازی ہیں ہم کہتے ہیں کہ آیہ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ[1] سے جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے حیات حضرت مسیح علیہ السلام کی ثابت ہوگئی تو اب یہ آیت صارف ہوگئی آیات مذکورہ کی معنی حقیقی سے اسلئے آیات توفی معنے مجازی پر محمول کی جاوینگی اور وہ معنی مجازی جو یہاں مراد ہوسکتی ہیں وہ اخذ تام قبض ہے جسکو اُردو

[1] النساء: ۱۶۰

میں پورا لینا کہتے ہیں اور توفے کا استعمال اخذ تام وقبض لغت سے ثابت ہے۔ قاموس میں ہے وافی علیہ اشرف وفلانا حقہ اعطاہ وافیا توفاہ واوفاہ فاستوفاہ وتوفاہ اور صحاح میں ہے اوفاہ حقہ و وفاہ بمعنیً اے اعطاہ حقہ وافیا واستوفی حقہ وتوفاہ بمعنیً مصباح المنیر میں ہے وتوفیتہ واستوفیتہ بمعنیً مجمع البحار میں ہے واستوفیت حقے ای اخذتہ تاما صراح میں ہے ایفاء گزاردن حق کسے بتمام ویقال منہ اوفاہ حقہ ووفاہ استیفاء توفی تمام گرفتن حق اور قسطلانی میں ہے التوفے اخذ الشئ وافیا والموت نوع منہ انتہیٰ۔ اور دوسرے معنے مجازی انامت ہیں جنکو اُردو میں سلانا کہتے ہیں اور توفی بمعنی انامت قرآن مجید سے ثابت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر میں اللہ یتوفے الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسك التی قضیٰ علیہا الموت ویرسل الاخرے[1]۔ اور فرمایا سورہ انعام میں ھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنہار ثم یبعثکم فیہ لیقضی اجل مسمّی[2] اور قسم دوم کا جواب بعد تسلیم عمومات کے یہ ہے کہ آیت وان من اھل الکتاب جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہے ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے اور قسم سوم کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے کہ الفاظ فی نفسہا اُن معانی کے متحمل ہیں جو جناب مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں لیکن آیت وان من اھل الکتاب جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہے ان احتمالات کو رد کرتی ہے لہذا وہ معانی باطل ہوئے صحیح معانی اُن آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں اور وہ موافق ہیں آیت وان من اھل الکتاب کے اور جواب تفصیلی اُن آیات کا جنکو مرزا صاحب کے واسطے ثبوت وفات پیش کیا ہے ازالۃ الاوہام کے جواب میں انشاء اللہ بہ بسط بسیط لکھا جاوے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ ہجری روز جمعہ

محمد بشیر عفی عنہ

---

[1] الزمر: ۴۲ [2] الانعام: ۶۱

حضرت اقدس مرزا صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　　نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔[1] امابعد چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب نے اس عاجز سے سلسلہ بحث کا جاری کرکے بارادہ اثبات حیات مسیح ابن مریمؑ ایک طولانی تقریر لکھی ہے۔ اس لئے میرے پر بھی واجب ہوا کہ اظہار حق کی غرض سے اُس کا جواب لکھوں۔

سو پہلے میں صفائی بیان کیلئے اسقدر لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جیسا کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کا خیال ہے یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بار ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی کی وفات یا حیات کی نسبت جھگڑا ہو تو مدعی اُس کو قرار دیا جائیگا جو اُمور مسلّمہ فریقین کو چھوڑ کر ایک نئی بات کا دعویٰ کرے مثلاً یہ بات فریقین میں مسلّم ہے کہ عام قانون قدرت خداتعالیٰ کا یہی جاری ہے کہ اس عمر طبعی کے اندر اندر جو انسانوں کیلئے مقرر ہے ہر یک انسان مرجاتا ہے اور خداتعالیٰ نے بھی قرآن کریم کے کئی مواضع میں اس بات کو بتصریح بیان کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ومنکم من یتوفّی ومنکم من یردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئًا[2] یعنے تم پر دو ہی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض تم میں سے قبل از پیرانہ سالی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض ارذل عمر تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ صاحب علم ہونے کے بعد محض نادان ہو جاتے ہیں اب اگر خلاف اس نص صریح کے کسی کی نسبت یہ دعویٰ کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ عمر طبعی سے صدہا حصے زیادہ اُس پر زمانہ گذر گیا مگر وہ نہ مرا اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ ایک ذرہ امتداد زمانہ نے اُس پر اثر کیا تو ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا اُس شخص کے ذمہ ثبوت ہوگا جو ایسا دعویٰ کرتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھتا ہے کیونکہ قرآن کریم نے تو کسی جگہ انسانوں کیلئے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں جو معمولی انسانی عمر سے صدہا درجہ زیادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زمانہ اُن پر اثر کرکے اُن کو ارذل عمر تک نہیں پہنچاتا۔ اور ننکسہ فی الخلق کا مصداق نہیں ٹھیراتا پس جبکہ یہ عقیدہ ہمارے آقا و مولیٰ کی عام تعلیم سے صریح مخالف ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اس کا مدعی ہو ثبوت اُسی کے ذمہ ہے۔ غرض حسب تعلیم قرآنی عمر طبعی کے اندر اندر مرجانا اور زمانہ کے اثر سے عمر کے مختلف حصوں میں گوناگوں تغیرات کا لحاظ ہونا یہانتک کہ

[1] الاعراف: ۹۰　[2] الحج: ۶　۱۶۰

بشرطِ زندگی ارذل عمر تک پہنچنا یہ ایک فطرتی اور اصلی امر ہے جو انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے جس کے بیان میں قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ سو جو شخص اس اصلی امر کی مخالف کسی کی نسبت دعویٰ کرتا ہے اثبات دعویٰ اُس کے ذمہ ہے مثلاً زید جو تین سو برس سے مفقود الخبر ہے اُس کی نسبت دو شخصوں کی کسی قاضی کی عدالت میں یہ بحث ہو کہ ایک اُس کی نسبت یہ بیان کرتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور دُوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ ابتک زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی ثبوت اُس سے طلب کریگا جو خوارق عادت زندگی کا قائل ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو شرعی عدالتوں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ اب ہمارے اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ دراصل ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وفات جو ہر یک انسان کیلئے حد مقررہ فطرت تک ایک طبعی امر ہے اس کا ثبوت دیں۔ بلکہ ہمارے فریق مخالف کے ذمہ یہ بارِ ثبوت ہے کہ ایک شخص حد مقررہ فطرۃ اللہ تک فوت نہیں ہوا بلکہ دراصل ابتک زندہ ہے اور صدہا برس کے مرور زمانہ نے اُسپر ذرہ اثر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کئی انبیاء وغیرہ کا ذکر کر کے اُنکی موت کا کچھ بیان نہیں کیا تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ ابتک زندہ ہیں بلکہ زندگی کسی کی جب ہی ثابت ہوگی کہ جب زندگی کا ثبوت دیا جائے گا ورنہ موت و حیات کے ترک ذکر سے موت ہی سمجھی جائے گی۔

اب جب کہ یہ بات فیصلہ پا چکی ہے کہ ہمارے ذمہ یہ بار ثبوت نہیں کہ مسیح ابن مریم جو اوروں کیطرح انسان تھا وہ کیوں اور انسانوں کیطرح عمر طبعی کے دائرے کے اندر اندر فوت ہو گیا بلکہ حضرت مولویصاحب کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ مسیح ابن مریم انسان ہو کر اور تمام انسانوں کے خواص اپنے اندر رکھ کر ابتک برخلاف نصوص عامہ قرآنیہ و حدیثیہ و برخلاف قانون فطرت مرنے سے بچا ہوا ہے اور زمانہ نے اسپر اثر کر کے ارذل عمر تک بھی نہیں پہنچایا۔ تو اب دیکھنا چاہیئے کہ مولویصاحب نے اس بارہ میں کیا ثبوت دیا ہے اور کن آیات قطعیۃ الدلالۃ اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کے کھلے کھلے منطوق سے اس عظیم الشان دعویٰ کو بپایہ ثبوت پہنچایا ہے۔ سو واضح ہو کہ مولویصاحب نے سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سُورۃ النساء کی یہ آیت کہ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیدا[1] حضرت مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی پر شاہد ناطق ہے اور چونکہ حضرت مولوی صاحب موصوف کے دل میں یہ دھڑکا تھا کہ یہ آیت تو ذوالوجوہ ہے اور تمام مفسر کئی کئی معنے اسکے کر گئے ہیں اور کسی مبسوط تفسیر میں اسکو ایک ہی معنے میں محدود نہیں رکھا گیا لہذا حضرت مولوی صاحب نے اس کو قطعیۃ الدلالت بنانے کیلئے

[1] النساء : ۱۶۰

بہت سی کوشش کی ہے اور پوری جانفشانی سے ناخنوں تک زور لگایا ہے لیکن افسوس کہ وہ اس قصد میں ناکام رہے اور قطعیۃ الدلالت نہ بنا سکے بلکہ اور بھی شبہات ڈال دیئے۔

مولویصاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا قطعیۃ الدلالت ہو جائے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ لیومنن میں نون تاکید ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر کئی ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جنکی وجہ سے اُنکے زعم میں مضارع استقبال ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مولویصاحب نے اس تفتیش میں ناحق وقت ضائع کیا کیونکہ اگر فرض کے طور پر یہ مان لیا جائے کہ آیت موصوفہ میں لفظ لیومنن استقبال کے ہی معنے رکھتا ہے پھر بھی کیونکر یہ آیت مسیح کی زندگی پر قطعیۃ الدلالت ہو سکتی ہے کیا استقبالی طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائیگا دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے کیونکہ آیت اپنے نزول کے بعد کے زمانہ کی خبر دیتی ہے بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قرأت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے الا لیومنن به قبل موتهم جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح ابن مریم پر ایمان لے آوینگے اب دیکھئے کہ قبل موتہ کی ضمیر جو آپ حضرت مسیح کی طرف پھیرتے تھے دوسری قرأت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت مسیح کیطرف نہیں بلکہ اہل کتاب فرقہ کیطرف پھرتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرأت غیر متواترہ بھی حکم حدیث احاد کا رکھتی ہے اور آیات کے معنوں کے وقت ایسے معنے زیادہ تر قبول کے لائق ہیں جو دوسری قرأت کے مخالف نہ ہوں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ یہ آیت جس کی دوسری قرأت آپ کے خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے۔ کیونکر قطعیۃ الدلالت ٹھہر سکتی ہے۔

ماسوا اسکے آپنے جو نون ثقیلہ کا قاعدہ پیش کیا ہے وہ سراسر مخدوش اور باطل ہے۔ حضرت ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام میں نون ثقیلہ کے ملانے سے مضارع استقبال نہیں بن سکتا۔ قرآن کریم کیسئے قرآن کریم کی نظیریں کافی ہیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ قرآن کریم کے مضارعات پر جب نون ثقیلہ ملا ہے تو وہ استقبال کے معنوں پر مستعمل ہوئے ہیں۔ لیکن بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنے قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشتراکی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کیطرح مراد لئے گئے ہیں۔ یعنے ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہا تک بلا انقطاع برابر چلا گیا۔

پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[1]۔ اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال ہی مراد ہے کیونکہ بمجرد نزول آیت کے بغیر توقف اور تراخی کے خانہ کعبہ کی طرف مُنہ پھیرنے کا حکم ہوگیا یہانتک کہ نماز میں ہی مُنہ پھیر دیا گیا۔ اگر یہ حال نہیں تو پھر حال کس کو کہتے ہیں۔ استقبال تو اس صورت میں ہوتا کہ خبر اور ظہور خبر میں کچھ فاصلہ بھی ہوتا سو آیت کے یہ معنے ہیں کہ ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں جس پر تو راضی ہے سو تو مسجد حرام کیطرف مُنہ کر۔ اور ایسا ہی یہ آیت وانظر الی الٰهك الذی ظلت علیه عاکفا لنحرّقنه۔ الخ[2] یعنے اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف تھا کہ اب ہم اسکو جلاتے ہیں۔ اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں۔ کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر بُعد زمان کا ہونا شرط ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو یہ کہے کہ مَیں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں سو لے مجھ سے دس روپیہ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ اُس نے استقبال کا وعدہ کیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کارروائی حال میں ہی ہوئی۔

اور دُوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر اشتراکی طور پر مشتمل ہیں ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ (۱) پہلی یہ آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبُلنا[3] جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور کرینگے ہم اُن کو اپنی راہیں دکھلا رہے ہیں اور دکھلائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرد استقبال مراد لیا جائے تو اس سے معنے فاسد ہو جائیں گے اور یہ کہنا پڑیگا کہ یہ وعدہ صرف آیندہ کے لئے ہے اور حال میں جو لوگ مجاہدہ میں مشغول ہیں یا پہلے مجاہدات بجا لاچکے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی راہوں سے بے نصیب ہیں۔ بلکہ اس آیت میں عادت مستمرہ جاریہ دائرہ فی الازمنۃ الثلثۃ کا بیان ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری یہی عادت ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں بلکہ سنت مستمرہ دائرہ سائرہ کا بیان ہے جسکے اثر سے کوئی زمانہ باہر نہیں۔

(۲) دُوسری یہ آیت کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی[4] یعنے خدا مقرر کر چکا ہے کہ مَیں اور میرے رسول ہی غالب ہوتے رہیں گے۔ یہ آیت بھی ہر ایک زمانہ میں دائر اور عادت مستمرہ الٰہیہ کا بیان کر رہی ہے۔ یہ نہیں کہ آیندہ رسول پیدا ہونگے اور خدا اُنھیں غالب کرے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ ہو حال یا استقبال یا گذشتہ سنت اللہ یہی ہے کہ رسُول آخر کار غالب ہی ہو جاتے ہیں۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے۔ من عمل صالحًا من ذکرٍ او انثٰی وھو مومن فلنحیینّه حیٰوۃً طیبۃً

[1] البقرۃ : ۱۴۵ [2] طٰہٰ : ۹۸ [3] العنکبوت : ۷۰ [4] المجادلۃ : ۲۲

ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون[1] یعنے ہماری یہی عادت اور یہی سنت ہی کہ جو شخص عمل صالح بجالاوے مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن ہو ہم اس کو ایک پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھا کرتے ہیں اور اس سے بہتر جزا دیا کرتے ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اب اگر اس آیت کو صرف زمانہ مستقبلہ سی وابستہ کر دیا جائے تو گویا اُس کے یہ معنے ہونگے کہ گذشتہ اور حال میں تو نہیں مگر آیندہ اگر کوئی نیک عمل کرے تو اُس کو یہ جزا دیجائے گی۔ اس طور کے معنوں سی یہ ماننا پڑتا ہی کہ خدا تعالیٰ نے آیت کے نزول کے وقت تک کسی کو حیوٰۃ طیبہ عنایت نہیں کی تھی فقط یہ آیندہ کے لئے وعدہ تھا۔ لیکن جس قدر ان معنوں میں فساد ہے وہ کسی عقلمند پر مخفی نہیں۔ (۴) چوتھی آیت یہ ہے ولینصرن اللہ من ینصرہٗ ان اللہ لقوی عزیز۔[2] یعنے وہ جو خدا تعالیٰ کی مدد کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اب حضرت دیکھئے آیت کے لفظ لینصرنّ کے آخر میں نون ثقیلہ ہی۔ لیکن اگر اس آیت کے یہ معنے کریں کہ آیندہ کسی زمانہ میں اگر کوئی ہماری مدد کرے گا تو ہم اُس کی مدد کرینگے تو یہ معنے بالکل فاسد اور خلاف سنت مستمرہ الٰہیہ ٹھیرینگے۔ کیونکہ اللہ جلّشانہ کے قدیم سی اور اُسی زمانہ سے کہ جب بنی آدم پیدا ہوئے یہی سنت مستمرہ ہی کہ وہ مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہی۔ یوں کیونکر کہا جائے کہ پہلے تو نہیں مگر آیندہ کسی نامعلوم زمانہ میں اس قاعدہ کا پابند ہو جائیگا اور ابتک تو صرف وعدہ ہی ہی عمل درآمد نہیں۔ سبحانہ ھذا بھتان عظیم۔

(۵) پانچویں آیت یہ ہی والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لندخلنھم فی الصّٰلحین۔[3] یعنے ہماری یہی سنت مستمرہ قدیمہ ہے کہ جو لوگ ایمان لاویں اور عمل صالح کریں ہم ان کو صالحین میں داخل کرلیا کرتے ہیں۔ اب حضرت مولویصاحب دیکھئے کہ لندخلنھم میں نون ثقیلہ ہی۔ لیکن اگر اسجگہ آپکی طرز پر معنے کئے جائیں تو اسقدر فساد لازم آتا ہی جو کسی پر پوشیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہی کہ یہ قاعدہ آیندہ کیلئے باندھا گیا ہی اور اب تک کوئی نیک اعمال بجالاکر صلحاء میں داخل نہیں کیا گیا۔ گویا آیندہ کے لئے گنہگار لوگوں کی توبہ منظور ہے اور پہلے اس سی دروازہ بند رہا ہے۔ سو آپ سوچیں کہ ایسے معنے کرنا کسقدر مفاسد کو مستلزم ہی۔ حضرت قرآن کریم میں اسکے بہت نمونے ہیں کہ نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع کو بیان کرکے ازمنہ ثلاثہ اُس سی مراد لئے گئے ہیں۔ مجھے اُمید ہی کہ آپ اس سی انکار کرکے بحث کو طول نہیں دینگے کیونکہ یہ تو اجلیٰ بدیہات میں سی ہے انکار کی کوئی جگہ نہیں۔

اُب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سی خواہ نخواہ اور ہر ایک

[1] النحل : ۹۸ [2] الحج : ۴۱ [3] العنکبوت : ۱۰

جگہ خالص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسر قدیم وجدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیومنن کے لفظ میں حال کے معنے بھی کرتے ہیں معالم وغیرہ تفسیریں آپ کو معلوم ہیں حاجت بیان نہیں وہ لوگ بھی تو آخر قواعد دان اور علم ادب اور محاورہ عرب سے واقف تھے۔ کیا وہ آپ کے اس جدید قاعدہ سے بے خبر رہے۔ اور آپنے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسٰی ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اُس کے نزول کے بعد اُس پر ایمان نہیں لادے گا۔ یہ بیان آپ کے لئے کچھ مفید نہیں۔ اوّل تو آپ سے آیات قطعیۃ الدلالت اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کا مطالبہ ہے اور پھر اس قول کو ما نحن فیہ سے تعلق کیا ہے نزول سے کہاں سمجھا جاتا ہے جو آسمان سے نزول ہو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ انزلنا الحدید[1] کہ ہمنے لوہا اُتارا ہمنے لباس[1] اُتارا ہمنے یہ نبی[2] اُتارا ہمنے چار پائے[3] گھوڑے گدھے وغیرہ اُتارے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ یہ سب آسمان سے ہی اُترے تھے۔ کیا کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب درحقیقت آسمان سے ہی اُترے ہیں۔ پھر ہم نے تسلیم کیا کہ بخاری مسلم وغیرہ میں نزول کا لفظ آیا ہے۔ مگر حضرت مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس لفظ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں مسافر کے طور پر جو ایک شخص دوسری جگہ جاتا ہے اُسکو بھی نزیل ہی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیا تھا موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں اُٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کیا۔ آپکے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور لیومنن کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنے کئے جائیں کہ حضرت عیسےٰ کے نزول کے وقت جسقدر اہل کتاب ہونگے سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابو مالک سے آپنے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسیح کے دم سے اُس کے نزول کے بعد ہزارہا لوگ کفر کی حالت میں مرینگے۔ اب اگر آپ ان کفار کو جو کفر پر مرگئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپکے پاس دلیل کیا ہے۔ حدیث میں تو صرف کفر پر مرنا اُنکا لکھا ہے۔ یہ آپنے کہاں سے اور کس جگہ سے نکال لیا ہے کہ کفر پر تو مرینگے مگر اُن کو حضرت عیسٰی کی رسالت پر یقین ہوگا کس نص قرآن یا حدیث سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایمان

---

[1] قد انزلنا علیکم لباسًا۔ اعراف: ۲۷ [2] انزل اللہ الیکم ذکرًا رسولًا۔ الطلاق: ۱۱، ۱۲ [3] و انزل لکم من الانعام ثمٰنیۃ ازواج۔ الزمر: ۷

[1] الحدید: ۲۶

سے مراد حقیقی ایمان نہیں بلکہ یقین مراد ہی۔ ظاہر لفظ ایمان کا حقیقی ایمان پر دلالت کرتا ہی۔ اور صرف عن الظاہر کے لئے کوئی قرینہ آپ کے پاس چاہیئے۔ جب کہ لفظ لفظ آیت میں یہ شبہات ہیں تو پھر آیت قطعیۃ الدلالت کیونکر ہوئی۔ اگر آپ لیؤمنن سی بغیر کسی قرینہ کے مجازی ایمان مراد لینگے تو آپ کے مخالف کا حق ہوگا کہ وہ حقیقی معنی مراد لیوے آپکو سوچنا چاہیئے کہ ایسے ایمان سی فائدہ ہی کیا ہی اور مسیح کی خصوصیت کیا ٹھہری ایسا تو ہر ایک نبی کے زمانہ میں ہوا کرتا ہی کہ بدبخت لوگ زبان سی اسکے منکر ہوتے ہیں اور دل سے یقین کر جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی نسبت اللہ جلشانہ فرماتا ہی وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم[۱] یعنے انہوں نے موسیٰ کے نشانوں کا انکار کیا لیکن اُنکے دل یقین کر گئے۔ اور ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہی یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم[۲] یعنے کافر لوگ جو اہل کتاب ہیں ایسے ایسے یقینی طور پر اُس کو شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پس اگر ایمان سے مراد ایسا ہی ایمان ہے جو جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم کا مصداق ہی تو پھر ہمارے علما نے کیوں شور مچا رکھا ہی کہ اس وقت اسلام ہی اسلام ہو جائے گا بلاشبہ قرآن شریف کا یہ منشاء نہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تاویل کو خود رکیک سمجھکر اسی وجہ سی یہ دوسرا جواب دیا ہی کہ آیت کے یہ معنے ہیں کہ مسیح کی موت سی پہلے ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اس زمانہ کے اہل کتاب اُن پر ایمان لے آویں گے اور اس زمانہ سی پہلے کفر پر مرنے والے کفر پر مریں گے۔ اب حضرت آپ انصافاً فرماویں کہ اُن معنوں کو آپ کے اُن معنوں سی جو آیت لیؤمنن کی نسبت آپ بیان فرماتے ہیں موافقت ہے یا مخالفت ابھی آپ قبول فرما چکے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب اُن پر ایمان لے آوینگے اور اب آپ نے اُس قبول کردہ بات سے رجوع کر کے یہ نئے معنے نکالے کہ نزول کے بعد ضروری نہیں کہ تمام کفار ایمان لے آویں بلکہ بہتیرے کفر پر بھی مریں گے حضرت آپ اس جگہ خود سوچیں کہ اِنْ کا حرف کل اہل کتاب کو ایمانداروں میں شامل کرتا ہے یا کسی کو باہر رکھتا ہی۔ آپ جانتے ہیں کہ اِنْ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کے لئے استعمال کیا جاتا ہی کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہجائے تو یہ لفظ بیکار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہی۔ اول تو آپ نے اِنْ کے لفظ سی زمانہ قبل از نزول کو باہر رکھا پھر آپنے زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سی انکار کیا۔ تو پھر اس لفظ لانے کا فائدہ کیا تھا اور یہ تاویلیں آپ کو کسی حدیث یا آیت سی ملیں یا حضرت کا اپنا ہی ایجاد ہی۔

یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں شاید خدا تعالیٰ انہیں کا اثر آپ کے دل پر ڈالے۔ اللہ جلشانہ

[۱] النمل : ۱۵ [۲] الانعام : ۲۱

فرماتا ہی۔ یاعیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی ومطهرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیٰمۃ[1]۔ اب دیکھیئے کہ قرآن کریم میں اللہ جلّ شانہ کا صاف وعدہ ہی کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار کے باقی رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہی کہ درمیان میں کوئی ایسا زمانہ بھی آوے کہ کفار بالکل زمین پر سے نابود ہو جائیں۔ پھر اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے۔ فاغرینا بینهم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیٰمۃ[2] یعنے قیامت کے دن تک ہم نے یہود اور نصاریٰ میں عداوت ڈالدی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت سے پہلے بھی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جائے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہی گی۔ حضرت ان نصوص صریحہ بیّنہ سے تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہی کہ کفر کو اختیار کرنے والے قیامت کے دن تک رہیں گے۔ پھر اس کے یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ کچھ سوچ کر جواب دیں۔

دوسری دلیل آپنے یہ پیش کی ہی کہ یکلم الناس فے المهد وکهلاً[3] اور آپ کہل کے لفظ سے درمیانی عمر کا آدمی مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہی۔ صحیح بخاری میں دیکھیئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کہل کے معنے جوان مضبوط کے لکھے ہیں اور یہی معنے قاموس اور تفسیر کشاف وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور سیاق سیاق آیات کا بھی انہیں معنوں کو چاہتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہ کا اس کلام سے مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم نے خورد سالی کے زمانہ میں کلام کر کے اپنے نبی ہونے کا اظہار کیا پھر ایسا ہی جوانی میں پھر کر اور مبعوث ہو کر اپنی نبوت کا اظہار کرے گا۔ سو کلام سے مراد وہ خاص کلام ہے جو حضرت مسیح نے اُن یہودیوں سے کیا تھا جو یہ الزام اُن کی والدہ پر لگاتے تھے اور جمع ہو کر آئے تھے کہ اے مریم تونے یہ کیا کام کیا۔ پس یہی معنے منشاء کلام الٰہی کے مطابق ہیں اگر ادھیڑ عمر کے زمانہ کا کلام مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ آیت نعوذ باللہ لغو ٹھہرتی گویا اس کے یہ معنے ہوتے کہ مسیح نے خورد سالی میں کلام کی اور پھر پیرانہ سالی کے قریب پہنچکر کلام کرے گا اور درمیان کی عمر میں بے زبان رہیگا۔ مطلب تو صرف اتنا تھا کہ دو مرتبہ اپنی نبوت پر گواہی دے گا منصف کے لئے ایک بخاری کا دیکھنا ہی کافی ہی۔ پھر جس حالت میں آپ خود مانتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں اور جس آیت کا سہارا اُسکو دیا گیا تھا وہ آپکی مخالف ثابت ہو گئی تو پھر یہ آیت جو خود آپکے اقرار سے قطعیۃ الدلالت نہیں کیا فائدہ آپکو پہنچا سکتی ہی۔

تیسری دلیل آپنے یہ پیش کی ہی کہ سورۃ نساء میں ہی وما قتلوہ یقیناً بل رفعه الله الیه وکان الله عزیزاً حکیماً[4]۔ آپ اس میں یہی قبول کرتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں مگر باوجود

---

[1] آل عمران: ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۵ [3] آل عمران: ۴۷، ۱۶۴ (؟) [4] النساء: ۱۵۸، ۱۵۹

اس کے آپ کے دل میں یہ خیال ہو کہ اس رفع سے رفع مع الجسد مراد ہے۔ کیونکہ ما قتلوہ وما صلبوہ[1] کے ضمیر کا مرجع بھی رُوح مع الجسد ہے۔ لیکن حضرت آپ کی یہ سخت غلطی ہے۔ نفی قتل اور نفی مصلوبیت سے تو صرف یہ مدعا اللہ جل شانہ کا ہے کہ مسیح کو اللہ جل شانہ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور آیت بل رفعہ اللہ الیہ[2] اس وعدہ کے ایفا کی طرف اشارہ ہے جو دُوسری آیت میں ہو چکا ہے اور اس آیت کے ٹھیک ٹھیک معنے سمجھنے کے لئے اس آیت کو بغور پڑھنا چاہیئے۔ جس میں رفع کا وعدہ ہوا تھا۔ اور وہ آیت یہ ہے یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک الیّ[3] حضرت اس رافعک الیّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا تھا یہ وہی وعدہ ہے جو آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں پورا کیا گیا اب آپ وعدہ کی آیت پر نظر ڈال کر دیکھیئے کہ اس کے پہلے کون لفظ موجود ہیں تو فی الفور آپ کو نظر آجائے گا کہ اس سے پہلے انی متوفیک ہے۔ اب ان دونوں آیتوں کے ملانے سے جن میں سے ایک وعدہ کی آیت اور ایک ایفا وعدہ کی آیت ہے۔ آپ پر کھل جائے گا کہ جس طرز سے وعدہ تھا اُسی طرز سے وہ پُورا ہونا چاہیئے تھا۔ یعنے وعدہ یہ تھا کہ اے عیسٰی میں تجھے مارنے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اس سے صاف کھل گیا کہ اُن کی رُوح اٹھائی گئی ہے کیونکہ موت کے بعد رُوح ہی اٹھائی جاتی ہے نہ کہ جسم۔ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ مَیں تجھے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں بلکہ یہ کہا کہ اپنی طرف اٹھانیوالا ہوں اور جو لوگ موت کے ذریعہ سے اُس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے لفظ اُن کے حق میں بولے جاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے یا خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر گئے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی[4] اور جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چوتھی دلیل آپنے یہ پیش کی ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا۔[5] اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپ کے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے۔ لیکن مَیں آپ کو محض للہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیح کے دوبارہ نزول سے شکّی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھے پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا کہ اُن کو سمجھانے کے لئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی اور یہ اُن کیلئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ دُوسری آیت میں فرماتا ہے ولنجعلہ اٰیۃ للناس۔[6]

[1] النساء: ۱۵۸-۱۵۹ [2] آل عمران: ۵۶ [3] ۱۶۸ [4] الفجر: ۲۸-۳۱ [5] الزخرف: ۶۲
[6] مریم: ۲۲

اس جگہ الناس سے مراد ہی صدوقی فرقہ ہے جو اس زمانہ میں بکثرت موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہ فرقہ مُردوں کے جی اٹھنے سے بکلی منکر ہو گیا تھا۔ ابتک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہی کہ مسیح اپنی ولادت کے رُو سے بطور علم الساعۃ کے اُن کیلئے آیا تھا۔ اب دیکھئے اس آیت کو نزول مسیح سے تعلق کیا ہی۔ اور آپکو معلوم ہی کہ مفسرین نے کس قدر جُدا جُدا طور پر اسکے معنے لکھے ہیں ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر انہ کی پھیر دی ہی کیونکہ قرآن کریم سے رُوحانی طور پر مُردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول اُن لوگوں کیلئے جو آنحضرت صلعم کے عہد میں تھے نشان قیامت ٹھہرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہوگا اور جنکو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا اتم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں پھر یہ کہنا کس قدر عبث ہی کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ۔ شک مت کرو ہم نے دلیل قیامت کے آنے کی بیان کر دی۔ دلیل پنجم آپنے بیان فرمائی ہی کہ حدیث بخاری اور مسلم میں مسیح کے نزول کے بارے میں لکھا ہی۔ اور ابو ہریرہ نے اس تقریب پر فرمایا ہی فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتٰب۔ الخ حضرت یہ کچھ دلیل نہیں نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہی اور فہم ابو ہریرہ حجت کے لائق نہیں اور ابو ہریرہ نے فاقرؤا ان شئتم میں شک کا لفظ استعمال کیا ہی۔ حضرت ابو ہریرہ وہی صحابی ہیں جو حدیث دخول فی النار کو سُنکر اس دھوکہ میں پڑے رہے جو ہم میں سے سب سے آخر مرنے والا دوزخ میں پڑے گا۔ پیشگوئی کو اجتہادی طور پر سمجھنے میں انبیاء نے بھی غلطی کھائی فذھب وھلی کی حدیث آپ کو یاد ہوگی پھر ابو ہریرہ نے اگر غلطی سے پیشگوئی کے الٹے معنے سمجھ لئے تو کیا حجت ہو سکتی ہی۔

پھر آپ ابن کثیر سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حسن سے روایت ہی کہ ان عیسٰے لم یمت وانہ راجع الیکم یہ حدیث مرسل ہی پھر کیونکر قطعیۃ الدلالت ہوگی ماسوا اسکے یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت عیسٰے کی وفات پر دلالت کرتی ہی اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہی پھر کیونکر سند کے لائق ہی۔

بعد اسکے آپنے میرے دلائل وفات مسیح پر جرح کیا ہی۔ یہ جرح سراسر آپکی عدم توجہ پر دلالت کرتی ہی میں اسوقت ایسے دلائل پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپکے دلائل حیات مسیح کا فیصلہ کر کے پھر پیش کروں گا۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً و ظاہراً و باطناً کل شیئٍ فان و یبقٰی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

پرچہ نمبر (۲) مولوی محمد بشیر صاحب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیاً مسلماً۔ اللھم انصر من نصر الحق وخذل الباطل واجعلنا منھم واخذل من خذل الحق ونصر الباطل ولا تجعلنا منھم۔ اما بعد واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنی تحریر میں نہیں دیا ہے۔ ناظرین کو مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا اور اصل اور عمدہ بحث خاکسار کی تحریر میں نون تاکید کی ہے۔ جناب مرزا صاحب اُس کے جواب میں نہ کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ اُن عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی فقط اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل حیات مسیح علیہ السلام پر آیت ادلے ہے میرے نزدیک یہ آیت اس مطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی ہے۔ دُوسری آیات محض تائید کیلئے لکھی گئی ہیں۔ جناب مرزا صاحب کو چاہیئے کہ اصل بحث آیت ادلے کی رکھیں دوسری ابحاث کو تبعی و استطرادی تصور فرماویں فقط۔

قولہ ۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بارثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو۔

اقول ۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ اوّل یہ کہ جب حسب ارشاد آپکے بارثبوت حیات خود خاکسار نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو اب یہ بحث بے فائدہ ہے۔ دوم بارثبوت وفات کا آپکے ذمہ نہ ہونا خاکسار کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ آپ نے توضیح مرام میں دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مسیح دنیا میں نہ آوینگے اور جو دلیل اُس پر پیش کی ہے حاصل اُس کا یہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے اور جو کوئی وفات پا چکتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے وہ جنت سے نکالا نہیں جاتا۔ پس یہ دلیل متضمن تین مقدموں کو ہے اور دلیل کے ہر مقدمہ کا بارثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ سوم آپنے اپنے خط موسومہ مولوی محمد حسین صاحب ۱۲ ؁ میں لکھا ہے۔ جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصل امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ پس وفات مسیح ابن مریم آپ کا مستقل دعویٰ ہے اس لئے بارثبوت وفات آپ کے ذمہ ہے۔ بالجملہ بارثبوت وفات دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے۔ ایک اس حیثیت سے کہ یہ اصل دعویٰ آپ کا ہے۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے کی

دلیل کا یہ ایک مقدمہ ہے۔ چہارم اگر بار ثبوت آپکے ذمہ نہیں ہے تو یہ کام عبث آپنے کیوں کیا کہ آپنے ادلہ وفات مسیح توضیح مرام و ازالۃ الاوہام میں بہ بسط تمام بیان کئے۔

قولہ۔ مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا قطعیۃ الدلالت ہوجاوے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ لیؤمنن میں نون تاکید ہے۔ اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ **اقول** اس قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ اگر مرزا صاحب میری ہی تحریر کو غور سے پڑھ لیتے تو معلوم ہوجاتا کہ ازہری اور ملا جامی اور عبد الحکیم اور صاحب مغنی اور شیخ زادہ نے اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اور سب کتب نحو میں یہ قاعدہ مرقوم ہے کسی نے اسمیں خلاف نہیں کیا یہانتک کہ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ نون تاکید مضارع کو بمعنی استقبال کر دیتا ہے۔ **قولہ** ۔چنانچہ انھوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کے لئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جنکی وجہ سے انکے زعم میں مضارع استقبال ہوگیا ہے۔ **اقول**۔ خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحات کا ہے اس قاعدہ پر اسکا جواب مرزا صاحب نے مطلق نہیں دیا۔ ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کے لئے البتہ لکھی گئی ہیں۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس قاعدہ کے توڑنے کیلئے کوئی عبارت کسی کتاب معتبر نحو کی پیش کریں۔ **قولہ**۔ کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائیگا **اقول** مخفی نہ رہے کہ اس معنے کا مناط اس پر ہے کہ احتضار کے وقت ہر شخص پر وہ حق کھل جاتا ہے جس کو وہ نہ جانتا تھا جیساکہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور یہ امر نفس الامر میں تینوں زمانوں کو شامل ہے یعنے نزول آیت سے قبل کے زمانہ اور وقت نزول کا زمانہ اور بعد کا زمانہ اب آیت اگر خالص استقبال کے لئے کیجئے گا تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ امر زمانہ ماضی و حال کو شامل نہیں ہے اور یہ خلاف نفس الامر ہے پس اس کلام میں یہ عیب ہوا کہ خلاف نفس الامر کا موہم ہے اور فائدہ کوئی نہیں ہے اگر کہا جائے کہ اس آیت میں وعید ہے اہل کتاب کے لئے اور تحریض ہے انکو ایمان پر قبل اس کے کہ مضطر ہوں اس کی طرف جیساکہ بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے اور اس وعید و تحریض سے وہی اہل کتاب منتفع ہوسکتے ہیں جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں نہ وہ جو پہلے مرچکے اور نہ وہ جو وقت نزول کے زہوق روح کی حالت میں تھے اس فائدہ کیلئے تخصیص استقبال کیگئی تو جواب یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ اختیار کیا جاتا جو تینوں زمانوں کو شامل ہوتا تو بھی وعید و تحریض اُن اہل کتاب کی حاصل ہوتی جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں۔

اور خلاف نفس الامر کا بھی موہم نہ ہوتا۔ یعنے بجائے لیؤمننّ کے لفظ یؤمن اختیار کیا جاتا۔ یعنے یوں کہا جاتا و ان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ[1] یہ عبارت ایسی عمدہ ہے کہ اُسمیں وعید و تحریض جو مطلوب ہے، وہ بھی حاصل ہے اور موہم خلاف نفس الامر بھی نہیں ہے اور اختصار بھی حاصل ہے یعنے لام و نون نہیں ہے پس قرآن مجید کی بلاغت کی جو حد اعجاز کو پہنچ گئی ہے خلاف ہے کہ ایسی عمدہ عبارت چھوڑ کر بجائے اس کے لیؤمننّ اختیار کیا جاوے کہ جس میں ایہام خلاف نفس الامر ہے اور اطناب بلا فائدہ اور یہ سب محذور خالص معنے استقبال پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ محصل کلام اس مقام پر یہ ہے کہ معنے دوم آیت کے بہر تقدیر باطل ہیں اگر خالص استقبال پر محمول کیجئے تو کلام حق تعالے جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ چکا ہے بلاغت سے گرا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔

قولہ۔ بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دُوسری قرأت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے الا لیؤمننّ بہ قبل موتھم۔ **اقول**۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ اوّل یہ کہ اس قرأت کی بناء پر بھی معنی دوم صحیح نہیں ہوتے ہیں کیونکہ لیؤمننّ کو یا تو خالص استقبال پر محمول کیا جائے گا۔ تو کلام حق تعالے جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ گیا ہے بلاغت سے نازل ہو جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے **دوم** یہ کہ یہ قرأت ہمارے معنی کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس قرأت پر یہ معنی ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لاوئے گا اور یہ معنے معنے اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسےٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ **سوم** یہ کہ یہ قرأت غیر متواترہ ہے اور قرأت غیر متواترہ عموماً قابل احتجاج نہیں ہے بلکہ جب بسند صحیح متصل منقول ہو اور یہاں سند متصل صحیح اس کی مرزا صاحب نے تحریر نہیں فرمائی۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس کی سند بیان فرماویں اور اس کی سب رجال کی توثیق کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔ **چہارم** یہ کہ مرزا صاحب نے قبل موتہ کی ضمیر توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میں جو الہامی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور یہ قرأت اس خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے۔ مرزا صاحب یہ تو خیال فرماویں کہ وہ معنے کہ جس کی تصحیح و تقویت کے وہ آپ درپے ہیں۔ اور یہ محض بغرض توڑنے دعویٰ اس خاکسار کے ہے وہ خود نفس الامر میں ان کے نزدیک غیر صحیح ہیں کیونکہ اس تقدیر پر استدلال ان کا موت مسیح پر آیت و ان من اھل الکتب سے معلق غیر صحیح ٹھہرتا ہے پس کیا یہی مقتضائے دیانت و انصاف ہے کہ جس چیز کو وہ خود نفس الامر

[1] النساء: ۱۶۰

میں غیر صحیح جانتے ہیں اس کو بمقابلہ خصم صحیح بنادیں یہ تو مناظرہ نہ ہوا محض مجادلہ ٹھہرا۔

قول۔ پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فلنولینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام[1]۔ اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال مراد ہے **اقول** قرآن مجید میں فلنولینك ہی نہ ولنولینك جیساکہ مرزا صاحب لکھتے ہیں یہاں ارادہ حال غلط محض ہی بلکہ یہاں خالص مستقبل مراد ہی بچند وجوہ۔ اول یہ کہ بیضاوی میں مرقوم ہی فول وجهك واصرف وجهك شطر المسجد الحرام۔ نحوہ عبد الحکیم واصرف وجهك کے تحت میں لکھتے ہیں ولم یجعله من المتعدی الی المفعولین بان یکون شطر مفعوله الثانی لان ترتبه بالفاء وکونه انجاز اللوعد بان الله تعالیٰ یجعل النبی مستقبلا القبلة او قریبًا من سمتها بان یامر بالصلوٰة الیها یناسب ان یکون النبی مامورا بصرف الوجه الیها لا بان یجعل نفسه مستقبلا ایاها اوقریبا من جهتها۔ انتہی + اس عبارت میں صاف ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ نے اپنے قول فلنولینك میں وعدہ فرمایا۔ اور فول وجهك کے ساتھ اُسکا انجاز کیا۔ دوم یہ کہ اگر یہاں حال مراد لیا جائے تو فلنولینك کے یہ معنے ہونگے پس البتہ پھیرتے ہیں ہم تجھ کو اور پھیرنے سی یہ تو مراد ہی نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کے قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہی کہ ہم تجھ کو قبلہ کیطرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر قول اللہ تعالیٰ کا فول وجهك زاید ولاطایل ہوگا۔ سوم یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ و شاہ رفیع الدین صاحبؒ و شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنے مستقبل کیا ہی۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہی۔ پس البتہ متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ لفظ شاہ رفیع الدین کا یہ ہی۔ پس البتہ پھیرینگے ہم تجھ کو اس قبلہ کو کہ پسند کرے اس کو۔ لفظ شاہ عبد القادر کا یہ ہی۔ سو البتہ پھیرینگے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہی۔ **قول**۔ اور ایسا ہی یہ آیت وانظر الی الهك الذی ظلت علیه عاكفا لنحرقنه[2]۔ **اقول** ارادہ حال اس آیت میں غلط ہے بدو وجہ اول یہ کہ آیت میں وعید ہی اور جس چیز کی وعید کیجاتی ہی وہ اس کے بعد متحقق ہوتی ہی۔ پس استقبال یہاں متعین ہوا۔ دوم یہ کہ تراجم ثلثہ سی معنے استقبال واضح ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ البتہ بسوزانیم آنرا پس پراگندہ سازیم آنرا۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہی۔ البتہ جلا دینگے ہم اسکو پھر اڑا دینگے ہم اسکو۔ لفظ شاہ عبد القادر صاحب کا یہ ہی ہم اسکو جلا دینگے پھر بکھیر دینگے۔ ان دونوں آیتوں میں جو مرزا صاحب نے حال کے معنے سمجھے تو منشاء غلط یہ معلوم ہوتا ہی کہ استقبال دو طرح کا ہوتا ہی ایک استقبال قریب دوسرا استقبال بعید مرزا صاحب استقبال قریب کو قرب کی وجہ سے حال سمجھ گئے ہیں وهذا ابعید من

[1] البقرة : ۱۴۵ [2] طٰہٰ : ۹۸ ۱۴۳

شان المصلین ۔ واضح ہو کہ آپ نے جو آیات مذکورہ میں سے بعض کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کیا ہے اس میں آپ متفرد ہیں اور محض اپنی رائے سے فرماتے ہیں یا سلف و خلف امت میں سے کسی نے یہ معنے کئے ہیں۔ بینوا توجروا۔ **قولہ** اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر استمرار کے طور پر مشتمل ہیں۔ ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں پہلی یہ آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔[1] **اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ اول یہ کہ یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتا ہے لیکن یہاں اس عادت کا بیان مقصود نہیں مقصود بالذات صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب نے آیت وان من اھل الکتٰب کے معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہے حالانکہ اہل کتاب کا زہوق روح کے وقت ایمان لانا امر مستمر ہے خصوصیت کسی زمانہ کی اس میں نہیں۔ دوم یہ کہ تراجم ثلثہ تعین استقبال کرتے ہیں لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے وآنانکہ جہاد کردند در راہ ما البتہ دلالت کنیم ایشاں را براہہائے خود۔ عبارت شاہ رفیع الدین یہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کہ محنت کی بیچ راہ ہمارے کے البتہ دکھا دیں گے ہم ان کو راہیں اپنی۔ عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دینگے انکو اپنی راہیں **قولہ** دوسری یہ آیت کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی[2] **اقول** یہاں ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اور ارادہ استقبال متعین بدو وجہ اول یہ کہ بیضاوی میں لکھا ہے کتب اللہ فی اللوح لاغلبن انا ورسلی بالحجۃ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا ہے اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ منصور نہیں ہے کیونکہ غلبہ کیلئے غالب و مغلوب ضروری ہے اس وقت نہ رسل تھے نہ انکی امت تھی یہ سب بعد انکے ہوئے ہیں۔ دوم تراجم ثلثہ استقبال پر دلالت کرتے ہیں لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے حکم کرد خدا البتہ غالب شوم من و غالب شوند پیغمبران من۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آؤنگا میں اور پیغمبر میرے۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔ اللہ لکھ چکا کہ میں زبر ہونگا اور میرے رسول **قولہ** تیسری آیت یہ ہے من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔[3] **قول** اس آیت میں بھی استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے ھذا وعد من اللہ تعالیٰ فمن عمل صالحا وھو العمل المتابع لکتٰب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ العنکبوت: ۷۰ ۲؎ المجادلہ: ۲۲ ۱۷۴ ۳؎ النحل: ۹۸

من ذکر او انثیٰ من بنی اٰدم وقلبہ مؤمن باللہ ورسولہ وان ھذا العمل المحمور بہ مشروع من عند اللہ بان یحی اللہ حیوٰۃ طیبۃ فی الدنیا و ان یجزیہ باحسن ما عملہ فی الدار الاٰخر۔ انتہیٰ + اور جس کا وعدہ ہوتا ہے وہ چیز وعدہ کے بعد پائی جاتی ہے۔ دوم تراجم ثلثہ سے استقبال معلوم ہوتا ہے۔ لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے ہر کہ عمل نیک کرد مرد باشد یا زن واو مسلمان است ہر آئنیہ زندہ کنمش بزندگانی پاک۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے جو کوئی کرے اچھا مردوں سے یا عورتوں سے اور وہ ہو ایمان والا پس البتہ زندہ کرینگے ہم اسکو زندگی پاکیزہ۔ عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ یقین پر ہے تو اسکو ہم جلا دینگے ایک اچھی زندگی **قولہ** چوتھی آیت یہ ہے ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز[1]۔ **اقول** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ۔ اول یہ کہ یہ وعدہ مہاجرین وانصار سے ہے قال البیضاوی وقد انجز وعدہ بان سلط المہاجرین والانصار علی صنادید العرب واکاسرۃ العجم وقیاصرتہم واورثہم ارضہم و دیارھم انتہی۔ اور جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ تراجم ثلاثہ میں استقبال مصرح ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ والبتہ نصرت خواہد داد خدا کسے را کہ قصد نصرت دین وے کند۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ اور البتہ مدد دیوے گا اللہ اُس کو کہ مدد دیتا ہے اُس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔ اور اللہ مقرر مدد کرے گا اُس کی جو مدد کرے گا اُس کی۔ **قولہ** پانچویں آیت یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ[2]۔ **اقول** یہاں بھی مستقبل مراد ہے بدو وجہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ وقت وعدہ کی متحقق نہیں ہوتی ہے بعد کو پائی جاتی ہے۔ دوم تراجم ثلثہ اسپر دال ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے وآنانکہ ایمان آوردند کارہائے شائستہ کردند۔ البتہ درآریم ایشاں را در زمرۂ شائستگان۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ اور وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے البتہ داخل کرینگے ہم اُن کو بیچ صالحون کے۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے ہم اُن کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں آپ کا محذور جب لازم آوے کہ یہ بیان ہو عادت کا بلکہ یہ تو وعدہ ہے۔ **قولہ** اب ہیں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ نخواہ اور ہر ایک جگہ خاص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ **اقول** بالا معلوم ہوا کہ آپ نے جتنی آیتیں ذکر کی ہیں

[1] الحج: ۴۱ [2] العنکبوت: ۱۰

سب میں مراد صرف مستقبل ہیں نہ حال اور نہ استمرار۔ **قولہ** اور آپ کو معلوم ہو کہ تمام مفسرین قدیم و جدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمننّ کے لفظ کے حال کے معنے بھی کرتے ہیں۔ **اقول** اُن لوگوں کے کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں ہو محتمل ہو کہ اُنکی مراد استقبال ہو جیسا کہ آپ خود اُوپر لکھ چکے ہیں۔ کیا استقبال کے طور پر دوسرے معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سو ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہو۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ پھر اس دوسرے معنے کا ردّ قاعدہ مقررہ نحاۃ کے موافق کیسے ہوگا۔ تو جواب یہ ہو کہ بیشک اس صورت میں قاعدہ مقررہ کی بنا پر البتہ ردّ نہو سکیگا بلکہ اسکا ردّ منوط ہوگا۔ امر آخر پر جسکا ذکر اوپر ہو چکا یعنے یہ کہ اس صورت میں کلام الٰہی اعلےٰ درجہ بلاغت سے نازل ہوا جاتا ہے۔ فلیتامل فانہ احرے بالتامل۔ **قولہ** اور آپنے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہو کہ نزول عیسےٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اُسکے نزول کے بعد اُسپر ایمان نہیں لائیگا۔ یہ بیان آپ کیلئے کچھ مفید نہیں الی **قولہ** اور پھر اس قول کو ما نحن فیہ سے تعلق کیا ہے **اقول** اس مقام پر آپ نے میرے کلام کو غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا میرا مطلب وہ نہیں ہو جو آپ سمجھے ہیں میرا مطلب نو عبارت ابن کثیر کی نقل سے صرف اس قدر ہو کہ یہ معنے جو مَیں نے اختیار کئے ہیں اسطرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہو اور یہ امر میری تحریر میں مصرح ہو۔ چنداں غور کا بھی محتاج نہیں ہو۔ **قولہ** واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیت موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کر دیا **اقول** میرے ادلہ کا قوی ہونا ابھی ثابت ہو چکا۔ پس یہ آپ کا فرمانا بجائے خود نہیں ہے **قولہ** آپ کے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا **اقول** آپ نے نون ثقیلہ کے بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب ہبار منبثا ہو گیا۔ **قولہ** اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی۔ **اقول** جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے تو اب تعمیم کہاں قائم رہی۔ **قولہ** اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنے لئے جاویں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہونگے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہو۔ تو مجھے مہربانی فرماکر سمجھا دیں کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ **اقول** آپ نے اُس معنے کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہو۔ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے

نزول کے وقت جسقدر اہل کتاب ہونگے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہی کہ حضرت عیسٰی کے نزول کے بعد اور ان کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہو گا کہ اس وقت کے اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے اور ابو مالک کے کلام کا بھی یہی مطلب ہی ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔
قولہ آپ تسلیم کر چکے ہیں **الی قولہ** تو پھر اس لفظ کے لانے سی فائدہ کیا ہی۔ **اقول** حضرت من اس مقام پر بھی آپ نے میرے مطلب پر مطلق غور نہیں کیا اس لئے میں پھر اس کی تقریر کا اعادہ کرتا ہوں امید ہی کہ اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو سمجھ میں آجائیگا اور تسلیم بھی کر لیجئے گا۔ حاصل میری کلام کا یہ ہی کہ آپ کے اعتراض کا جواب بدو طور ہے اول یہ کہ آیت سی یہ نہیں ثابت ہوتا ہی کہ مسیح کے نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آوینگے بلکہ یہ کہ بعد نزول مسیحؑ اور قبل موت مسیح ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ میں سب اہل کتاب ایمان لے آوینگے۔ پس احادیث صحیحہ اُس کی منافی نہ ہوئیں کیونکہ جو کفار مسیح کے دم سی مرنے والے ہونگے وہ پہلے مرینگے باقیماندہ سب ایمان لے آوینگے۔ دوم یہ کہ مراد ایمان سی یقین ہو نہ ایمان شرعی اس تقدیر پر بھی احادیث صحیحہ آیت کے اس معنی کی معارض نہیں ٹھہرتی ہیں الحاصل مقصود دفع تعارض ہی جو آپ نے آیت کے معنے اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہی آپ معلوم نہیں کہ کہاں سی کہاں چلے گئے غور کر کے جواب لکھا کیجئے۔ اب یہ انصاف سے غور کر کے فرمائیے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ اِنؔ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کیلئے استعمال کیا جاتا ہی کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہجاوے تو یہ لفظ بیکار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے کیسا بے محل ہی۔ کیونکہ جس زمانہ کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے اس کی نسبت پورا حصر ہے اور ایسا ہی یہ فرمانا کہ اول تو آپ نے اِنؔ کے لفظ سی زمانہ قبل از نزول کو باہر کیا۔ پھر اب زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا تو پھر اس لفظ کے لانے سی فائدہ ہی کیا تھا محض بے موقع ہے کیونکہ خاکسار نے از خود زمانہ قبل از نزول کو باہر نہیں رکھا اور نہ زمانہ بعد از نزول میں پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا بلکہ یہ تو مقتضٰے نون ثقیلہ و لفظ بعد موتہ کا ہی جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہی۔ اور ایسا ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اب اگر ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھیراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سی مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے محض بے ربط ہی۔ کیونکہ خاکسار اس مقام پر نہ مدعی اُنکے ایمان کا ہے اور نہ مدعی اس امر کا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہی مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہی جو آپنے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہی اس امر

کے فیصلہ کے لئے خاکسار آپ کے دو معتقد خاص حکیم نور الدین صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کو حکم تسلیم کرتا ہی کہ آپ میری اس کلام کا مطلب بالکل نہیں سمجھے **قولہ** یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں الی **قولہ** اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کا صاف وعدہ ہی کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار باقی رہیں گے۔ **اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ اول یہ کہ آیت و ان من اہل الکتٰب[1] میں صاف وعدہ ہی کہ قبل موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب اہل کتاب مومن ہو جائیں گے پس یہ آیت مخصص ہی آیت وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[2] کے دوم احادیث صحیحہ سے ثابت ہی کہ قبل قیامت سب شریر رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ آیت عام مخصوص البعض ہی **قولہ** پھر اللہ جل شانہ فرماتا ہی۔ فاغرینا بینهم العداوة والبغضاء الی یوم القیمۃ[3] - اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت کے پہلے ہی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جائے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی **اقول** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہی مخصص اس کی آیت وان من اہل الکتٰب ہی **قولہ** دوسری آیت آپنے پیش کی ہی کہ یکلم الناس فی المھد وکھلا[4]۔ **اقول** کہل کے معنے میں فی الواقع اہل لغت نے اختلاف کیا ہی۔ اسی واسطے اس آیت کو قطعیۃ الدلالۃ لذاتھا نہیں کہا گیا بلکہ قطعیۃ الدلالۃ لغیرھا کہا گیا یعنے بانضمام آیت وان من اہل الکتٰب جو قطعیۃ الدلالت ہی یہ بھی قطعی ہو جاتی ہی اور آپنے جو شبہ وان من اہل الکتٰب کے قطعیۃ الدلالت ہونے میں کیا ہی وہ بالکلیہ مرتفع ہو گیا **قولہ** صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہی اس میں کھل کے معنے جوان مضبوط کے ہیں **اقول** عبارت بخاری یہ ہے وقال مجاھد الکھل الحلیم انتھی آپ پر واجب ہی کہ یہ امر ثابت کیجئے کہ اس سے جوان مضبوط کس طرح سمجھا جاتا ہے **قولہ** حضرت اس رافعك الی میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا ہی یہ وہی وعدہ تھا جو آیت بل رفعہ اللہ میں پورا کیا گیا۔ **اقول** مسلم ہی کہ آیت انی متوفیك و رافعك[5] میں جو وعدہ تھا وہ آیت بل رفعہ اللہ میں پورا کیا گیا۔ لیکن انی متوفیك میں موت مراد ہونا غیر مسلم ہی جیسا کہ اس کی تقریر تحریر اول میں لکھ چکا ہوں اور آپ نے اُس کا کچھ جواب نہیں دیا **قولہ** نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہی **اقول** آپ کو نزول عین عیسیٰ ابن مریم سے انکار ہے اور حالانکہ تحریر اول میں لکھا گیا ہی کہ حدیث میں لفظ ابن مریم جس کے معنے حقیقی عین ابن مریم ہی موجود ہے

[1] النساء: ۱۶۰ [2] آل عمران: ۵۶ [3] المائدۃ ۱۵ [4] آل عمران: ۴۷ [5] آل عمران: ۵۶

اور صارف یہاں کوئی پایا نہیں جاتا ہے۔ آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ **قولہ** اور فہم ابوہریرہ حجت کے لایق نہیں **اقول** فہم ابوہریرہ کو میں حجت نہیں کہتا ہوں استدلال تو لفظ ابن مریم سے ہے جو حدیث میں واقع ہے **قولہ** یہ حدیث مرسل ہی۔ پھر کیونکر قطعیۃ الدلالت ہوگی **اقول** اس حدیث کو قطعیۃ الدلالت نہیں کہا گیا ہے صرف تائید کے لئے لائی گئی ہے **قولہ** یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت مسیح کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔ **اقول**۔ آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل بیان فرمائیے تاکہ اس میں نظر کی جاوے اور مخالفت تعلیم قرآن غیر مسلم ہے ومن یدعی فعلیہ البیان وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

محمد بشیر عفی عنہ تاریخ ۲۵۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء

نمبر ۲۔ حضرت اقدس مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی

الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مٰلک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین۔

امابعد واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے اپنی جواب الجواب میں باوجود اس کے کہ اپنے ذمہ بار ثبوت حیات مسیح علیہ السلام قبول فرما چکے تھے۔ پھر اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا ہی کہ وفات ابن مریم علیہ السلام کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے کیونکہ آپ کی طرف سی یہ مستقل دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح وفات پا چکے اور اصل امر آپ کے الہام میں یہی ٹھہرایا گیا ہی کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہی اور اگر آپکے ذمہ بار ثبوت نہیں تھا تو یہ عبث کام آپ نے کیوں کیا کہ توضیح مرام و ازالہ اوہام میں دلائل وفات مسیح بہ بسط تمام بیان کئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنےٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازعہ فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار

کر کے پھر کسی دُوسری صورت اور دوسرے مقام میں اُسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔ سو وہ اپنے پہلے اقرار سے ہی پکڑا جاتا ہے اور اس مواخذہ کے لائق ٹھہر جاتا ہے کہ جس امر کو وہ کسی دوسری صورت یا دوسرے وقت اور مقام میں آپ ہی مانتا اور قبول کرتا تھا اب اس سے کیوں انکار کر کے ایک مستحدث اور نئے دعوے کی طرف رجوع کر گیا ہے سو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی کا لفظ اُس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے پہلے اقرار سے منحرف ہو کر ایک نئے اور جدید امر کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی وجہ سے بارِ ثبوت اُس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مُنہ کے اقرار سے ہی اپنی جدّت دعویٰ کا قائل ہوتا ہے۔ یعنے اُس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہوا ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اُس کا نیا ہے اور اُس کے اس قدیم اقرار سے قطعاً مخالف ہے جس سے اب بھی اس کو انکار نہیں۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی عدالت میں دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار روپیہ قرضہ لینا ہے اور خود اس بات کا اقرار کر دیتا ہے کہ فلاں تاریخ میں نے اُسکو بطور قرضہ روپیہ دیا تھا اور اُس تاریخ سے پہلے میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو فلاں تاریخ سے پَیدا ہُوا۔ سو اسی وجہ سے وہ مدعی کہلاتا ہے اور ثبوت اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ بعد اس اقرار کے فلاں تاریخ سے پہلے فلاں شخص میرا قرضدار نہیں تھا۔ پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان کے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں تاریخ سے وہ میرا قرضدار ہے پس اس سے عدالت اسی وجہ سے ثبوت مانگتی ہے کہ وہ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتا ہے اور اس کے دعوے میں ایک جدّت ہے جس کا وہ آپ ہی قائل ہے کیونکہ وہ خود قبول کر چکا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب کہ وہ شخص جسکو اب مقروض ٹھہرایا گیا ہے مقروض نہیں تھا سو اس اقرار کے بعد انکار کر کے وہ اپنی گردن پر آپ بارِ ثبوت لے لیتا ہے۔ غرض واقعی اور حقیقی طور پر اسی شخص کو مدعی کہتے ہیں جو ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر اُسی بات کا انکار کرتا ہے اور بارِ ثبوت اُسپر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے پہلے اقرار کیوجہ سے پکڑا جاتا ہے تمام عدالتیں اسی اصول محکم کو پکڑ کر مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرتے ہیں اگر یہ اصول مدنظر نہ ہو تو ایسا حاکم اندھے کی طرح ہوگا اور اسکو معلوم نہیں ہوگا کہ واقعی طور پر مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون۔ خلاصہ کلام یہ کہ مدعی ہونے کی فلاسفی یہی ہے جو ہم نے اس جگہ بیان کر دی ہے اور ظاہر ہے کہ بارِ ثبوت اُسی پر ہوگا جو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی ہو یعنے ایسی حالت رکھتا ہو کہ ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر دُوسری صورت میں برخلاف اُس اقرار کے بیان کرے

اب اس معیار کو نظر کے سامنے رکھکر ہر یک منصف دیکھ لے کہ کیا واقعی طور پر حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کے بارے میں اس عاجز کا نام مدعی رکھنا چاہیئے۔ یا حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے ہم خیال مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب وغیرہ حیات جسمانی مسیح ابن مریم کے بارے میں مدعی ٹھہرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ہم مدعی کی تعریف ابھی بیان کر چکے ہیں یعنے یہ کہ حقیقی اور واقعی مدعی کیلئے ایسی حالت کا پایا جانا ضروری ہو کہ ایک صورت میں ایک بات کا علی وجہ بصیرت ہمیشہ کے لئے اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اس بات کا انکار کرے۔ یہ تعریف میرے پر صادق نہیں آسکتی۔ کیونکہ میرا بیان تو اس طرز پر نہیں کہ پہلے میں حضرت مسیح ابن مریم کی یہ غیر طبعی حیات قبول کر کے پھر اس سے انکار کر گیا ہوں تا باوجہ جدت دعویٰ اور مخالفت پہلے اقرار کے بار ثبوت میرے پر ہو۔ لیکن مدعی ہونے کی یہ تعریف حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور انکے گروہ پر صادق آتی ہو۔ کیونکہ پہلے اُن کو ابتک اس بات کا اقرار ہے کہ یہ حیات مسیح کی جسکی نسبت دعویٰ ہو۔ ایک غیر طبعی حیات ہو جو اللہ تعالیٰ کے عام قانون قدرت اور دائمی سنت اللہ سے مغائر و مخالف پڑی ہوئی ہے اور نہ صرف سنت اللہ کے مخالف بلکہ نصوص صریحہ بیّنہ قطعیہ قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ قرآن کریم نے جو عام طور پر انسان کی بے ثبات ہستی کے بارے میں ہدایت فرمائی ہو وہ یہی ہے جو انسان اپنی عمر طبعی کی حد کے اندر مرجاتا ہو۔ اور اگر جوانی اور درمیانی حالت میں نہیں تو ارزل عمر تک پہنچ کر اُس کا خاتمہ ہوتا ہو اور زمانہ اُس پر اثر کر کے اور انواع اقسام کے تغیرات اس پر وارد کر کے ارزل عمر تک اس کو پہنچاتا ہے یا وہ شخص پہلے ہی مرجاتا ہو۔ اس اقرار کے بعد مولوی صاحب موصوف اور ان کے گروہ کا یہ بیان ہے کہ مسیح ابن مریم جو انسان تھا اور انسانوں میں بلاکم و بیش داخل تھا اب تک نہیں مرا بلکہ صدہا برس سے زندہ چلا آتا ہو بڈھا بھی نہیں ہُوا اور نہ ارزل عمر تک پہنچا۔ اور نہ زمانہ نے کچھ بھی اُس پر اثر کیا۔ سو مولوی صاحب موصوف نے پہلے جس بات کا اقرار کیا تھا اُسی بات کا پھر انکار کر دیا اس لئے حسب قاعدہ متذکرہ بالا حقیقی اور واقعی طور پر وُہ مدعی ٹھہر گئے کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ حقیقی اور واقعی طور پر مدعی اس شخص کو کہا جاتا ہو کہ کسی امر کی نسبت ایک صورت میں اقرار کر کے پھر دُوسری صورت میں اُسی امر کا انکار کر دیوے۔ کیا مولوی صاحب فقہ کے قوانین پر نظر ڈال کر یا دنیوی عدالتوں کے مقدمات پر نگاہ کر کے کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ کسی شخص کو حقیقی طور پر مدعی تو کہا جائے مگر وہ اس تعریف سے باہر ہو۔ اور اگر اس عاجز نے مسیح ابن

مریم کی وفات پر دلائل لکھے ہیں یا اس کی وفات کی نسبت اپنا الہام بیان کیا ہے تو اس کو حقیقی طور پر مدعی ہونے سے کیا تعلق ہے۔ وہ تمام دلائل تو محض بطریق تنزل لکھے گئے جیسے ایک مدعا علیہ کسی مدعی کا افترا ظاہر کرنے کے لئے کسی عدالت میں ایسی سند پیش کر دیوے جس سے اور بھی اس مدعی کی پردہ دری ہو تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ درحقیقت اس پر وہ تمام ثبوت پیش کرنا واجب ہو گیا۔ جو ایک واقعی اور حقیقی مدعی پر واجب ہوتا ہے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس مسئلہ شناخت مدعی و مدعا علیہ پر نظر غور نہیں کی۔ حالانکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جو قاضیوں اور حکام اور علماؤں کو دھوکوں اور لغزشوں سے بچاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات قطعیۃ الدلالت سے پیش کریں گے۔ لیکن بحث کے وقت اس دعوے سے نومیدی پیدا ہو گئی اس لئے اب اس طرف رُخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کو یاد رہے کہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں حقیقی اور واقعی طریق عدالت یہی ہے کہ جو شخص حیاتِ غیر طبعی مسیح ابن مریم کا مدعی ہے اسی پر واجب ہو کہ وہ آیات قطعیۃ الدلالت اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے حضرت مسیح کی حیات جسمانی ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو یہ اول دلیل ہو گی کہ مسیح فوت ہو گیا بلاشبہ قوانین عدالت کی رُو سے حقیقی اور واقعی طور پر آپ مدعی ہیں کیونکہ طبعی اور مسلّم امر کو چھوڑ کر ایک ایسا عقیدہ آپ نے اختیار کیا ہے جس کا ماننا اور قبول کرنا محتاج دلیل ہو۔ لیکن کسی انسان کا اپنی عمر طبعی تک مرجانا۔ اور صدہا برس تک زندہ نہ رہنا محتاج دلیل نہیں بلکہ اس کے مرنے پر قانون قدرت اور سنت اللہ خود محکم دلیل ہے۔ غور فرماویں کہ اگر مثلاً کسی مفقود الخبر کی اٹھارہ سو برس تک خبر نہ ملے کہ وہ مرا ہے یا نہیں تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اب تک زندہ ہے اور کیا شریعت غرّا محمدیّہ کسی تنازع کے وقت اس کی نسبت وہی احکام صادر کرے گی جو ایک زندہ کی نسبت صادر کرنے چاہئے۔ بینوا۔ توجروا

پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بیّنہ قرآن اور حدیث سے نومید ہو کر دوبارہ آیت لیؤمننّ کے نون ثقیلہ پر زور مارا ہے اور جمہور مفسرین اور صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کے لئے ہو گئی ہو جس کے فقط یہی ایک معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کے نزول کے بعد کسی خاص زمانہ کے لوگ سب کے

سب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اپنی اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی جو قال اللہ اور قال الرسول سے باہر نہیں جائیں گے اور نہ ان بزرگوں کی عزت اور مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہیئے اور اہل زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو و صرف کے بناوٹی قاعدہ کو رد کر دیتی ہے ہمارے پر اللہ اور رسولؐ نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیدیں کہ باوجودیکہ ہمپر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنے کھل جائیں اور اسپر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ یا نحو کو ترک نہ کریں اس بدعت کے التزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلا دیں۔ نحو اور صرف کے قواعد اطراد بعد الوقوع ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں کلی غلطی سے معصوم ہیں۔ اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچگئی ہیں جس سے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ان هذان لساحران[1] بھی آیت موجود ہے لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے ان ہذین کے ان ہذان لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف و نحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزام قواعد مخترعہ صرف و نحو کا حج شرعیہ میں سے نہیں۔ یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ خواص علم لغت ایک دریا ناپیدا کنار ہے افسوس کہ ہماری صرف و نحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کر سکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہرادیں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کھلنے چاہئیں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کر لیں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر یک زبان ہمیشہ گردش میں رہتی ہے اور گردش میں رہے گی جو شخص اب

[1] طٰہٰ : ۶۴

ملک عرب میں جاکر مشاہدہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کس قدر پہلی زبانوں سے اب عربی زبان میں فرق آگیا ہے یہاں تک کہ اقعد کی جگہ اگد بولا جاتا ہے ایسا ہی کئی محاورات بدل گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ جس زمانہ میں صرف و نحو کی قواعد مرتب کرنے کے لئے توجہ کی گئی وہ زمانہ کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فرق کر گیا تھا اور کیا کچھ محاورات میں تبدل واقع ہوگیا تھا۔ نحوی اور صرفی اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ باوجود ترتیب قواعد کے ایک حصہ کثیرہ خلاف قیاس الفاظ اور خلاف قیاس ترتیب الفاظ کا بھی ہے۔ جس کی حد ابھی غیر معلوم ہے جو ابھی تک کسی قاعدہ کے نیچے نہیں آسکا۔ غرض یہ صرف اور نحو جو ہمارے ہاتھ میں ہے صرف بچوں کو ایک موٹی قواعد سکھلانے کے لئے ہے اس کو ایک رہبر معصوم تصور کر لینا اور خطا اور غلطی سے پاک سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو بجز اللہ اور رسول کے کسی اور کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے ہمیں یہ فرمایا ہے فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول[1] یعنے اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف رد کرو اور صرف اللہ اور رسول کو حکم بناؤ نہ کسی اور کو اب یہ کیونکر ہوسکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا حکم بنایا جائے کیا اسپر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کیطرف بجز سرچشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا ہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں۔ اگر آپکا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلائیے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے حجت شرعی نہیں میں ثابت کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ نون ثقیلہ سے مضارع خالص مستقبل کے معنوں میں آجاتا ہے اور کبھی اور کسی مقام اور کسی صورت میں اس کے برخلاف نہیں ہوتا تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کر رہا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت انسانوں کی اور کوششوں کی طرح نحویوں کی کوششیں بھی خطا سے خالی نہیں آپ حدیث اور قرآن کو چھوڑ کر کس جھگڑے میں پڑ گئے۔ اور اس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی کہ وہ سب تفسیر آیت لیؤمنن بہ میں غلطی کرتے رہے ابھی میں انشاء اللہ القدیر آپ پر ثابت کر دوں گا کہ آیت لیؤمنن بہ آپ کے معنوں پر اس صورت میں قطعیۃ الدلالت ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی قطعیۃ الجہالت ہونے پر فتویٰ لکھا جائے اور نعوذ باللہ نبی معصوم

[1] النساء: ۶۰

کو بھی اُن میں داخل کر دیا جائے ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں قطعیۃ کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور کوئی تقویٰ شعار علماء میں سے اس قطعیۃ کے دعوے میں آپکے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور کیونکر شریک ہو۔ شریک تو تب ہو کر بہت سے بزرگوں اور صحابہ کو جاہل قرار دیوے اور نبی صلعم پر بھی اعتراض کرے۔ سبحانہ هذا بهتان عظیم۔

اب میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کے نزول کے لئے قطعیۃ الدلالت قرار دیا ہے یا کچھ اور ہی معنے لکھے ہیں۔ سو واضح ہو کہ کشاف صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمنن بہ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے جملة قسمية واقعة صفة لموصوف محذوف تقديره وان من اهل الكتب احد الا ليؤمنن به قبل موته بعيسى وبانه عبد الله ورسوله يعنى اذا عاين قبل ان تزهق روحه حين لا ينفعه ايمانه لانقطاع وقت التكليف وعن شهر بن حوشب قال لى الحجاج اية ماقرأتها الا تخالج فى نفسى شئ منها يعنى هذه الاية انى اضرب عنق الاسير من اليهود والنصارى فلا اسمع منه ذالك فقلت ان اليهودى اذا حضره الموت ضربت الملائكه دبره ووجهه وقالوا ياعدو الله اتاك عيسى نبيا فكذبت به فيقول آمنت انه عبد نبى وتقول للنصرانى اتاك عيسى نبيا فزعمت انه الله او ابن الله فيومن انه عبد الله ورسوله وعن ابن عباس انه فسره كذلك فقال له عكرمة فان اتاه رجل فضرب عنقه۔ قال لا تخرج نفسه حتى يحرك بها شفتيه قال عكرمة وان خر من فوق بيت او احترق او اكله سبع قال يتكلم بها فى الهواء لا تخرج روحه حتى يومن به وتدل عليه قراءة ابى الا ليؤمنن به قبل موتهم بضم النون على معنى وان منهم احد الا ليومنن قبل موتهم۔ وقيل الضمير ان لعيسى يعنى وان منهم احد الا ليومنن يعنى قبل موت عيسى اهم اهل الكتب الذين يكونون فى زمان نزوله روى انه ينزل فى اخر الزمان فلا يبقى احد من اهل الكتب الا يومن به حتى تكون حالة واحدة وهى ملة الاسلام وقيل الضمير فى به يرجع الى الله تعالى وقيل الى محمد صلى الله عليه وسلم

ترجمہ۔ یعنی لیؤمنن بہ جملہ قسمیہ ہے اور آیت موصوف محذوف کے لئے صفت ہے اور محذوف کو ملانے کے ساتھ اصل عبارت یوں ہے کہ کوئی اہل کتاب میں سے نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور نیز اس بات پر ایمان لاوے کہ وہ اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہے یعنی جس وقت جان کندن

کا وقت ہو جب کہ ایمان بوجہ انقطاع وقت تکلیف کے کچھ نفع نہیں دیتا۔ اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھے حجاج نے کہا کہ ایک آیت ہے کہ جب کبھی میں نے اس کو پڑھا تو اس کی نسبت میرے دل میں ایک خلجان گذرا یعنی یہی آیت اور خلجان یہ ہے کہ مجھے کتابی اسیر قتل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے اور میں یہود یا نصاریٰ کی گردن مارتا ہوں اور میں اس کے مرنے کے وقت یہ نہیں سنتا کہ میں عیسیٰ پر ایمان لایا۔ ابن حوشب کہتا ہے کہ میں نے اس کو کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب یہودیوں پر جان کندن کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا تیرے پاس عیسیٰ نبی آیا اور تو نے اس کی تکذیب کی پس وہ کہتا ہے کہ اب میں عیسیٰ پر ایمان لایا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہے اور نصرانی کو فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے پاس عیسیٰ نبی آیا اور تو نے اس کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا تب وہ کہتا ہے کہ اب میں نے قبول کیا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے اور ابن عباس سے روایت ہے کہ اس نے ایک موقعہ پر یہی تفسیر کی تب عکرمہ نے اسکو کہا کہ اگر ناگاہ کسی شخص کی گردن کاٹ دیجائے تو کس وقت اور کیونکر وہ عیسیٰ کی نبوت کا انکار کریگا۔ تب ابن عباس نے کہا کہ اسکی اس وقت تک جان نہیں نکلے گی جبتک اس کے لبوں پر کلمہ اقرار نبوت مسیح کا جاری نہ ہولے پھر عکرمہ نے کہا کہ اگر وہ گھر کی چھت پر سے گرے یا جل جائے یا کوئی درندہ اُسکو کھا لیوے تو کیا پھر بھی اقرار نبوت عیسٰے کا اسکو موقعہ ملیگا تب ابن عباس نے جواب دیا کہ وُہ گرتے گرتے ہوا میں یہ اقرار کر دیگا۔ اور جبتک یہ اقرار نہ کر لے تب تک اُسکی جان نہیں نکلے گی اور اسی پر دلالت کرتی ہی قرأت ابی بن کعب کی۔ الا لیومننّ به قبل موتھم بضمّ النون یعنی دوسری قرأت میں بجائے قبل موته کے قبل موتھم لکھا ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت موته کی ضمیر اہل کتاب کیطرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسٰے کی طرف۔ اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں به اور موته کی حضرت عیسٰے کی طرف پھرتی ہیں جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہی کہ عیسٰے کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان کی نبوت پر ایمان لے آوینگے اور ایک قول یہ بھی ہی کہ ضمیر به کی اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہی اور ایک قول یہ بھی ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر به کی پھرتی ہے۔

پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہی ذھب کثیرون بل الاکثرون الی ان الضمیر فی اٰیة الا لیومننّ به یعود الی اھل الکتب و یوید ھذا ایضًا قرأة من قرأ قبل موتھم۔ یعنے بہت سی

لوگ بلکہ نہایت کثرت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ آیت الا لیومننّ بہ میں بہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور اسی کی مؤید قرأت قبل موتہم ہے۔

پھر تیسری مدارک میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے والمعنی ما من الیہود والنصاریٰ احد الا لیؤمننّ قبل موتہ بعیسیٰ وبانہ عبد اللہ ورسولہ وروی ان الضمیر فی بہ یرجع الی اللہ اوالی محمد صلی اللہ علیہ وسلم والضمیر الثانی الی الکتابی یعنے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور اس کی رسالت اور عبدیت کو قبول نہ کرے اور یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہ کی اللہ کیطرف پھرتی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف پھرتی ہے ایسا ہی بیضاوی میں زیر آیت لیومننّ بہ یہ تفسیر کی ہے۔ والمعنی ما من الیہود والنصاریٰ احد الا لیؤمنن بان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ قبل ان یموت ویوید ذالک ان قرئ الا لیؤمننّ بہ قبل موتہم وقیل الضمیران لعیسیٰ یعنے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور قبل موتہم کی قرأت انہیں معنوں کی مؤید ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں عیسیٰ کی طرف پھرتی ہیں۔ ؎ اور تفسیر مظہری کے صفحہ ۱۳۱ اور ۲۲۷ میں زیر آیت موصوفہ یعنے لیومننّ بہ کے لکھا ہے۔ روی عن عکرمۃ ان الضمیر فی بہ یرجع الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل راجعۃ الی اللہ عز وجل والمآل واحد فان الایمان باللہ لا یعتد ما لم یومن بجمیع رسلہ والایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم یستلزم الایمان بعیسیٰ علیہ السلام۔ قبل موتہ۔ ای قبل موت ذالک الاحد من اہل الکتب عند معائنۃ ملائکۃ العذاب عند الموت حین لا ینفعہ ایمانہ ہذا روایۃ علی بن طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال فقیل لابن عباس ارئیت ان خر من فوق بیت قال یتکلم فی الہواء فقیل ارئیت ان ضرب عنقہ قال تلجلج لسانہ والحاصل انہ لا یموت کتابی حتی یومن باللہ عز وجل وحدہ لا شریک لہ وان محمد صلی اللہ علیہ وسلم عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ قبل یومن الکتابی فی حین من الاحیان ولو عند معائنۃ العذاب۔ وقال الضمیران لعیسیٰ والمعنی انہ اذا نزل اٰمن بہ اہل الکتاب اجمعون ولا یبقی احد الا لیؤمننّ بہ وہذا التاویل مروی عن ابی ہریرۃ

لکن کونہ مستفاداً من ھذہ الایۃ وتاویل الایۃ بارجاع الضمیر الثانی الی عیسیٰ ممنوع انما ھو زعم من ابی ھریرۃ لیس ذلک فی شیء من الاحادیث المرفوعۃ وکیف یصح ھذا التاویل مع ان کلمۃ ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم البتۃ سواء کان ھذا الحکم خاصاً بھم اولا فان حقیقۃ الکلام للحال ولا وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسیٰ علیہ السلام فالتاویل الصحیح ھو الاول ویؤیدہ قرأن ابی بن کعب اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم وعروۃ قال فی مصحف ابی بن کعب وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتھم۔

ترجمہ عکرمہ سے روایت ہے آیت لیومنن بہ میں۔ بہ کی ضمیر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کی طرف راجع ہے اور مآل واحد ہے کیونکہ ایمان باللہ معتبر نہیں جب تک تمام رسولوں پر ایمان نہ لایا جائے اور محمد مصطفٰے صلعم پر ایمان لانا عیسیٰ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ اور قبل موتہ کی یہ تفسیر ہے کہ ہر ایک کتابی اپنی موت سے پہلے عذاب کے فرشتوں کے دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے گا جبکہ اس کو ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ یہ علی بن طلحہ کی روایت ابن عباس سے ہے رضی اللہ عنہما۔ علی بن طلحہ کہتا ہے کہ ابن عباس کو کہا گیا کہ اگر کوئی چھت پر سے گر پڑے تو پھر وہ کیونکر ایمان لائے گا ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ ہوا میں اس اقرار کو ادا کرے گا پھر پوچھا گیا کہ اگر کسی کی گردن ماری جاوے تو وہ کیونکر ایمان لاوے گا تو ابن عباس نے کہا کہ اس وقت بھی اس کی زبان میں اقرار کے الفاظ جاری ہو جائیں گے۔ حاصل کلام یہ کہ کتابی نہیں مرے گا۔ جب تک اللہ جل شانہ۔ اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسے پر ایمان نہ لاوے۔ بعض کہتے ہیں کہ کتابی فے حین من الاحیان ایمان لائے گا۔ اگرچہ عذاب کے معائنہ کے وقت ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں ضمیریں عیسیٰ کی طرف پھرتی ہیں۔ اور یہ معنے لیتے ہیں کہ جب عیسیٰ نازل ہوگا تو تمام اہل ملل اُسپر ایمان لے آئینگے اور کوئی منکر باقی نہ رہے گا اور یہ تاویل ابوہریرہ سے مروی ہے لیکن آیت لیومنن بہ سے یہ معنے جو ابوہریرہ نے خیال کئے ہیں ہرگز نہیں نکلتے اور قبل موتہ کی ضمیر عیسیٰ کیطرف کسی طرح پھر نہیں سکتی یہ صرف ابوہریرہ کا گمان ہے احادیث مرفوعہ میں اسکا کوئی اصل صحیح نہیں پایا جاتا اور کیونکر یہ تاویل صحیح ہو سکتی ہے باوجودیکہ کلمہ ان موجودین کو بھی تو شامل ہے یعنی ان

اہل کتاب کو جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ خواہ یہ کلمہ انھیں سے خاص ہو یا خاص نہ ہو لیکن حقیقت کلام کا مصداق ٹھہرانے کیلئے حال سب زمانوں سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور کوئی وجہ اس بات کی نہیں پائی جاتی کہ کیوں وہی اہل کتاب خاص کئے جائیں جو حضرت عیسٰے کے نزول کے وقت موجود ہونگے پھر صحیح تاویل وہی ہے جو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں یعنے ضمیر بہ کی عیسٰے کیطرف نہیں پھرتی بلکہ کتابی کیطرف پھرتی ہے اور اسی کے قرأت ابی بن کعب موید ہے جسکو ابن المنذر نے ابی ہاشم سے لیا ہے اور نیز عروہ سے بھی۔ اور وہ قرأت یہ ہے۔ وان من اهل الكتب الا ليؤمننّ به قبل موتهم۔ یعنے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم اور عیسٰی پر ایمان لاوینگے۔ اسی کے قریب قریب ابن کثیر اور تفسیر کبیر اور فتح البیان ومعالم التنزیل وغیرہ تفاسیر میں لکھا ہے۔ اب دیکھئے کہ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس اور علی بن طلحہ رضی اللہ عنہم یہی تاویل لیؤمننّ بہ کی کرتے ہیں کہ پہلی ضمیر محمد مصطفٰے صلعم اور عیسٰی کیطرف پھرتی ہے اور دوسری ضمیر قبل موتہٖ اہل کتاب کیطرف پھرتی ہے اور قرأت قبل موتہم کسقدر وثوق سے ثابت ہوتی ہے پھر باوجود دیکہ یہ تاویل صحابہ کرام کی طرف سے ہے اور بلاشبہ قرأت شاذہ حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے مگر آپ اس کو نظر انداز کرکے اور نحوی قواعد کو اپنے زعم میں اس کے مخالف سمجھکر تمام بزرگ اور اکابر قوم اور صحابہ کرام کی صریح ہجو اور توہین کر رہے ہیں گویا آپ کی نحوی قواعد کی صحابہ کو بھی خبر نہیں تھی اور ابن عباس جیسا صحابی جس کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فہم قرآن کی دعا بھی ہے وہ بھی آپ کے ان عجیب معنوں سے بے خبر رہا۔ آپ پر قرأت قبل موتہم کا بھی وثوق کھل گیا ہے اب فرض کے طور پر اگر قبول کرلیں۔ کہ ابن عباس اور علی بن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہ ان معنوں کے سمجھنے میں خطا پر تھے اور قرأت ابی بن کعب بھی یعنے قبل موتہم۔ کامل درجہ پر ثابت نہیں۔ تو کیا آپ کے دعوٰے قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ بہ پر اسکا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ کیا وہ دعوٰی جسکے مخالف صحابہ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اسپر شہادت دے رہی ہیں ابتک قطعیۃ الدلالت ہے۔ یا اخی اتق اللہ ولا تقف ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولاً[1] اور جب ان روایتوں کے ساتھ وہ روائیتیں بھی ملادیں جنمیں انی متوفیك کے معنے ممیتك لکھے ہیں جیسے ابن عباس کی روایت اور وہب اور محمد بن اسحاق کی روایت کے کوئی ان میں سے عام طور پر حضرت مسیح کی موت کا قائل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ تین گھنٹہ تک مرگئے تھے۔

[1] بنی اسرائیل ع ۳۷

اور کوئی سات گھنٹہ تک اُنکی موت کا قائل ہی اور کوئی تین دن تک جیساکہ فتح البیان اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر وغیر تفاسیر سے ظاہر ہے تو پھر اس صورت میں اس وہم کی اور بھی بیخ کنی ہوتی ہی کہ مسیح کی موت سے پہلے سب اہل کتاب ایمان لے آوینگے۔ غرض آپکا نور قلب شہادت دے سکتا ہے کہ جسقدر مَیں نے لکھا ہی آپ کے دعوے قطعیۃ الدلالت کے توڑنے کے لئے کافی ہے۔ قطعیۃ الدلالت اُسکو کہتے ہیں جس میں کوئی دُوسرا احتمال پیدا نہ ہوسکے مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین کے گروہ نے آپکے معنے قبول نہیں کئے اور مفسرین نے جابجا اِس آپکی تاویل کو قیل کے لفظ سے بیان کیا ہی جو ضعف روایت پر دلالت کرتا ہی۔ عام رائے تفسیروں کی یہی پائی جاتی ہی کہ قرأت قبل موتہم کے موافق معنے کرنے چاہیئے اور ضمیر بہٖ کا نہ صرف حضرت عیسیٰ کی طرف بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ جلّ شانہٗ کی طرف پھیرتے ہیں۔ اب آپ کی رائے کی قطعیت کیونکر باقی رہ سکتی ہی۔ برائے خدا خوف الٰہی کو ہاتھ سے نہ دیں آپ کے مُنہ کی طرف صدہا آدمی دیکھ رہے ہیں اس زمانہ میں تمام لوگ اندھے نہیں فریقین کے بیانات شائع ہونے کے بعد پبلک خود فیصلہ کرلے گی لیکن جن لوگوں کے دلوں پر آپکی رائے کا اثر پڑے گا اُسکے ذمہ دار اور اُس کے مواخذہ کے جوابدہ آپ ٹھہرینگے۔ اور مَیں نے جو آپکے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اِسکی یہی وجہ ہی کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کرلیا جائے تو نعوذ باللہ بقول آپکے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل و نادان قرار دینا پڑتا ہی۔ اور قرأت قبل موتہم کو خواہ نخواہ افترا قرار دینا پڑے گا۔ اور آپ کے نحویوں کو معصوم عن الخطا ماننا پڑیگا۔ آپ تو اللہ رسول کے متبع تھے۔ سیبویہ اور خلیل کے کتب سے متبع ہوگئے۔ اب مَیں آپ کے اقوال باقیماندہ کو بطرز قولہٗ اقول کے رد کرتا ہوں۔

قولہ ایسے معنے کرنا فاسد ہے کہ یہ کہا جائے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا کیونکہ یہ معنے نفس الامر میں تینوں زمانوں پر شامل ہیں۔

اقول جب کہ یہ معنے ابن عباس اور عکرمہ اور علی بن طلحہ وغیرہ صحابہ و تابعین کرتے ہیں۔ اور قرآن ابی بن کعب انہی معنوں کے مطابق ہے تو کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ اُن اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے۔ اور کیا صدہا مفسّرین بلکہ ہزارہا جو اَب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے۔ جب تک ان ہزاروں اکابر کا نام آپ قطعی طور پر جاہل نہ قرار دے دیں

تب تک آپ کے یہ معنے جس میں آپ منفرد ہیں کیونکر قطعی بن سکتے ہیں کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو
ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم رکھا۔ تیرہ سو برس کی تفسیریں اکٹھی کرو اور
اُنپر نظر ڈالکر دیکھو کیا کوئی بھی آپکی طرح ان معنوں کو ناجائز ٹھہراتا ہے بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو
خفیف ٹھہراتے ہیں۔ **قولہ** قبل موتہم کی قرأت پر بھی معنے دوم صحیح نہیں ہوتے اور یہ قرأت ہمارے
معنے کے مخالف بھی نہیں ہے کیونکہ اس قرأت پر یہ معنے ہونگے کہ ہر یک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ
آئندہ میں مسیح پر ایمان لائیگا اور یہ معنے معنے اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ آئندہ سے زمانہ
نزول مسیح مُراد لیا جاویگا۔ **اقول** حضرت اس قرأت سے مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی
آپ تو قبل موتہ کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسیح کی موت سے پہلے لوگ اُسپر ایمان
لے آوینگے اب جب کہ قبل موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھیری گئی تو مسیح کی زندگی جس کا ثابت کرنا
آپکا مدعا تھا کہاں اور کن الفاظ سے ثابت ہوئی مجرد ایمان لانے میں تو بحث نہیں بحث تو اس امر
میں ہے کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے یا نہیں۔ **قولہ** قرأت قبل موتہم غیر متواترہ ہے۔ **اقول** ہمنے تفاسیر
معتبرہ کے ذریعہ سے اسکی سند پیش کردی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے موافق کہتے ہیں جمہور
علماء کا اسی کو مقدم رکھتا آیا ہے یعنے اسی کے مطابق معنے کرتا چلا آیا ہے۔ پس اسی قدر ثبوت آپکے دعوے
قطعیۃ الدلالت توڑنے کیلئے کافی ہے بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی
تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو تفسیر مظہری کا بیان آپ سن چکے ہیں الہامی معنے
جو مَیں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں اگرچہ وہ بجائے خود ایک معنے ہیں چونکہ
آیت ذوالوجوہ ہے اس لئے جب تک سخت تعارض نہ ہو ہر یک معنے قبول کے لائق ہے۔

قولہ آیت فلنولینّک میں پڑھنے سے یہ مراد نہیں کہ ہم تجھکو ہاتھ پکڑ کر قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں
بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھکو قبلہ کیطرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ و شاہ رفیع الدین صاحب و
شاہ عبد القادر صاحب نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنے مستقبل کیا ہے۔ مگر مستقبل قریب ہے۔

اقول آپ اس بات کے تو قائل ہو گئے کہ یہ مستقبل بعید نہیں ہے بلکہ قریب ہے اور ایسا قریب کہ ایک طرف
حکم ہوا اور ساتھ ہی اسکے عمل بھی ہو گیا تو گویا آپ ایک صورت سے ہمارے بیان کو مان گئے۔ کیونکہ ہمارے
نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں اور نہ زمانہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ٹھہر سکے بلکہ وقت

مقدار غیر قار کا نام ہے۔ پھر حال اپنے حقیقی معنوں کے رُو سے کیونکر متحقق ہو کیونکہ جب زمانہ غیر قار ہے تو ماضی کے بعد ہر دم استقبال ہی استقبال ہے لیکن جب حال بولا جاتا ہے تو اُسکے معنے ہرگز حقیقی نہیں لئے جاتے کیونکہ حقیقی معنوں کا مراد رکھنا محال ہے اُسوقت تک کہ ہم حال کا لفظ زبان پر جاری کریں کئی باریک حصے زمانہ کے گذر جاتے ہیں پھر حال کا وجود کہاں اور کیونکر متحقق ہے بلکہ حال سے مراد مجازی طور پر وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو ہماری نظر کے سامنے واقع ہے جو کسی دوسرے حصہ زمانہ میں تصور نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں تو ہماری اور آپ کی نزاع لفظی ہی نکلی اور جس زمانہ کا نام ہم حال رکھتے ہیں اُسی کا نام آپنے مستقبل قریب رکھ لیا۔ اور اتفاق رائے سے ہمارا مدعا ثابت ہوگیا۔ ہاں اگر آپکے نزدیک کوئی زمانہ حقیقی معنوں کے رُو سے بھی حال ہے۔ تو پہلے مہربانی فرما کر وقت کی تعریف فرمائیے میں تو ابتدا سے یہ سُنتا آیا ہوں کہ وقت کی تعریف یہی ہے کہ الوقت مقدار غیر قار۔ یعنے وقت اسی مقدار کا نام ہے جسکو ذرہ قرار نہیں اب جبکہ وقت کو قرار نہیں تو حقیقی طور پر حال کیونکر پیدا ہوا۔ آپ سوچکر جواب دیں اور شاہ ولی اللہ وغیرہ صاحبوں کا ترجمہ جو آپ نے پیش کیا ہے یہ ہمارے کچھ مضر نہیں۔ جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہوگئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں اور آیت وانظر الی الٰھك میں وہی ہماری طرف سے جواب ہے جو اس میں جواب ہے۔ **قولہ** والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[2] استمراری معنے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس جگہ عادت مستمرہ کا بیان کرنا مقصود نہیں یہ تو صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ **اقول** یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے بلکہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کے لئے ہی خاص ہے اور اس نعمت سے وہ لوگ بے نصیب ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں یا حال میں مجاہدہ میں لگے ہوئے ہیں حضرت یہ وعدہ بھی استمراری ہے جو ازمنہ ثلثہ پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ ضد نہ کیجئے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو اُسکے اس قانون قدرت سے جو مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مترتب ہوتی ہے محروم تصور نہ فرمائیے ورنہ مطابق آپکے معنوں کے ہر یک زمانہ جو حال کے نام پر موسوم ہوگا اس نعمت سے بکلی محروم قرار دینا پڑے گا۔ مثلاً ذرا غور کر کے دیکھئے کہ اس آیت کو نازل ہوئے تیرہ سو برس گذر گیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ بر طبق مضمون اس ایت کے ہر یک جو اس عرصہ میں مجاہدہ کرتا رہا ہے وہ وعدہ لنھدینھم سے حصہ مقسومہ لیتا رہا ہے اور اب بھی لیتا ہے اور آیندہ بھی لے گا۔ پھر آپ اس آیت کے استمراری معنوں سے جو ازمنہ ثلثہ پر اپنا اثر ڈالتی چلی آئی ہے

[1] طٰہٰ: ۹۸ [2] العنکبوت: ۷۰

کیونکر منکر ہوتے یہی میرا بیان باقی آیات پیش کردہ میری کے متعلق ہی علیحدہ لکھنے کی حاجت نہیں پبلک خود فیصلہ کرلیگی اور یاد رکھنا چاہیئے یہ ترجمے کوئی توقیفی نہیں ہیں۔ آپ کے نون ثقیلے ہرگز آپ کو وہ فایدہ نہیں پہنچا سکتے جس کی آپ کو خواہش ہے۔ **قولہ** حضرت عیسٰی کے نزول کے بعد اور انکی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اُس وقت اہل کتاب سب مسلمان ہوجائینگے۔ **اقول** حضرت آپ کیوں تکلفات رکیکہ کررہے ہیں آپکے ان تکلفات کو کون تسلیم کریگا قرآن کریم اس بات کا گواہ ہے کہ سلسلہ کفر کا بلافصل قیامت کے دن تک قایم رہے گا اور یہ کبھی نہیں ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی مذہب پر ہوجائیں اور اختلاف کفر اور ایمان اور بدعت اور توحید کا درمیان سے اُٹھ جائے۔ چنانچہ اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضروری الوجود انسانوں کی فطرت کے لئے قرار دیتا ہے اور کفر کا تخم قیامت تک قایم رہنے کے لئے یہ آیات صریحۃ الدلالت ہیں جو پہلے پرچہ میں لکھ چکا ہوں یعنے وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیمۃ[1] اور آیت فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ[2] اب دیکھئے کہ ان آیات سے ہی آپ کا دعویٰ قطعیۃ الدلالت ہونا آیت لیومنن بہ کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے ہریک طرف سے آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی آپ پر زد ہے پھر بھی آپ اس خیال کو نہیں چھوڑتے۔ آپنے جب دیکھا کہ مسیح کے دم سے بہت لوگ کفر پر مرینگے تو آپ پہلے دعوے سے کھسک گئے لیکن آیات موصوفہ بالا سے آپ کسی طرح پیچھا چھڑا نہیں سکتے۔ آپ نے جو اس بارے میں جواب دیا ہے خود منصف لوگ دیکھیں گے حاجت اعادہ کی نہیں۔ **قولہ** آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ حلیم کے لفظ سے جوان مضبوط کیونکر سمجھا جاتا ہے۔ **اقول** حضرت حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو اور جو حلم کے زمانہ تک پہنچے وہ جوان مضبوط ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ خورد سال کے کچے اعضا شدت اور صلابت کے ساتھ بدل جاتے ہیں قاموس بھی ملاحظہ ہو اور کشاف وغیرہ بھی اور بالغ عاقل کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ **قولہ** انی متوفیك میں موت مراد ہونا غیر مسلّم ہے۔ **اقول** غیر مسلّم ہے تو میرے اشتہار ہزار روپیہ کا جواب دیجئے جو ازالہ اوہام کے آخر میں ہے۔ کیونکہ اس اشتہار میں غیر ثابت کرنے والے کے لئے ہزار روپیہ انعام کا وعدہ ہے۔ **قولہ** نزول عیسٰے ابن مریم سے آپ کو انکار ہے۔ **اقول** جب کہ عیسٰی ابن مریم کی حیات ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہورہی ہے۔ تو عیسٰی کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہوسکتے ہیں و اطلاق اسم الشیٔ علٰے ما

[1] آل عمران : ٥٦ [2] المائدہ : ١٥ ١٩٣

یشابہہ فی اکثر خواصہ وصفاتہ جائز۔ حسن تفسیر کبیر ۶۸۹ جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر اُن کا نزول بھی مانا جائے گا ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اُس سے مراد اُس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔ **قولہ** آپ بخاری کی وہ حدیث مرفوع متصل بیان فرمائیے جس سے مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ **اقول** مَیں تو وُہ حدیث ازالہ اوہام میں لکھ چکا اور آخری پرچہ میں تنزلاً ثبوت وفات کے وقت وُہ حدیث بھی لکھونگا ابھی تو دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسیح کی حیات کے بارے میں کونسی آیت قطعیۃ الدلالت پیش کرتے ہیں افسوس کہ ابتک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔

فقط میرزا غلام احمد

پرچہ نمبر (۳)

مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ حامداً مصلیاً مسلماً

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔[1]

(**قولہ**) میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنےٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارِثبوت کسی امر متنازع فیہ کی نسبت اُس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار کر کے پھر کسی دُوسری صورت اور دُوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔

اقول یہاں کلام ہے بچند وجوہ اوّل یہ کہ آپ قبل ادعاء مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں اور اب آپ حیات کا انکار کرتے ہیں تو موافق اپنی تعریف کے آپ مدعی ٹھہرے۔ دوم خاکسار آپ سے سوال کرتا ہے ایماناً اس کا جواب دیجئے وہ یہ ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ مسیح علیہ السلام وفات پا چکے بعد آپ کے اس الہام کے پیدا ہوا ہے کہ مسیح فوت ہوگیا یا قبل اس کے اگر بعد پیدا ہوا ہے تو گویا یہ کہنا ہوا کہ الہام سے پہلے میرا اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو وقت الہام کے پیدا ہوا سو اس وجہ سے آپ مدعی ہوئے اور ثبوت آپ کے ذمہ ہوا کہ آپ بعد اس اقرار کے کہ الہام سے پہلے مجھ کو اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان

[1] آل عمران : ۹

کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وقت الہام سے مجھ کو یہ خیال ہے کہ مسیح فوت ہوگیا پس اسی وجہ سے آپ سے ثبوت مانگا جاتا ہے کہ آپ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتے ہیں۔ اور اس دعوے میں ایک جدت ہے جس کے آپ خود قایل ہیں اور اگر قبل سے یہ خیال تھا تو اس خیال کا یقین قانون قدرت یعنی سنت اللہ و آیات قرآن کریم سے آپ کو حاصل ہوگیا تھا یا نہیں بر تقدیر اول آپ نے قبل الہام مذکو براہین وغیرہ میں اس کو کیوں نہیں ظاہر فرمایا اور اپنے پرانے باطل خیال پر باوجود یقین بطلان کے کیوں اڑے رہے اور بر تقدیر ثانی بعد الہام کے اس خیال کا یقین آپ کو حاصل ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو صرف ایک ظنی یا شکی یا وہمی بات پر اصرار خلاف دیانت ہے اور اگر بعد الہام کے یقین اس خیال وفات کا آپکو حاصل ہوا تو ظاہر ہے کہ مفید یقین اس وقت آپکا الہام ہوا نہ سنت اللہ و آیات قرآن کریم اور آپکا ملہم ہونا ابھی تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ اس تقدیر پر آپ پر واجب ہے کہ پہلے اپنا ملہم ہونا ثابت کیجئے پھر ہر الہام کا حجت ہونا ملہم و غیر ملہم پر ثابت کیجئے بعد اثبات ان دونوں امر کے دعوے وفات مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کا پیش کیجئے بغیر اس کے آپکا دعویٰ وفات مسیح و مسیح موعود ہونے کا عند العقلاء ہرگز لایق سماعت نہیں ہے سیوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں بر تقدیر ثانی آپکا ان کو صریحہ بینہ قطعیہ کہنا باطل ہے اور بر تقدیر اول لازم آتا ہے کہ آپکے نزدیک وہ سب صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور تمام مسلمین الی یومنا جو حیات مسیح کے قایل ہیں اعاذنا اللہ منہ کافر ہوں اور آپ خود بھی جس زمانہ میں اعتقاد حیات مسیح کا رکھتے تھے کافر ہوں۔ کیونکہ منکر نصوص صریحہ بینہ قطعیہ کا کافر ہوتا ہے۔ چہارم آپنے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے یہ محض اپنی رائے سے بیان کی ہے یا کوئی دلیل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اس کے لئے ہے یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا کسی فقیہ کا اس کے ثبوت کیلئے پیش کیجئے۔ پنجم یہ تعریف مدعی کے مخالف ہے اس کے جس کو علماء مناظرہ نے لکھا ہے رشیدیہ میں ہے والمدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الجزی الذی تکلم به من حیث انه اثبات بالدلیل او التنبیه مولانا عصام الملۃ والدین نے شرح رسالہ عضدیہ میں لکھا ہے المدعی من یفید مطابقۃ النسبۃ للواقع اور یہ دونوں تعریفیں آپ پر صادق آتی ہیں اور آپکی تعریف مخالف ہے ان دونوں تعریفوں کے (**قولہ**) معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات قطعیۃ الدلالت سے پیش کریں گے لیکن بحث کے وقت اس دعوے سے نا امیدی پیدا ہوگئی اس لئے اب اس طرف رُخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔

(**اقول**) یہ آپکا سوءظن ہے اور ہر مسلم مامور ہے اپنی بھائی کے ساتھ حسن ظن کرنے کیلئے چہ جائیکہ آپ سا شخص مدعی الہام و مجددیت و مسیحیت آپ کو بالاولی احسن ظن چاہیئے میں نے صرف ایک امر نفس الامری کا اظہار کر دیا ورنہ میں تو بار ثبوت حیات اپنے ذمہ لے چکا ہوں اور اس کا ثبوت ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کی بناء پر آپکے روبرو پیش کیا گیا مگر افسوس کہ آپنے اس قاعدہ اجماعیہ کے انکار میں کچھ حیاء کو کام نہ فرمایا اب میں اس قاعدہ سے قطع نظر کر کے عرض کرتا ہوں بفضلہ تعالیٰ میرا دعوی حیات مسیح آپکے اقرار سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آپنے توضیح المرام و ازالۃ الاوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہ کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے راجع ہے اب آپکو چاہیئے قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو مانئے یا نہ مانئے ہر طرح میرا مدعا ثابت ہے کیونکہ یا تو آپ لیؤمنن کو معنے استقبال لیجئے گا یا معنے حال یا معنے استمرار یا معنی ماضی شق اول میں تو میرے مطلوب کا حاصل ہونا محتاج بیان نہیں ہے شق ثانی اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اس کے مطلوب میرا اس سے بھی حاصل ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول آیت میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ عم پر قبل انکی موت کے ایمان لاتے تھے پس معلوم ہوا کہ زمان نزول آیت تک زندہ تھے اور رفع یقیناً اس سے پہلے ہوا تو معلوم ہوا کہ زندہ اٹھائے گئے وہو المطلوب شق ثالث اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اسکے اس شق مدعا کا ثبوت بر شق اول سے بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوں گے کہ سب اہل کتاب زمانہ گذشتہ وحال و استقبال میں حضرت عیسیٰ پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں پس اسکا صاف ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی وحال میں زندہ تھے اور استقبال میں بھی ایک زمانہ تک زندہ رہیں گے رفع کے وقت زندہ تھے رابع باطل ہے اسلئے کہ ایسا مضارع کہ اس کے اول میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ہو معنی ماضی کہیں نہیں آیا آپ قواعد نحو کو مانتے ہی نہیں ہیں ایسے مضارع کا معنی ماضی آنا قرآن یا حدیث صحیح سے ثابت کیجئے ورنہ خرط القتاد افسوس کہ آپ کو جب الزام موافق قواعد نحویہ اجماعیہ کے دیا جاتا ہے تو اسکو آپ تسلیم نہیں کرتے اور اگر آپکے مسلمات سے آپکو الزام دیا جاتا ہے تو بھی آپ قبول نہیں کرتے یہ امر اول دلیل ہے اس بات پر کہ آپکو احقاق حق اور اظہار صواب ملحوظ النظر نہیں ہے۔ **قولہ** پھر اس کے بعد آپنے نصوص صریحہ بینہ قرآن و حدیث سے نو امید ہو کر دوبارہ آیت لیؤمنن کے نون ثقیلہ پر زور دیا ہے۔ **اقول** ان من اھل الکتاب صریح و بین ہے اور نون ثقیلہ کا معنی استقبال کر دینا اسکے قطعیہ میں مخل نہیں ہے۔ **قولہ** اور جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے

کہ آیۃ بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کیلئے ہوگئی ہے۔ **اقول** یہ قول غلط محض ہے جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین نے اس آیت کو ہرگز معنی حال یا استمرار نہیں لیا ہے اگر سچے ہو تو ثابت کرو رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے ضمیر کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے معنی حال یا استمرار لینا کسی طرح لازم نہیں آتا ہے سوائے آپکے کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا علاوہ ازیں اس تقدیر پر بھی استقبال ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ پہلی تحریر میں اقرار کرچکے ہیں۔ **قولہ** ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپنے اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پاچکی تھی کہ قال اللہ وقال الرسول سے باہر نہیں جائیں گے **اقول** ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو قال اللہ میں جاری کرنا قال اللہ سے کسی کے نزدیک خارج ہونا نہیں یہ صرف آپکا اجتہاد ہے جس کا کوئی ثبوت آپ نہیں دے سکتے بلکہ یہ خروج بقول آپکے آپ پر لازم آگیا کیونکہ آپ خود ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں اسکے مرتکب ہوئے ہیں عبارت آپکی یہ ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے، واذ قال اللہ یٰعیسےٰ ابن مریم ءانت قلت للناس[1] الخ ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول اِذْ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے انتہیٰ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون[2]۔ **قولہ** اور نہ ان بزرگوں کی عزت و مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ **اقول** آپ ایسی باتیں کرنے سے لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں بھلا صاحب اس قاعدہ کے جاری کرنے سے اُن بزرگوں کی عزّت و مرتبت میں معاذ اللہ کس طرح نقصان آسکتا ہے اُن کے کلام میں تصریح حال یا استمرار کی کہاں ہے یہ تو صرف آپ کا اجتہاد ہے آپ اپنے ساتھ ان بزرگوں کو ناحق شریک کرتے ہیں **قولہ** ہمارے اوپر اللہ و رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف و نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ اس پر کافی و کامل طور پر کسی آیت کے معنی کھل جائیں اور اسپر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی ملجائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف و نحو کو ترک نہ کریں۔ **اقول** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے کافی و کامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اسپر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت کا ملنا غیر مسلم ہے ووجھہ مرّ انفاً فتذکر علاوہ اس کے آپ نے جو باوجود نہ کھلنے معنے آیت کے اور عدم شہادت اکابر مومنین اہل زبان کے ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کا محض اپنی بات بنانے کی غرض سے انکار کیا ہے اس سے یہ احتمال قوی پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو الزام علوم لغت و صرف و نحو و معانی اصول فقہ و اصول حدیث سے جو کہ خادم کتاب سنت ہیں دیا جاویگا

[1] المائدہ : ۱۱۷ [2] البقرہ : ۴۵

تو آپ فوراً اس قاعدہ کا انکار کر جائیں گے اور یہ بات آپ کی علم و دیانت سے خلاف ہے کیونکہ اہل علم کو ان علوم سے چارہ نہیں ہے اور ہم کو الفاظ قرآن و حدیث کے معانی موافق لغت و محاورہ عرب کے سمجھنا ضروری امر ہے ورنہ کسی مسئلہ پر استدلال نہیں ہو سکتا ہے اور یہ امر فی زمانناغیر ممکن ہے کہ خود عرب میں جا کر ہر لغت و محاورہ اور جمیع قواعد صرف و نحو و معانی وغیرہ کی تحقیق کی جائے پس اگر آپ کو کسی اہل اسلام سے مباحثہ کرنا منظور ہے تو پہلے ان دو کاموں سے ایک کام کیجئے۔ اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر آپ کی گریز پر محمول ہوگا یا تو لغت صرف و نحو و معانی و اصول فقہ و اصول حدیث کی اجماعی باتوں کی تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ سب اہل اسلام سے موقوف کر کے ایک الگ کتاب علوم مذکورہ میں تصنیف فرمائیے اور جو کچھ اول علموں میں آپکو ترمیم کرنا ہو وہ کر لیجئے اوس کے بعد مباحثہ کیجئے تاکہ آپ کی مسلمات سے آپکو الزام دیا جاوے ورنہ موافق اس طریقہ کے جو آپنے اختیار کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا ہے۔

قولہ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ان ھذان لساحران آیت موجود ہے۔ **اقول** اس کا جواب عامہ تفاسیر میں موجود ہے عبارت بیضاوی کی اس مقام پر نقل کیجاتی ہے وھذا ان اسم انّ علی لغۃ بلحارث ابن کعب فانھم جعلوا الالف للتثنیۃ واعربوا المثنیٰ تقدیراً وقیل اسمہا ضمیر الشان المحذوف و ھذان لساحران خبرھا وقیل ان بمعنی نعم ومابعدھا مبتداء وخبر فیہما ان اللام لایدخل خبر المبتداء وقیل اصلہ انہ ھذان لھما ساحران فحذف الضمیر وفیہ ان المؤکد باللام لایلیق بہ الحذف انتہیٰ۔ **قولہ** جس میں بجائے ان ھذان کے اِنْ ھذین لکھا ہو **اقول** یہ خطائے فاحش ہے صواب یہ ہے کہ جسمیں بجائے ان ھذین کے اِنْ ھذان لکھا ہو **قولہ** آپ کو یاد ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں **اقول** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت کہی جاوے تو مسلم ہے لیکن قواعد اجماعیہ کی نسبت ایسا کہنا گویا دروازہ الحاد کا کھولنا اور سب احکام شرعیہ کا باطل کرنا ہے کیونکہ قواعد جب غلط ٹھہرے خود عرب میں جا کر فی زماننا تحقیق لغت و قواعد صرف و نحو غیر ممکن۔ پس پابندی قواعد کی باقی نہ رہے گی ہر شخص اپنی ہوا کے موافق قرآن و حدیث کے معنے کرے گا آپکو چاہیئے کہ قواعد اجماعیہ کے تسلیم کا جلد اشتہار دے دیجئے یا کوئی کتاب لغت و قواعد صرف و نحو موافق قرآن و حدیث کے اپنے اجتہاد سے بنا کر جلد شائع کیجئے تاکہ انہی قواعد کے بنا پر آپ سے بحث کیجاوے **قولہ** قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کرتا ہے اور اکابر صحابہ اسپر شہادت دے رہے

له طٰهٰ : ۶۴

ہیں۔ **اقول** سبحانك هذا بهتان عظیم **قوله** اوراس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی **اقول** آپ ان اکابر کا مطلب نہیں سمجھے ہیں فافہم **قوله** ابھی میں انشاء اللہ تعالےٰ یہ آپ پر ثابت کر دونگا کہ آیت لیؤمننّ بہ آپکے معنوں پر اس صورت میں قطعیۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے جب ان سب بزرگوں کے قطعی الجہالت ہونے پر فتویٰ لکھا جاوے اور نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی اس میں داخل کر دیا جاوے **اقول** توضیح مرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت وان من اهل الكتاب الا لیؤمننّ به قبل موته[1] تصریح وفات مسیح پر دلالت کرتی ہے ص۸ میں مرقوم ہے اور قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بتصریح کہیں ذکر نہیں لیکن اُنکے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے حاشیہ میں وہ تین آیتیں آپنے لکھی ہیں اُن میں سے آیت وان من اهل الكتاب بھی ہے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۸۵ میں ہے۔ غرض قرآن شریف میں تین جگہ مسیح کا فوت ہو جانا بیان کیا گیا ہے۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۰۶ میں ہے چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ "ان من اهل الكتاب الا لیؤمننّ به قبل موته" انتہیٰ جاننا چاہیئے کہ آپ کی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ آیت لیؤمننّ کے وفات مسیح پر باوصف صریحۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی جہالت پر فتویٰ لکھا جاوے نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی اُن میں داخل کیا جاوے ورنہ آپ کبھی اورکسی صورت میں دلالت کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ **قوله** اب میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کے نزول کے لئے قطعیۃ الدلالۃ قرار دیا ہے یا کچھ اور بھی معنے لکھے ہیں۔ **اقول** یہ طعن بادنےٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں بلکہ جو آپنے طعن کی ہے اُس سے اشد ہے یعنے آپ نے فرمایا ہے کہ آیت وان من اهل الكتاب موت مسیح پر دلالت کرتی ہے اور آپ کے بعض عبارات سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ دلالت صریحی ہے۔ پس کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی وفات پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ ایکنے بھی نہیں **قوله** کشاف صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمننّ بہ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے آہ۔ **اقول** اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مفسرین نے قطعیۃ الدلالۃ ہونے کی تصریح نہیں کی اُس کے معنے لکھے ہیں لیکن مفسریں کا قطعیۃ الدلالۃ تصریح نہ کرنا قطعیۃ کو باطل نہیں کرتا ہے آپ کے نزدیک انی متوفیك اور لما توفیتنی قطعیۃ الدلالت ہے موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حالانکہ مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی موت

[1] النور: ۱۷ [2] النساء: ۱۶۰ ۱۹۹

کے لئے قطعیۃ الدلالۃ نہیں قرار دیا ہے کچھ اور ہی معنے لکھے ہیں **قولہ** پھر نودی میں یہ عبارت لکھی ہی **اقول** نودی کی عبارت سی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہی کہ اکثروں نے ضمیر موتہ کی کتابی کیطرف راجح کی ہی اس سی آپکے نزدیک بھی قطعیۃ الدلالۃ میں فرق نہیں ہوتا ہی کیونکہ آپکے نزدیک آیت وانی متوفیك وآیت فلما توفیتنی قطعیۃ الدلالۃ ہی وفات مسیح پر حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے وقال الاکثرون المراد بالوفاۃ ھھنا النوم انتھٰی۔ اور ایسا ہی آپکے نزدیک آیت وان من اھل الکتاب دلیل صریح ہے وفات مسیح علیہ السلام پر اور حالانکہ وفات مسیح کا اس میں رایحہ بھی نہیں ہی نہ برتقدیر اُس قول کے جس کو نودی نے اکثرین کا قول قرار دیا ہی اور نہ برتقدیر قول آخر کے جو اُس کا مقابل ہی اس کے بعد آپ نے عبارت مدارک اور بیضاوی وتفسیر مظہری کی نقل کی ہی اور ہر ایک کا ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہی اور حالانکہ اُن سب سے اور کسی امر جدید کا فائدہ نہیں ہی سوائے اسکے ضمیر موتہ میں اختلاف ہے، اور اوپر ثابت ہوا کہ مجرد اختلاف معانی قطعیۃ و دلالت صریحہ کے مخالف نہیں ہی ورنہ چاہیئے کہ آپ سی ادلہ وفات آیت انی متوفیك اور آیت فلما توفیتنی اور آیت وان من اھل الکتاب ادلہ قطعیہ اور دلیل صریح نہ ہوں وھو خلاف ما ادعیتم اور تفسیر مظہری والے کا یہ قول وکیف یصح ھذ التاویل ما ان کلمۃ ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلے اللہ علیہ وسلم البتۃ سواء کان ھذ الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقۃ الکلام للحال ولا وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام مخدوش ہی اور مخالف ہی عامہ تفاسیر کے کیونکہ کلام کا حال کیلئے حقیقت ہونا اوس تقدیر پر ہی کہ کوئی صارف نہ پایا جائے اور یہاں نون تاکید صارف موجود ہی اور یہی وجہ ہے اس امر کی اہل کتاب سی ایک فریق خاص مراد لیا جائے پس صاحب تفسیر مظہری نے یہ قول لاوجہ کوئی وجہ نہیں رکھتا اور یہ جو تفسیر مظہری میں ہی اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم وعروۃ قال فی مصحف ابی بن کعب وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتھم مخدوش ہے کہ تفسیر مظہری میں اِس قرأت کی پوری سند مذکور نہیں ابن کثیر نے اس قرأت کو اس طرح پر روایت کیا ہے حدثنی اسحٰق بن ابراھیم ابن حبیب الشھید حدثنا عتاب بن بشیر عن خصیف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ قال ھی فی قرأت ابی قبل موتھم اس میں دو راوی مجروح ہیں اوّل خصیف دوم عتاب ابن بشیر خصیف کے ترجمہ میں تقریب میں لکھا

ہے صدوق سیئ الحفظ خلط باآخرہ رمی بالارجاء میزان میں ہے ضعفہ احمد وقال ابوحاتم تکلم فی سوء حفظہ وقال احمد ایضاً تکلم فی الارجاء وقال عثمان بن عبد الرحمٰن رایت علی خصیف ثیاباً سوداً کان علی بیت المال انتہی ملخصاً عتاب کے ترجمہ میں میزان میں مرقوم ہے قال احمد اتاعن خصیف بمناکیر اراھا من قبل خصیف قال النسائی لیس ھذا لك فی الحدیث وقال ابن المدینی کان اصحابنا یضعفونه وقال علی ضربنا علی حدیثه انتہی ملخصاً۔ **قولہ** اور بلاشبہ قرأت شاذہ حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہی **اقول** عموماً یہ بات غلط ہے۔ ہاں قرأت شاذہ جو بسند صحیح متصل کہ شذوذ دیگر علل خفیہ غامضہ قادحہ سی خالی ہو البتہ حکم حدیث صحیح کا رکھتی ہی اور ابھی واضح ہوا کہ اس کی سند میں دو رجال مجروح ہیں **قولہ** اب فرض کے طور پر اگر قبول کرلیں کہ اگر ابن عباس اور علی ابن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہؓ ان معانوں کی سمجھ میں خطا پر تھے اور قرأت ابی ابن کعب بھی یعنے قبل موتہم کامل درجہ پر ثابت نہیں۔ تو کیا آپکے دعوے قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیومننّ بہ پر اس کا کچھ بھی اثر ٹھہرا کیا وہ دعویٰ جسکے مخالف صحابہؓ کرام بلند آواز سی شہادت دے رہے ہیں اور دُنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیۃ الدلالۃ ہی۔ **اقول** نہ صحابہ کا اتفاق خلاف پر ہے اور نہ تمام تفسیروں کا ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موتہ میں البتہ منقول ہیں اس سی البتہ قطعیۃ الدلالۃ اور صریح الدلالۃ ہونے میں فرق نہیں آتا ہی اسکے نظائر کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں من شاء فلیرجع الیھا علاوہ اسکے اس بنا پر آپ کے ادلہ وفات میں سی آیت انی متوفیك آیت فلما توفیتنی و آیت وان من اھل الکتاب بھی نہ قطعیۃ الدلالت ٹھہرتی ہے نہ صریحۃ الدلالۃ کیونکہ ان آیات میں چند اقوال منقول ہیں فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ **قولہ** مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین سی کسی گروہ نے آپ کے معنے قبول نہیں کئے ہیں۔ **اقول** یہ کذب صریح ہے تحریر اوّل میں عبارت ابن کثیر نقل کی گئی ہی اُس سی ابن عباس و ابو مالک و حسن بصری و قتادہ و عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم وغیر واحد کا اس معنی کو قبول کرنا ثابت ہی اور ابوہریرہؓ کا اس معنی کو قبول کرنا صحیحین میں مصرح ہے ابن کثیر نے کہا ہی کہ یہ معنے بدلیل قاطع ثابت ہیں اور بھی ابن کثیر میں ہے واولی ھذہ الاقوال بالصحۃ القول الاول وھو انہ لایبقی احد من اھل الکتاب بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام الا آمن بہ قبل موتہ ای قبل موت عیسیٰ علیہ السلام ولا شك

ان ھذا الذی قالہ ابن جریر ھو الصحیح المقصود من سیاق الآی فی تقریر بطلان ما ادعتہ الیھود من قتل عیسٰی و صلبہ و تسلیم من سلم لھم من النصارٰی الجھلۃ ذٰلک انتہٰی۔

قولہ اور مَیں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اسکی یہ وجہ ہو کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل نادان قرار دینا پڑتا ہے۔

اقول میں نے تو وہی معنے جو تمام صحابہ و تابعین وغیرہم سے منقول ہیں اور وہی قاعدہ جو عامہ مسلمین کا معمول رہا ہو لکھے ہیں البتہ آپ کے مسائل مخترعہ کی بنا پر سارے صحابہ کو جاہل ماننا پڑتا ہو فما ھو جوابکم فھو جوابی علاوہ اس کے اوّل صحابہ کے کلام میں کہیں تصریح معنے حال کی نہیں ہو اُن کا کلام معنے مستقبل پر بھی محمول ہو سکتا ہو جیسا کہ آپ تحریر اوّل میں اس کا اعتراف کر چکے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جن لوگوں نے ضمیر کتابی کی طرف پھیری ہو وہ اس امر میں خطا پر ہیں یہ کوئی مقام استبعاد نہیں۔ آپ بہت سے صحابہ کو اکثر مسائل میں خطا پر جانتے ہیں **قولہ** اور قرأت قبل موتہم کو خواہ نخواہ افترا قرار دینا پڑے گا **اقول** خواہ نخواہ چہ معنے دارد قرأت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے لائق احتجاج نہیں۔ کما مر بیانہ انفا **قولہ** کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین کو بلکہ ہزارہا جو اب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے۔

اقول سراسر مبنی سوء فہم پر ہے معنے مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں کہ وُہ مخالف ہو قاعدہ نحو کے بلکہ یہ معنے تو سراسر موافق ہیں قاعدہ نحو کے کیونکہ اس معنے پر نو مضارع صریح بمعنے استقبال کیا گیا ہے ذرا سوچکر جواب دیجئے **قولہ** کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہو جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم نہ رکھا الی **قولہ** بلکہ سب آپ ہی کے معنوں کو ضعیف ٹھہراتے ہیں **اقول** دو بڑی تفسیریں معتبر پرانی پیش کرتا ہوں ایک تفسیر ابن کثیر دوسری تفسیر ابن جریر کہ ان دونوں نے معنے مذکور کو مقدم نہیں رکھا اور نہ میرے معنے کو ضعیف کہا بلکہ صحت کی تصریح کی ہو۔ پس اس مقام پر کذب اس قول کا کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہو گیا۔ **قولہ** حضرت اس قرأت سے حضرت مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی اب تو قبل موتہ کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرنی تھی **اقول** یہ قول بھی سوء فہم پر مبنی ہو مَیں نے یہ نہیں کہا ہو کہ قرأت مذکورہ سے مسیح بن مریم کی زندگی ثابت ہو مَیں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ قرأت مذکورہ مخالف ہمارے معنے کے نہیں بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہو نہ اثبات دعوٰی و بینہما فرق۔

قولہ ہمنے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اسکی اسناد پیش کردی ہیں **اقول** سند میں جو جرح ہے وہ میں نے اوپر بیان کردی فتذکر
قولہ بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجیے جو ان معنوں کی صحت پر معترض
ہو **اقول** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنی کی صحت پر معترض ہیں **قولہ** الہامی معنے جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت
ان معنوں کے معارض نہیں **اقول** یہ محض غلط ہے کیونکہ الہامی معنے کا مدار اسپر ہے کہ ضمیر موتہ کے راجع طرف
عیسےٰ عم کے ہے اور معنے مذکور کا مدار اسپر ہے کہ ضمیر موتہ کے راجع طرف کتابی کے ہے پس سخت تعارض و بیّن تخالف
موجود ہے مجھ کو سخت تعجب ہے آپکی دیانت سے کہ آپ باوجودیکہ ضمیر موتہ کا مرجع عیسےٰ ہونا اپنی کتب میں تسلیم کرچکے ہیں اور
آیت وان من اهل الکتاب کو صریحۃ الدلالت وفات عیسیٰ پر کہتے ہیں پھر اس اقراری حق سے کیوں اعراض کرتے
ہیں اور جحدوا بها واستیقنتها انفسهم[1] کے وعید سے نہیں ڈرتے **قولہ** کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنیوالے زمانہ
کا نام نہیں ہے **اقول** یہ امر مسلم ہے بیشک زمانہ نام مقدار غیر قار کا ہے اور حال ایک فرد ہے زمانہ کا اور حد حقیقی
حال کے باعتبار عرف کے یہی ہے کہ تکلم فعل کے پہلے کا زمانہ تو ماضی ہے اور تکلم فعل کے بعد کا زمانہ مستقبل ہے اور
تکلم فعل کے مبدا سے منتہی تک زمانہ حال ہے اس بناپر ظاہر ہے کہ استقبال قریب ہرگز حال نہیں ہو سکتا ہے
اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قول کے تکلم کا زمانہ بعد ہے زمانہ تکلم فلنولینک سے پس اسکے استقبال ہونے میں کیا شک ہے۔
قولہ جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہوگئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں **اقول** فرق نہ کرنا درمیان مستقبل قریب و
حال کے محصلین سے بعید ہے جیساکہ ماہر علم نحو پر بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں ہے۔ **قولہ** یہ تو ہمنے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے
مگر یہ کہاں سے ثابت ہے کہ وعدہ آنیوالے لوگوں کیلئے خاص ہے **اقول** یہ کس نے کہا کہ یہ وعدہ آنیوالے لوگوں
کیلئے ہی خاص ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اسکا ایفاء زمانہ آئندہ ہی میں ہو سکتا ہے نہ حال میں اور اس بات میں
جو آپ نے طول کیا ہے اسکو اصل مطلب سے کچھ علاقہ نہیں اور ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ
کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے صرف بحث اسمیں ہے کہ یہ سنت اللہ ان آیات وعدو وعید سے ثابت
نہیں ہے بلکہ اس کیلئے دوسری آیات دلیل ہیں **قولہ** اب دیکھئے کہ ان آیات سے بھی آپکا دعویٰ قطعیۃ الدلالت
ہونا آیت لیؤمننّ بہ کا کسقدر باطل ثابت ہوتا ہے **اقول** آیات منافی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمنن
کے نہیں بلکہ آیت لیؤمننّ آیات مذکورہ کے مخصص واقع ہوئی ہے **قولہ** حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو
اقول یہ حصر غیر مسلم ہے کیونکہ حلیم قرآن مجید میں صفت غلام کی آئی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فبشرناہ
بغلام حلیم[2] اور غلام کے معنے کودک صغیر کے ہیں کمافی الصراح پس محتمل ہے کہ حلیم اس مقام پر ماخوذ حلم سے

[1] النمل: ۱۵ [2] صافات: ۱۰۲

ہو جو آہستگی و بردباری کے معنے میں ہو کما فی الصراح قاموس میں ہو والحلم بالکسر الاناءۃ والعقل جمعہ احلام وحلوم ومنہ ام تامرھم احلامھم وھو حلیم جمع حلما واحلاما قولہ جبکہ عیسٰے بن مریم کی حیات ہی ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہو تو عیسٰے کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں اقول اس کلام میں بدو وجہ شک ہے شک اوّل یہ کہ آیت وان من اھل الکتاب سے آپکے اقرار سے صراحتاً موت ثابت ہے کیونکہ آپنے توضیح المرام وازالۃ الاوہام میں اقرار کیا ہو کہ ضمیر موتہ کا عیسٰے کیطرف راجع ہو اور بعد اقرار اس امر کے حیات کا اقرار لازم آتا ہو کما تقرر بحیث لایحوم حولہ۔ شک دوم برتقدیر موت بھی نزول خود حضرت عیسٰی کا نہ محال عقلی ہو اور نہ محال عادی اور جو چیز محال عادی و عقلی نہ ہو اور مخبر صادق اسکی خبر دے تو اس سے انحراف جائز نہیں اور احادیث صحیحہ میں نزول عیسٰے کی خبر متواتر موجود ہو قولہ جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائینگے تو پھر اُنکا نزول بھی مانا جائیگا اقول اسمیں کچھ ملازمتہ نہیں برتقدیر وفات بھی نزول کے نہ ماننے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہو قولہ ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے ان سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے اقول ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر احادیث بھی بخاری میں ایسی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اُس سے مراد اُس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔ پس آپکو چاہیئے کہ براہ عنایت اُن احادیث کو نقل فرمائیے تاکہ اسمیں نظر کیجاوے کہ وہاں مثیل مراد لیا گیا ہو یا نہیں قولہ افسوس کہ ابتک آپ کچھ پیش نہ کر سکے اقول افسوس کہ باوجود اسکے کہ آپکے اقرار سے حیات مسیح آیت وان من اھل الکتاب کے صراحتہً ثابت ہو گئی پھر بھی آپ ایسا فرماتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون والی اللہ المشتکی اب سُنیئے یہ تو آپکی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنیوالا جواب دیا جاتا ہو آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی کو تعارض نہ کریں ایسا کرینگے تو یقیناً سمجھا جائیگا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سے آپکو غرض نہیں ہے وہ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب میں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے اُن جملہ دلائل کو جنکو میں اسوقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلمبند کر کے آپکی خدمت میں پیش کر دیا اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا تھا کہ میرا اصل متمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے اور اُسکے قطعیۃ الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش کیا آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہوتے تو اسکے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرتے یا تو میری جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کرتے اور اُن میں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑتے یا صرف میری اصل دلیل سے تعرض فرماتے

اسکے سوا کسی بات کے جواب سے معترض نہ ہوتے آپنے نہ پہلی صورت اختیار کی نہ دوسری۔ بلکہ میری اصلی دلیل کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کیا مگر اُنکو بھی ادھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کا حوالہ آئندہ پر چھوڑا اور اُنکے مقابلہ میں اپنے دلائل احادیث بخاری وغیرہ کے بیان کو بھی آپنے آئندہ پرچہ پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دُور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اُس سے عوام دھوکہ کھائیں اور خواص ناخوش ہوں اسکی ایک مثال آپکی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحب من جس حالت میں میں خود مدعی ہوکر دلائل پیش کرچکا تھا تو آپکو اس بحث کی کیا ضرورت تھی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کا ذکر بے موقع کرکے لوگوں کو پھر جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپکے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل کی بحث سے فرار اختیار کرکے آپنے مجھے مخاطب بحث بنایا تھا لہذا شیخ الکل کا ذکر میرے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا۔

تیسری مثال یہ ہے کہ آپنے چند تفاسیر کی عبارات و اقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نقل کرکے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ و تابعین مسئلہ حیات و وفات مسیح میں آپکے موافق اور ہمارے مخالف ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قایل نہیں ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام اسوقت زندہ نہیں ہیں۔

چوتھی مثال آپکا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون یومنن کو استقبال کیلئے ٹھہرانا تمام صحابہ و مفسرین کو جاہل قرار دینا ہے جو سراسر آپکا دھوکا و مغالطہ ہے آپکی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ تو جواب ترکی دے چکا آئندہ بھی یہی طریق جاری رہا تو اس سے آپکو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جائیگی اور آپکی اتباع میں آپکی جواب نویسی ثابت ہو جائیگی مگر اسمیں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ اُنپر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپکا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد وفات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو ادھر اُدھر لیجاکر ٹلا رہے ہیں لہذا آیندہ آپکو اسپر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر آپکو بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہے تو زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل دلیل پر کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحویہ اجماعیہ مضمون آیت کا زمانہ استقبال سے مخصوص ہونا اور بصورت صحت تخصیص اس مضمون کا وقت نزول مسیح سے مخصوص ہونا ثابت کیا ہے اُسکا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحویہ اجماعیہ دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی بیکار شے لے اعتبار ہیں یا خاصکر یہ قاعدہ غلط ہے اور اسکو فلاں شخص نے غلط قرار دیا ہے اور اسکی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال

عرب عرباسے یہ دلیل ہے اور بجائے اسکے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے یا یہ کہ فہم معنی قرآن کیلئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے جس طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور در صورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تخصیص مضمون آیت بزمانہ استقبال اس مضمون کے تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے باطل ہے یا اس تخصیص سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وُہ اور صورتوں اور معنی سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہوسکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف مفسرین تفسیر آیت میں اسی تخصیص کا مبطل ہوسکتا ہے اور مجرد اقوال مفسرین آپکے نزدیک لائق استدلال و استناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ و تابعین کے ان اقوال کو جو در باب حیات مسیح وارد ہیں قبول کریں یا انکے ایسے معنے بتا دیں جن سے وفات مسیح ثابت ہو ہم دعوےٰ سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ و تابعین ہمارے ساتھ ہیں انمیں کوئی اس کا قائل نہیں مسیح ابن مریم اب زندہ نہیں ہیں آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے یہ بسند صحیح اگر یہ ثابت کر دیں کہ حضرت مسیح اب زندہ نہیں ہیں تو ہم دعوےٰ حیاتِ مسیح سے دست بردار ہو جائینگے۔
لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے اب اگر آپ یہ ثابت نہ کرسکے تو ہم سے جملہ مفسرین وصحابہ و تابعین کے اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ پرچہ میں نقل کرینگے آپ مانیں یا نہ مانیں عام ناظرین تو اُس سے فائدہ اٹھائینگے اور اس سے نتیجہ بحث نکالینگے آپ سے ہمکو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کیطرف آئیں اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وُہ دو حرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ دستخط محمد بشیر عفی عنہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔

نمبر ۳

حضرت اقدس مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سبحانک ما اعظم شانک تھدی من تشاء وتضل من تشاء وتعلّم من تشاء من لدنک علماً۔ اما بعد اے ناظرین آپ صاحبوں پر واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے مجھ سے

تحریری مباحثہ شروع کر کے اِس بات کا ثابت کرنا اپنے ذمہ لیا تھا کہ حضرت عیسٰے بن مریم زندہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اب اے ناظرین یہ عاجز آپ صاحبوں کی خدمت میں صاف اور سہل اور مختصر طور پر اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ مولویصاحب موصوف نے اپنے اس دعویٰ کا اپنے تین پرچوں میں کیا ثبوت دیا اور میری طرف سے اس ثبوت کے باطل اور ہیچ اور لغو محض ہونے پر اپنے اس تیسرے پرچہ تک کیا کیا ثبوت پیش ہوا ہے تا آپ لوگ خود منصف بنکر دیکھ لیں کہ کیا درحقیقت مولویصاحب نے کسی قطعیۃ الدلالت آیت سے جیسا کہ اُنکا دعویٰ تھا حضرت مسیح ابن مریم کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہونا ثابت کر دکھایا ہے یا وہ ایسے قطعی ثبوت پیش کرنے سے ناکام رہے اور کوئی ایسی آیت پیش نہ کر سکے کہ جو یقینی اور قطعی طور پر حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر دلالت کرتی ہو اور بنظر تحقیق کوئی دُوسرے معنے مخالف ان معنوں کے اُس سے نکل نہ سکتے ہوں۔

سو مَیں آپ صاحبوں کو سُناتا ہوں کہ اوّل حضرت مولویصاحب نے اپنے اِس دعوے کی تائید میں کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں پانچ آیتیں اپنی طرف سے پیش کی تھیں پھر چار آیتوں کو تو خود اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دیا کہ ان سے حضرت مسیح کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا یعنے یہ کئی احتمال رکھتی ہیں اور قطعیۃ الدلالت نہیں ہیں اور تمام مدار اپنے دعوے کا اس آیت پر رکھا کہ جو سورت النساء میں موجود ہے اور وہ یہ ہے وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[۱]۔ مولویصاحب اس آیت کو حضرت عیسٰے کی جسمانی زندگی پر قطعیۃ الدلالت قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے قطعی طور پر یہی معنے ہیں کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ جو عیسٰے پر اسکی موت سے پہلے ایمان نہیں لائیگا۔ اور چونکہ ابتک تمام اہل کتاب کیا عیسائی اور کیا یہودی حضرت عیسٰے پر سچا اور حقیقی ایمان نہیں لائے بلکہ کوئی انکو خدا قرار دیتا ہے اور کوئی انکی نبوت کا منکر ہے اسلئے ضروری ہے کہ حسب منشاء اس آیت کے حضرت عیسٰے کو اُس زمانہ تک زندہ تسلیم کر لیا جائے جبتک کہ سب اہل کتاب اُسپر ایمان لے آویں۔ مولویصاحب اس بات پر حد سے زیادہ ضد کر رہے ہیں کہ ضرور یہ آیت موصوفہ بالا حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح معنے اسکے ہیں کسی دوسرے معنے کا احتمال اسمیں ہرگز نہیں اور اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گویا بعض صحابہ اور تابعین اور مفسرین نے اور بھی کتنے معنے اس آیت کے کئے ہیں مگر وہ معنے صحیح نہیں ہیں۔ کیوں صحیح نہیں ہیں؟ اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ اس جگہ لیؤمنن کا صیغہ نون ثقیلہ

[۱] النساء : ۱۶۰

کے لگنے کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہوگیا ہے اور خالص استقبال کے معنے صرف اسی طریق بیان سے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰے کا کسی آئندہ زمانہ میں نازل ہونا قبول کر کے پھر اس زمانہ کے اہل کتاب کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب کے سب حضرت عیسٰے پر ایمان لے آوینگے اور فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ نے اسکے مخالف معنے کئے ہیں اور قبل موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیر دی ہے یہ معنے ان کی نحو کے اجماعی قاعدہ کے مخالف ہیں۔ کیوں مخالف ہیں؟ اس وجہ سے کہ ایسے معنوں کے کرنے سے لفظ لیومنن کا خالص استقبال کے لئے مخصوص نہیں رہتا۔ سو مولویصاحب کی اس تقریر کا حاصل کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابن عباس اور عکرمہ اور اُبی ابن کعب وغیرہ صحابہ نحو نہیں پڑھے ہوئے تھے اور نحو کے وہ اجماعی قواعد جو مولویصاحب کو معلوم ہیں انہیں معلوم نہیں تھے اسلئے وہ ایسی صریح غلطی میں ڈوب گئے جو انہیں وہ قاعدہ یاد نہ رہا جسپر تمام نحویوں کا اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا بلکہ انہوں نے اپنی زبان کا قدیمی محاورہ بھی چھوڑ دیا جس کی پابندی طبعاً اُن کی فطرت کے لئے لازم تھی۔ ناظرین برائے خدا غور فرماویں کہ کیا مولویصاحب اس بات کے مجاز ٹھہر سکتے ہیں کہ ابن عباس جیسے جلیل الشان صحابی کو نحوی غلطی کا الزام دیویں۔ اور اگر مولویصاحب نحوی غلطی کا ابن عباس پر الزام قائم نہیں کرتے تو پھر کیا کوئی اور بھی وجہ ہے جس کے رو سے مولوی صاحب کے خیال میں ابن عباس کے وہ معنے اس آیت متنازع فیہ میں رد کے لائق ہیں جنکی تائید میں ایک قرأت شاذہ بھی موجود ہے یعنے قبل موتہم فرض کرو کہ وہ قرأت بقول حضرت مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے۔ پس وہ کیا ابن عباس کے معنوں کو ترجیح دینے کے لئے کچھ بھی اثر نہیں ڈالتی یہ کس قسم کا تحکم ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ ابن عباس کے یہ معنے نحوی قاعدہ کے مخالف ہیں۔ اور قرأت قبل موتہم کسی راوی کا افترا ہے۔ ابن عباس اور عکرمہ پر یہ الزام دینا کہ وہ نحوی قاعدہ سے بے خبر تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مولویصاحب یا کسی اور کا حق ہے کہ اُن بزرگوں پر ایسا الزام رکھ سکے جنکے گھر سے ہی نحو نکلی ہے۔ ظاہر ہے کہ نحو کو اُنکے محاورات اور اُنکے فہم کی تابع ٹھہرانا چاہیئے نہ کہ اُنکی بول چال اور اُنکے فہم کا محک اپنی خود تراشیدہ نحو کو قرار دیا جائے۔

اب اگر مولویصاحب اپنی ضد کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے اور ابن عباس اور عکرمہ کو

نحو کے اجماعی قاعدہ سے بے خبر ٹھہراتے ہیں اور قرأت اُبی بن کعب کو بھی جو قبل موتہم ہے بکلّی مردود اور متحقق الافترا خیال کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ صرف اُنکے دعوے سے ہی یہ اُن کا بہتان قابل تسلیم نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اگر وہ اپنے معنوں کو قطعیۃ الدلالت بنانا چاہتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ ان دونوں باتوں کا قطعی طور پر پہلے فیصلہ کرلیں۔ کیونکہ جبتک ابن عباس اور عکرمہ کے مخالفانہ معنوں میں احتمال صحت باقی رہے اور ایسا ہی گو حدیث قرأت شاذہ بقول مولویصاحب ضعیف ہے مگر احتمال صحت رکھتی ہے تب تک مولوی صاحب کے معنے باوجود قائم ہونے ان تمام احتمالات کے کیونکر قطعی ٹھہر سکتے ہیں۔
ناظرین آپ لوگ خود سوچ لیں کہ قطعی معنے تو انہی معنوں کو کہا جاتا ہے جن کی دوسری وجوہ سرے سے پیدا نہ ہوں یا پیدا تو ہوں لیکن قطعیت کا مدعی دلائل شافیہ سے اُن تمام مخالف معنے کو توڑ دے۔ لیکن مولوی صاحب نے ابتک ابن عباس اور عکرمہ کے معنوں اور قبل موتہم کی قرأت کو توڑ کر نہیں دکھلایا اُن کا توڑنا تو صرف ان دو باتوں میں محدود تھا اول یہ کہ مولویصاحب صاف بیان سے اس بات کو ثابت کر دیتے کہ ابن عباس اور عکرمہ اُنکے اجماعی قاعدہ نحو سے بکلّی بے خبر اور غافل تھے اور انہوں نے سخت غلطی کی کہ اپنے بیان کے وقت نحو کے قواعد کو نظر انداز کر دیا۔ دُوسرے مولوی صاحب پر یہ بھی فرض تھا کہ قرأت شاذہ قبل موتہم کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کرکے دِکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں؟ اور کیا وہ محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں؟۔
ناظرین متوجہ ہوکر سنو اب میں اس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر فرض کے طور پر ابن عباس اور عکرمہ اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے معنے جو مخالف مولویصاحب کے معنوں کے ہیں غلط ٹھہرائے جاویں اور قبول کیا جاوے کہ یہ تمام اکابر اور بزرگ مولویصاحب کے اجماعی قاعدہ نحو سے عمدًا یا سہوًا باہر چلے گئے تو پھر بھی مولویصاحب کے معنے قطعیۃ الدلالت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟۔ اسکی وجوہ ذیل میں لکھتا ہوں۔
(۱) اوّل یہ کہ مولوی صاحب کے ان معنوں میں کئی امور ہنوز قابل بحث ہیں جن کا وہ یقینی

طور پر فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ اُن کا ایک ہی معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہونا بپایہ ثبوت پہنچا چکے ہیں۔
ازانجملہ ایک یہ کہ اہل کتاب کا لفظ اکثر قرآن کریم میں موجودہ اہل کتاب کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بیان فرمایا گیا ہے اور ہر ایک ایسی آیت کا جس میں اہل کتاب کا ذکر ہے وہی مصداق اور شان نزول قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر مولویصاحب کے پاس باوجود اُس دوسرے معنے ابن عباس اور عکرمہ کی کونسی قطعی دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذکر اہل کتاب سے وہ لوگ قطعاً باہر رکھے گئے ہیں اور کونسی حجت شرعی یقینی قطعیۃ الدلالت اس بات پر ہے کہ اہل کتاب سے مراد اُس زمانہ نامعلوم کے اہل کتاب ہیں جس میں تمام وہ لوگ حضرت عیسےٰ پر ایمان لے آئیں گے۔
ازانجملہ ایک یہ کہ مولوی صاحب نے تعیین مرجع لیؤمنن بہ میں کوئی قطعی ثبوت پیش نہیں کیا۔ کیونکہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر معتبرہ میں حضرت عکرمہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہ کی جناب خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف پھرتی ہے اور یہ روایت قوی ہے کیونکہ مجرد مسیح ابن مریم پر ایمان لانا موجب نجات نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں خاتم الانبیا پر ایمان لانا بلاشبہ موجب نجات ہے کیونکہ وہ ایمان تمام نبیوں پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ پس اگر حضرت عیسےٰ کو بہ کے ضمیر کا مرجع ٹھہرایا جائے تو اس کا فساد ظاہر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی اہل کتاب شرک سے توبہ کر کے صرف حضرت عیسےٰ کی رسالت اور عبدیت کا قائل ہو۔ لیکن ساتھ اسکے ہمارے سید و مولےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قطعاً منکر ہو تو کیا وہ اسی ایمان سے نجات پا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ ضمیر بہ کی حضرت عیسےٰ کیطرف آپ کے معنوں کے رُو سے کیونکر پھر سکتی ہے۔ اگر یہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی تو ہم یہ خیال کر لیتے اس میں حضرت عیسےٰ بھی داخل ہیں لیکن ضمیر تو واحد کی ہے صرف ایک کی طرف پھریگی۔ اور اگر وہ ایک بجز ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا ٹھہرایا جائے تو معنے فاسد ہوتے ہیں۔ لہذا بالضرورت ماننا پڑا کہ اس ضمیر کا مرجع ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس صورت میں موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیری جائے گی۔
اگر آپ اس جگہ یہ اعتراض کریں کہ ایسے معنوں سے لیؤمنن کا لفظ استقبال کے خالص معنوں میں کیونکر رہیگا۔ تو میں اسکا یہ جواب دیتا ہوں کہ جیسے آپ کے معنوں میں رہا ہوا ہے۔ اسوقت ذرہ آپ متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں اور اُس قادر سے مدد چاہیں جو سینوں کو کھولتا اور دلوں میں سچائی کا نور

نازل کرتا ہے۔ حضرت سُنیئے آپ اس آیت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ ایک زمانہ قبل موت عیسٰے کے ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب حضرت عیسٰےؑ پر ایمان لے آئینگے۔ اور بموجب روایت عکرمہ برعایت آپکے نحوی قاعدہ کے یہ معنے ٹھہرینگے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب نبی خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئینگے جس ایمان کی طفیل مسیح ابن مریم پر بھی ایمان لانا اُنہیں نصیب ہوجائیگا۔ اب حضرت اللہ جلشانہ سے ڈر کر فرمائیے کہ کیا آپکے قطعیۃ الدلالت ہونیکا دعویٰ بکلی نابود ہوگیا۔ یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ آپ خوب سوچکر اور دل کو تھام کر بیان فرماویں کہ آپکی طرز تاویل میں کونسی خالص استقبال کی علامت خاص طور پر پائی جاتی ہے جو اس تاویل میں وہ نہیں پائی جاتی۔ ناظرین برائے خدا آپ بھی ذرا سوچیں۔ بہت صاف بات ہے ذرہ توجہ فرماویں۔ اے ناظرین آپ لوگ جانتے ہیں کہ کئی دن سے مولویصاحب کی یہی بحث لگی ہوئی تھی اور فقط اسی بات پر ان کی ضد تھی کہ لفظ لیومننّ لام اور نون ثقیلہ کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہوگیا ہے۔ اور مولوی صاحب اپنے گمان میں یہ سمجھ رہے تھے کہ خالص استقبال صرف اس طور کے معنے کرنے سے متحقق ہوتا ہے کہ قبل موتہٖ کی ضمیر مسیح ابن مریم کی طرف پھیریں اور اسکی حیات کے قائل ہوجائیں۔ اور اب اے بھائیوں میں نے ثابت کرکے دکھلا دیا کہ خالص استقبال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قبل موتہٖ کی ضمیر حضرت عیسٰےؑ کیطرف پھیری جائے بلکہ اسجگہ حضرت عیسٰےؑ کیطرف ضمیر بہٖ اور ضمیر قبل موتہٖ پھیرنے سے معنے ہی فاسد ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ فقط عیسٰےؑ پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ سچے اور واقعی معنے اس طرز پر یہی ہیں کہ ضمیر بہٖ کی ہمارے سیّد و مولےٰ خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیری جائے اور ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں خود حضرت عیسٰےؑ وغیرہ انبیاء سب ہی آجاوینگے۔ ؎ نامِ احمدؐ نامِ جملہ انبیا است + چونکہ صد آمد نود ہم نزد ما ست۔ بھائیو برائے خدا خود سوچ لو کہ ان معنوں میں اور حضرت مولویصاحب کے معنوں میں خالص مستقبل ہونے میں برابری کا درجہ ہے یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ بھائیو میں محض للہ آپ لوگوں کے سمجھانے کیلئے پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ مولویصاحب آیت لیومننّ بہٖ کے معنے یُوں کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب حضرت عیسٰےؑ کی موت سے پہلے سب کے سب اُنپر ایمان لے آئینگے۔ اور میں حسب روایت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جیسا کہ معالم وغیرہ میں لکھا ہے۔ مولوی صاحب

کی ہی طرز پر یہ معنے کرتا ہوں کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے سب موجودہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ہمارے نبی کریم صلعم پر ایمان لے آئینگے۔ بھائیو برائے خدا ذرہ نظر ڈالکر دیکھو کہ کیا خالص استقبال میری تاویل اور مولویصاحب کی تاویل میں برابر درجہ کا ہے یا ابھی فرق رہا ہوا ہے۔ اب بھائیو انصافاً دیکھو کہ ان معنوں میں بہ نسبت مولویصاحب کے معنوں کے کس قدر خوبیاں جمع ہیں۔ وہ اعتراض جو مولویصاحب کی طرز پر ضمیر بہٖ کے تعین مرجع میں ہوتا تھا۔ وہ اس جگہ نہیں ہو سکتا۔ قرأت شاذہ اس تاویل کی مؤید ہے۔ اور بااینہمہ خالص استقبال موجود ہے۔ اب اسے حاضرین مبارک۔ مولویصاحب کے دعویٰ قطعیت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ مگر تعصب اور طرفداری سے خالی ہو کر غور کرنا۔ مولویصاحب نے اس بحث حیات مسیح کا حصر پانچ دلیلوں پر کیا تھا۔ چار دلیلوں کو تو انہوں نے خود چھوڑ دیا اور پانچویں کو خدا تعالیٰ نے حق کی تائید کر کے نیست و نابود کیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[1]۔ اب اے حاضرین۔ اے خدا تعالیٰ کے نیک دل بندو سوچکر دیکھو اور ذرہ اپنے فکر کو خرچ کر کے نگاہ کرو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب کا کیا دعویٰ تھا۔ یہی تو تھا کہ آیت لیؤمنن بہ کے وہ سچے اور صحیح معنے ٹھہر سکتے ہیں جنمیں لفظ لیؤمنن کو خالص مستقبل ٹھہرایا جائے اور مولویصاحب نے اپنے مضمون کے صفحوں کے صفحے اسی بات کے ثابت کرنے کیلئے لکھ مارے کہ نون ثقیلہ مضارع کے آخر ملکر خالص مستقبل کے معنوں میں لے آتا ہے۔ اِسی دُھن میں مولویصاحب نے حضرت ابن عباس کے معنوں کو قبول نہیں کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ معنے بھی نحویوں کے اجماعی عقیدہ کے بر خلاف ہیں۔ سو ہم نے مولویصاحب کی خاطر سے ابن عباس کے معنوں کو پیش کرنے سے موقوف رکھا۔ اور روایت عکرمہ کی بنا پر وہ معنے پیش کئے جو خالص مستقبل ہونے میں بکلّی مولویصاحب کے معنوں سے ہمرنگ اور ان نقصوں سے مبرّا ہیں جو مولویصاحب کے معنوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کے وقت ہمارے سید و مولا خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اور اُسکے ضمن میں ہر یک نبی پر ایمان لانا داخل ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس ایمان کے لئے حضرت مسیح کو آسمانوں کے دار السرور سے اس دار الابتلا میں دوبارہ لایا جائے۔ مثلاً دیکھئے کہ جو لوگ بقول آپکے آخری زمانہ میں آنحضرت صلعم پر ایمان لائینگے یا اب ایمان لاتے ہیں۔ کیا اُن کے

[1] بنی اسرائیل: ۸۲

ایمان کیلئے یہ بھی ضروری ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آویں۔ پس ایسا ہی یقین کیجئے کہ حضرت مسیح پر ایمان لانے کیلئے بھی دوبارہ اُن کا دُنیا میں آنا ضروری نہیں اور ایمان لانے اور دوبارہ آنے میں کچھ تلازم نہیں پایا جاتا۔ اور اگر آپ اپنی ضد نہ چھوڑیں اور ضمیر لیومنن بہ کو خواہ نخواہ حضرت عیسےٰ ع کی طرف ہی پھیرنا چاہیں باوجود اس فساد معنے کے جسکا نقصان آپکی طرف عاید ہے۔ ہماری طرز بیان کا کچھ بھی حرج نہیں۔ کیونکہ ہمارے طور پر برعایت خالص استقبال کے پھر اُس کے یہ معنے ہونگے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُس زمانہ کے سب اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسےٰ ع پر ایمان لے آوینگے۔ سو یہ معنے بھی خالص استقبال ہونے میں آپکے معنے کے ہمرنگ ہیں۔ کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ابھی تک وہ زمانہ نہیں آیا جو سب کے سب موجودہ اہل کتاب حضرت عیسےٰ ع پر یا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہوں۔ لہذا خالص استقبال کے رنگ میں ابتک یہ پیشگوئی موافق ان معنوں کے چلی آتی ہی۔ اب اگر ہماری اس تاویل میں آپ کوئی جرح کرینگے تو وہی جرح آپکی تاویل میں ہوگی یہانتک کہ آپ پیچھا چھوڑا نہیں سکینگے۔ جن باتوں کو آپ اپنے پرچوں میں قبول کر بیٹھے ہیں اُنھیں کی بنا پر مَیں نے یہ تطبیق کی ہی۔ اور جس طرز سے آپنے آخری زمانہ میں اہل کتاب کا ایمان لانا قرار دیا ہی اُسی طرز کے موافق مَیں نے آپکو ملزم کیا ہی۔ اور اُسے خالص استقبال کے موافق خالص استقبال پیش کر دیا ہی۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کے وقت سے اس آیت کو ذوالوجوہ قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ ابن کثیر نے زیر ترجمہ اس آیت کے یہ لکھا ہی قال ابن جریر اختلف اهل التاویل فی معنے ذٰلك فقال بعضهم معنی ذٰلك وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ یعنی قبل موت عیسےٰ وقال اٰخرون یعنی بذٰلك وان من اهل الكتاب الا ليومنن بعيسٰی قبل موت الكتابی ذكر من كان يوجه ذٰلك الیٰ انه اذا عاين علم الحق والباطل۔ قال علی بن ابی طلحه عن ابن عباس فی الاية قال لا يموت يهودی حتی يومن بعيسٰی وكذا روی ابو داؤد الطيالسی عن شعبة عن ابی هارون الغنوی عن عكرمة عن ابن عباس فهٰذه كلها اسانيد صحيحه الی ابن عباس وقال اٰخرون معنی ذٰلك وان من اهل الكتاب الا ليومنن

بمحمدؐ قبل موت الکتابی یعنے اس آیت کے معنے میں اہل تاویل کا اختلاف چلا آیا ہے۔ کوئی ضمیر قبل موتہ کی عیسےٰؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کتابی کی طرف اور کوئی بہٖ کی ضمیر حضرت عیسےٰؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ پس گو ابن جریر یا ابن کثیر کا اپنا مذہب کچھ ہو یہ شہادت تو انہوں نے بڑی بسط سے بیان کر دی ہے کہ اس آیت کے معنے اہل تاویل میں مختلف فیہ ہیں اور ہم اُوپر ثابت کر آئے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات پر قطعی دلالت اس آیت کی ہرگز نہیں۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔

اب بعد اسکے کسی قدر بطور نمونہ مسیح ابن مریم کی وفات پر دلایل لکھے جاتے ہیں واضح ہو کہ قرآن کریم میں یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ [1] موجود ہے۔ قرآن کریم کے عموم محاورہ پر نظر ڈالنے سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن میں توفّی کا لفظ قبض روح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنے اُس قبض روح میں جو موت کے وقت ہوتا ہے دو جگہ قرآن کریم میں وہ قبض روح بھی مراد لیا ہے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے لیکن اس جگہ قرینہ قایم کر دیا ہے جس سے سمجھا گیا ہے کہ حقیقی معنے توفّی کے موت لئے ہیں۔ اور جو نیند کی حالت میں قبض روح ہوتا ہے وہ بھی ہمارے مطلب کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اسکے تو یہی معنے ہیں کہ کسی وقت تک انسان سوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسکی روح کو اپنے تصرّف میں لے لیتا ہے اور پھر انسان جاگ اُٹھتا ہے۔ سو یہ وقوعہ ہی الگ ہے اس سے ہمارے مخالف کچھ فایدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ بہرحال جبکہ قرآن میں لفظ توفّی کا قبض روح کے معنوں میں ہی آیا ہے اور احادیث میں ان تمام مواضع میں جو خدا تعالیٰ کو فاعل ٹھہرا کر اس لفظ کو انسان کی نسبت استعمال کیا ہے جا بجا موت ہی معنے لئے ہیں۔ تو بلا شبہ یہ لفظ قبض روح اور موت کیلئے قطعیۃ الدلالت ہو گیا اور بخاری جو اصح الکتب ہے اُس میں بھی تفسیر آیت فلما توفیتنی کی تقریب میں متوفیك کے معنے ممیتك لکھا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موت اور رفع میں ایک ترتیب طبعی واقع ہے ہر یک مومن کی روح پہلے فوت ہوتی ہے پھر اُسکا رفع ہوتا ہے۔ اسی ترتیب طبعی پر یہ ترتیب وضعی آیت کی دلالت کر رہی ہے کہ پہلے انی متوفیك فرمایا اور پھر بعد اُسکے رافعك کہا اور اگر کوئی کہے کہ رافعك مقدم اور متوفیك مؤخر ہے۔ یعنے رافعك آیت کے سر پر اور متوفیك فقرہ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا کے بعد اور بیچ میں یہ فقرہ محذوف ہے ثم منزلك الی الارض سو یہ ان یہودیوں کی تحریف ہے جنپر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس

[1] آل عمران : ۵۶

آیت کو اس طرح زیر وزبر کرنا پڑے گا۔ یاعیسیٰ انّی رافعك الی السّماء ومطهرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمة ثم منزلك الی الارض ومتوفّیك۔ اب فرمائیے کیا اس تحریف پر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے۔ یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو مؤخّر کر دیتے تھے جن کی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ[1] ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہیئے۔ اگر کسی حدیث صحیح میں ایسی تحریف کی اجازت ہے تو بسم اللہ وہ دکھلائیے۔ غرض آیت یا عیسیٰ انی متوفیك میں اگر قرآن کریم کا عموم محاورہ ملحوظ رکھا جائے اور آیت کو تحریف سے بچایا جائے تو پھر موت کے بعد اور دوسرے معنے کیا نکل سکتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آیت میں رافعك الیّ وارد ہے رافعك الی السّماء وارد نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ رُوح کوئی مکانی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے تعلقات مجہول الکنہ ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد ایک تعلق رُوح کا قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور کشف قبور کے وقت ارباب مکاشفات پر وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبور اپنی اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان سے صاحب کشف کے مخاطبات ومکالمات بھی واضح ہو جاتے ہیں یہ بات احادیث صحیحہ سے بھی بخوبی ثابت ہے۔ صلوٰۃ فی القبر کی حدیث مشہور ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ مُردے جُوتی کی آواز بھی سُن لیتے ہیں اور السلام علیکم کا جواب دیتے ہیں باوجود اس کے ایک تعلق اُن کا آسمان سے بھی ہوتا ہے اور اپنے نفسی نقطہ کے مکان پر اُنکا تمثل مشاہدہ میں آتا ہے اور اُنکا رفع مختلف درجات سے ہوتا ہے بعض پہلے آسمان تک رہ جاتے ہیں بعض دوسرے تک بعض تیسرے تک لیکن موت کے بعد رفع رُوح بھی ضرور ہوتا ہے۔ جیساکہ حدیث صحیح اور آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ[2] صریح اشارہ کر رہی ہے لیکن اُنکا آسمان پر ہونا یا قبروں میں ہونا ایک مجہول الکنہ امر ہے۔ عنصری خاکی جسم تو اُنکے ساتھ نہیں ہوتا کہ خاکی اجسام کی طرح ایک خاص اور حیّز اور مکان میں اُن کا پایا جانا ضروری ہو۔ اسی وجہ سے خداتعالےٰ نے رافعك الیّ فرمایا رافعك الی السّماء نہیں کہا۔ کیونکہ جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں وہ خاص طور پر

[1] المائدہ : ۱۴ [2] الاعراف : ۴۱

کسی مکان کی طرف منسوب نہیں ہوسکتے بلکہ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ[1] ہوتے ہیں۔ یعنے اگر اُن کا کوئی خاص مکان ہے تو یہی مکان ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا مکان جو حسب استعداد اُنکو ملتا ہے۔ اب جبکہ قرآن کریم میں رافعك الي ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ میں تجھکو اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔ اگر جسمانی طور پر رفع مراد لیا جائے تو سخت اشکال پیش آتا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح معہ اپنے خالہ زاد بھائی کے دُوسرے آسمان پر ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ دُوسرے آسمان میں بیٹھا ہُوا ہے تا دوسرے آسمان میں ہونا رافعك الي کا مصداق ہو جائے۔ بلکہ اس جگہ رُوحانی رفع مراد ہے جسکا حسب مراتب ایک خاص آسمان سے تعلق ہے۔ بخاری میں حدیث معراج کی پڑھو اور غور سے دیکھو۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ ان تمام وجوہات کے رُو سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰؑ وفات پا گئے ہیں بلاشبہ آیت انّي متوفّيك حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ عموم محاورہ قرآن شریف کا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت سے متوفّيك کے معنے مميتك لکھے ہیں۔ اور بخاری نے کسی صحابی کی روایت سے کوئی دوسرے متوفيك کے معنے ہرگز اپنی صحیح میں نہیں لکھے اور نہ مسلم نے لکھے ہیں۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی حالت میں بجز قبض رُوح کے اور کوئی معنے نہیں ہوسکتے۔ اسی بنا پر میں نے ہزار روپیہ کا اشتہار بھی دیا ہے۔ اب اگر یہ آیت مسیح ابن مریم کی وفات پر قطعیۃ الدلالت نہیں تو دلائل مذکورہ بالا اور نیز دلائل مفصلہ مبسوط ازالہ اوہام کا جواب دینا چاہیئے تا آپکو ہزار روپیہ بھی ملجائے اور اپنے بھائیوں میں علمی شہرت بھی حاصل ہو جائے۔

دوسری دلیل مسیح ابن مریم کی وفات پر خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جسکو امام بخاری اپنی کتاب التفسیر میں اسی غرض سے لایا ہے کہ تا یہ ظاہر کرے کہ فلما توفيتني کے معنے لما امتني ہے اور نیز اسی غرض سے اس موقعہ پر ابن عباس کی روایت سے متوفّيك مميتك کی بھی روایت لایا ہے تا ظاہر کرے کہ فلما توفيتني کے وہی معنے ہیں جو انّي متوفّيك کے معنے ابن عباس نے ظاہر فرمائے ہیں۔ اس مقام پر بخاری کو غور سے دیکھ کر ادنےٰ درجہ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ توفيتني کے معنے امتني ہیں یعنے تو نے مجھے مار دیا۔ اس میں تو کچھ شُبہ

[1] القمر: ۵۶

نہیں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ پھر جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہی لفظ فلما توفیتنی کا حدیث بخاری میں اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اپنے حق میں ویسا ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ وہ حضرت عیلٰے کے حق میں مستعمل تھا تو کیا اس بات کو سمجھنے میں کچھ کسر رہ گئی کہ جیسا کہ آنحضرت صلعم وفات پا گئے ویسا ہی حضرت مسیح ابن مریم بھی وفات پا گئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور مفہوم آیات میں کسی طور سے تحریف جائز نہیں۔ اور جو کچھ اصل منشاء اور اصل مفہوم اور اصل مراد ہر یک لفظ کی ہے اس سے عمداً اس کو اور معنوں کی طرف پھیر دینا ایک الحاد ہے جسکے ارتکاب کا کوئی نبی یا غیر نبی مجاز نہیں ہے اسلئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نبی معصوم بجز حالت تطابق کلّی کے جو فی الواقع مسیح کی وفات سے اسکی وفات کو بھی لفظ فلما توفیتنی کو اپنے حق میں استعمال کرسکتا اور نعوذ باللہ تحریف کا مرتکب ہوتا بلکہ ہمارے سید و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم امام المعصومین و سید المحفوظین نے (روحی فداء سبیلہ) لفظ فلما توفیتنی کا نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انہیں مقررہ معینہ معنوں کے ساتھ اپنے حق میں استعمال کیا ہے کہ جیسا کہ وہ بعینہٖ حضرت عیلٰےؑ کے حق میں وارد ہے۔ اب بھائیو اگر حضرت سید و مولانا بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور مدینہ میں انکا مزار مطہر نہیں تو گواہ رہو کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ ایسا ہی حضرت عیلٰےؑ بھی آسمان کی طرف بجسدہ العنصری اٹھائے گئے ہونگے اور اگر ہمارے سید و مولےٰ و سید الکل ختم المرسلین افضل الاولین و الآخرین اول المحبوبین و المقربین درحقیقت فوت ہوچکے ہیں تو آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور فلما توفیتنی کے پیارے لفظوں پر غور کرو جو ہمارے سید و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے میں اور اُس عبد صالح میں مشترک بیان کئے جس کا نام مسیح ابن مریم ہے بخاری اس مقام میں سورۂ آل عمران کی یہ آیت انی متوفیك کیوں لایا اور کیوں ابن عباس سے روایت کی کہ متوفیك ممیتك اسکی وجہ بخاری کے صفحہ ۶۶۵ میں شارح بخاری نے یہ لکھی ہے۔ ھذہ الآیۃ متوفیك من سورۃ آل عمران ذکرھھنا لمناسبت فلما توفیتنی یعنے یہ آیت انی متوفیك سورت آل عمران میں ہے اور بخاری نے جو اس جگہ اس آیت کے ابن عباس سے یہ معنے کئے کہ متوفیك ممیتك تو اس کا یہ سبب ہے کہ بخاری نے فلما توفیتنی

کے معنے کھولنے کے لئے بوجہ مناسبت یہ فقرہ لکھدیا ورنہ آل عمران کی آیت کو اس جگہ ذکر کرنے کا کوئی محل نہ تھا اب دیکھئے شارح نے بھی اس بات کو قبول کرلیا ہے کہ امام بخاری انی متوفیك ممیتك کے لفظ کو شہادت کے طور پر بہ تقریب تفسیر آیت فلما توفیتنی لایا ہے اور کتاب التفسیر میں جو بخاری نے ان دونوں متفرق آیتوں کو جمع کرکے لکھا ہے تو بجز اسکے اُسکا اور کیا مدعا تھا کہ وہ حضرت عیسےٰؑ کی وفات خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت کرچکا ہے۔ اب جبکہ اصح الکتاب کی حدیث مرفوع متصل سے جسکے آپ طالب تھے حضرت عیسےٰؑ کی وفات ثابت ہوئی۔ اور قرآن کی قطعیۃ الدلالت شہادت اُسکے ساتھ متفق ہوگئی۔ اور ابن عباس جیسے صحابی نے بھی موت مسیح کا اظہار کردیا۔ تو اس دوہرے ثبوت کے بعد اور کس ثبوت کی حاجت رہی۔ میں اس جگہ اور دلائل لکھنا نہیں چاہتا میری کتاب ازالہ اوہام موجود ہے آپ اسکو رد کرکے دکھلادیں۔ خود حق کھل جائیگا۔ حضرت عیسےٰؑ وفات پاچکے اب آپ کسی طور سے اُنکو زندہ نہیں کرسکتے۔

اب میں نے حضرت! اصل مدعا کا فیصلہ کردیا۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ جب میری اور آپکی تحریریں شائع ہونگی منصف لوگ خود دیکھ لینگے۔ آپنے ایک ذوالوجوہ آیت کو جسکے قطعی طور پر ایک معنے ہرگز قائم نہیں ہوسکتے۔ قطعیۃ الدلالت ٹھہرانا چاہا تھا۔ میں نے اس طرح کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے۔ آپ کو دکھلادیا کہ وہ آیت حضرت عیسےٰؑ کی زندگی پر ہرگز ہرگز قطعیۃ الدلالت نہیں آپ نہیں دیکھتے کہ اُسکے ضمیروں میں ہی کسی قدر گڈمڈ پڑا ہوا ہے۔ کوئی کسی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کسی طرف۔ نہ حال کے ایک معنے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ خالص استقبال کے ایک معنے۔ پھر وہ قطعیۃ الدلالت کیونکر ہوگئی؟ کیا قطعیۃ الدلالت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی اُس کی ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف پھیرے اور کوئی ہمارے سید و مولانبی عربی خاتم الانبیاءؐ کی طرف اور کوئی حضرت عیسےٰؑ کی طرف اور کوئی قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسےٰؑ کیطرف پھیرے اور کوئی کتابی کیطرف جبکہ تعین مرجع میں ہی ابتدا سے یہ تفرقہ چلا آیا ہے۔ اور پھر اہل کتاب کے لفظ میں بھی تفرقہ اور اختلاف ہے کہ وہ کس زمانہ کے اہل کتاب ہیں۔ اور پھر بقول آپکے ایمان لانے والوں کا زمانہ بھی ایک نشانہ ہی کے ساتھ مقرر اور معین نہیں۔ تو پھر انصافاً فرمائیے کہ باوجود ان سب آفتوں کے یہ آیت قطعیۃ الدلالت کیونکر ٹھہرے گی۔ قرآن کریم کے کئی مقامات سے ثابت ہورہا ہے۔

کہ اس دنیا کے زوال تک کفار اہل کتاب باقی رہیں گے پھر یہ تاویل کہ کسی وقت قیامت سے پہلے پہلے کل اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے کس طور سے صحیح ٹھہر سکتی ہے۔ کیا کوئی اور بھی آیت اپنے کھلے کھلے اور بیّن منطوق سے اس بات کی مصدّق ہے کہ ضرور ہے کہ آخری وقت میں قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کی نصوص بیّنہ قطعیۃ الدلالت کو محض ایک ذو الوجوہ اور متشابہ آیت پر نظر رکھ کر ردّ کر دینا دیانت کا کام نہیں ہے۔ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔ کہ متشابہات کا اتباع وہ کرتے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور صراط مستقیم کے پابند نہیں ہیں پھر وہب اور محمد بن اسحاق اور ابن عباس واقع موت کے قائل ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موت مسیح پر صریح شہادت دیتے ہیں اور امام بخاری خود اپنا مذہب یہی ظاہر کرتے ہیں تو پھر با وجود ان مخالفانہ ثبوتوں کے قبل موتہٖ کی ضمیر کیونکر قطعی طور پر حضرت عیسےٰؑ کی طرف پھر سکتی ہے۔ اور میں نے آپ کے خالص مستقبل کا بھی پورا پورا فیصلہ کر دیا ہے۔ طالب حق کیلئے کافی ہے۔

پھر آپ اپنے پرچہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین وجملہ صحابہ وتابعین مسیح ابن مریم کی موت سے منکر اور حیات جسمانی کے قائل ہیں اسکے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ اگر آپکے ساتھ کوئی عامی اور بے خبر مفسر ہو گا۔ ہمارے ساتھ اللہ جلّشانہٗ اور اُس کا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے۔ کیا اُس حدیث کے موافق جو کتاب التفسیر میں امام بخاری نے لکھی ہے اور ابن عباس کا قول اسکی تائید میں ذکر کیا ہے آپکے پاس اس پایہ کی کوئی حدیث ہے جسکے الفاظ متنازعہ فیہ کے بارے میں ابن عباس جیسے صحابی کی شرح ہو تو وہ حدیث آپکو شائع کرنی چاہیئے اور جیسا کہ اصحّ الکتب بخاری میں ابن عباس سے انّی متوفیك کی شرح انی ممیتك منقول ہے۔ بھلا ایسی اصحّ الکتب میں سے کسی اور صحابی کے حوالہ سے متوفیك کے کوئی اور معنے بھی تو ثابت کر کے دکھلاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ بخاری تنقید میں اول درجہ پر ہے اور وہ حضرت عیسےٰؑ کی وفات بیان کر چکا ہے اور اس کے صفحہ ۶۶۵ میں ایک جلیل الشان صحابی ابن عم رسول اللہ متوفیك کے معنے ممیتك بتلا رہا ہے۔ اور جو آنکھیں رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام بخاری اس آلِ عمران کی آیت کو بر موقعہ تفسیر فلما توفیتنی کیوں لایا۔ اور ابن عباس کا قول کیوں پیش کیا۔ اور آیت فلما توفیتنی کو کتاب التفسیر میں کیوں درج کیا۔ میں نے تو صحابی کیا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ بھی آپکے سامنے رکھدیا۔

اور صحابی بھی پیش کر دیا۔ آپ اگر سچے ہوں تو اسی کتاب اصح الکتب سے کوئی حدیث اِس پایہ کی پیش کریں جس سے حضرت مسیح کی زندگی جسمانی ثابت ہوتی ہو۔ لیکن ایسا نہ کریں کہ آیت لیومنن کی طرح کوئی ذوالوجوہ اور محجوب المفہوم حدیث پیش کر دیں آپ جانتے ہیں کہ آیت لیومنن کے متعلق چند روز کسی قدر ہم دونوں کا وقت ضایع ہوا۔ اور آخر آپکا دعویٰ قطعیۃ الدلالت صریح باطل نکلا اور آپنے جن پانچ دلیلوں پر حصر کیا تھا وہ ہباءً منثوراً کی طرح نابود ہوگئیں حضرت آپ ناراض نہ ہوں اگر پہلے سے آپ سوچ لیتے تو میرا عزیز وقت ناحق آپکے ساتھ ضایع نہ ہوتا۔ اب جبکہ آپکے اُن اول درجہ کے دلائل کی جنکو آپنے تمام ذخیرہ سے چُن کر پیش کیا تھا۔ آخر میں یہ کیفیت نکلی تو میں کیونکر اعتبار کروں کہ آپکے دُوسرے دلائل میں کچھ جان ہوگی۔ اور آج جیساکہ آپکی طرف سے تین پرچے لکھے جاچکے ہیں میری طرف سے بھی تین پرچے ہو گئے۔ اب یہ کُل پرچے ہم دونوں کی طرف سے بجنسہ چھپ جانے چاہئیں پبلک خود فیصلہ کرلے گی کہ میں نے آپ کے دلائل پیش کردہ کو توڑ دیا ہے یا نہیں۔ اور آپکی پیش کردہ آیت کیا درحقیقت قطعیۃ الدلالت ہے یا ذوالوجوہ بلکہ آپکے طور پر معنے کرنے سے قابل اعتراض ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ چونکہ مساوی طور پر ہم دونوں کے پرچے تحریر ہو چکے ہیں۔ تین آپ کی طرف سے اور تین میری طرف سے۔ اِسلئے یہی پرچے بلاکم و بیش چھپ جائیں گے اور ہم دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا کہ غائبانہ طور پر کچھ اور زیادہ یا کم کرے۔ یہ پھر یاد رہے کہ تین پرچوں پر طبعی طور پر فریقین کے بیانات ختم ہو گئے ہیں اور اس مضمون کے شایع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شایع ہونگی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی موید ہو پیدا ہو جائے گی۔ تو اُس تصفیہ کے لئے آپ تحریری طور پر دوسرے اُمور میں بھی بحث کر سکتے ہیں۔ لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں۔ جبکہ تحریری بحث ہے تو دُور رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ مَیں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں ؛

ملاحظہ :۔ اس مباحثہ سے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب کے مابین جو مراسلت ہوئی اور "الحق" میں طبع شدہ ہے ذیل میں اس غرض سے شائع کی جاتی ہے کہ تا اس زمانہ کے مولویوں کی طرز مناظرہ اور انکی علوم رسمیہ سے وابستگی اور علم قرآن مجید سے بیگانگی پوری طرح آشکارا ہو جائے۔ شمس

مراسلت نمبر (۱)

مابین

مولوی محمد بشیر صاحب

اور

مولوی سید محمد احسن صاحب

مولوی محمد بشیر صاحب

حامداً مصلیاً مبسملاً

مکرم معظم بندہ جناب مولوی محمد احسن صاحب دام مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۔ ربیع الثانی پہنچا۔ مشرف فرمایا مندرجہ پر آگاہی حاصل ہوئی چونکہ بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام کی مبنی ادلہ شرعیہ پر ہی الہام کو اس میں کچھ دخل نہیں ہی۔ اور گو جناب مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی ید طولیٰ ہو لیکن خاکسار کے زعم میں علوم رسمیہ میں آپکو اُنپر ترجیح ہے اِسلئے آپ کو میں احق بالمباحثہ جانتا ہوں۔ علاوہ اسکے خاکسار کے اور آپکے درمیان میں جو علاقہ محبّت قبل اس کے کہ آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوں مستحکم تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔ گویا ہم دونوں مصداق اس شعر کا تھے۔ ؎ وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ۔ من الدھر حتّٰی قیل لن یتصدعا۔ اور یہ محبّت محض دینی تھی نہ دنیوی اور جب سے آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوئے ہیں۔ جب سے ہم دونوں مصداق اس شعر کا ہیں۔ ؎ فلما تفرقنا کانّی ومالکا ✤ لطول اجتماع

لم نبت لیلۃ معا۔ اور یہ ہجران بھی محض دین کے لئے ہے نہ کسی غرض دنیوی سے اور اس مرض ہجران کا علاج میرے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ سوا اسکے کہ میرے اور آپ کے درمیان میں مباحثہ تحریر حیات و وفات مسیح علیہ السلام میں محض اظہاراً للصواب واقع ہو جاوے کیونکہ میں سچے دل سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر وفات میرے نزدیک ثابت ہو جاوے گی تو میں بے تامل اپنے قول سے رجوع کرلونگا۔ واللہ علی ما اقول وکیل اور آپکے ساتھ بھی مجھکو حسن ظن یہی ہے۔ پس اُمید قوی ہے کہ بعد مباحثہ کے سبب مرض انشاء اللہ تعالیٰ زائل ہو جائے گا۔ رہے لوازم بشریت و ظہور فساد فی البر والبحر سو اگر میں اور آپ تہذیب عقلی و نقلی کا التزام کرلیں تو ان کے مفاسد و شرور سے بچنا آسان امر ہے اور طریقۂ مناظرہ مستحسن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہم میں سے مدعی بنے اور دوسرا مجیب۔ اور مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اسکے بعد عکس الامر ہو یعنے جو مجیب تھا وہ مدعی بنے اور مدعی مجیب۔ اور یہاں بھی مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔ اِس طریقہ میں فائدہ یہ ہے کہ بحث اِس امر کی اُٹھ جائے گی کہ دراصل کون مدعی ہے اور کون مجیب اور ہر ایک کو اپنے دعوے کی دلیل بیان کرنے اور مخالف کی دلیل کے رد کرنے کا علیٰ سبیل المساوات خوب موقع ملے گا۔ اور پرچے بھی دونوں کے مساوی العدد ہو جائیں گے۔ خاکسار کی جانب سے آپکو اختیار ہے چاہے پہلے مدعی بنئے چاہے مجیب۔ امید کہ جواب رقعہ ہذا سے جلد اور ضرور مشرف فرمائیے۔ والسلام خیر الختام۔ مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ۔ محمد بشیر عفی عنہ

مولوی سید محمد احسن صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبسملاً محمداً لاً مصلیاً مسلماً۔ مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد بشیر صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نامۂ نامی عز ثانی نے مذاق و چاشنی قند مکرر عطا فرما کر سرفراز و ممتاز فرمایا اور درخواست مکرر مباحثہ کو دیکھ کر حیران ہوا کہ مولانا صاحب تو معرکۃ العلماء میں دہلی سے بقول خود فتح عظیم حاصل کرکے تشریف لائے ہیں۔ اور

ایک ایسے نامی گرامی شخص کو جو دنیا بھر میں معروف و مشہور ہے شکست دی ہے پھر اس ہیچمدان و نالائق سے درخواست مباحثہ کیوں ہے۔ من المثل السائر فی الوری وکل الصید فی جوف الفری یہ امر مجرب ہے کہ اعالی پر فتح پاکر ادنے کیطرف توجہ نہیں رہتی۔ یا الٰہی! یہ عالم رؤیا ہے یا یقظہ کیونکہ جناب کا صرف درخواست مباحثہ کرنا اس ہیچمدان سے خصوصاً کل بروز جمعہ جلسہ وعظ میں باعث نہایت عزت اور فخر کا ہے اگرچہ روبرو جناب کے ہیچمدان محض ساکت و صامت ہی ہو جاوے تو بھی باعث فخر ہے اکھاڑے میں نامی پہلوان سے بھاگے ہوئے کو بڑی عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ کاش اگر یہ درخواست مباحثہ قبل اس فتح عظیم کے واقع ہوتی تو بھی شاید اپنے موقع اور محل پر ہوتی۔ یا الٰہی یہ ترقی معکوس کیسی ہے۔ ؎ اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب۔ ہر حال اس خواب کی تعبیر جو خیال ناقص میں آئی ہے خبر لنا و شرا لاعدائنا۔ پھر عرض کروں گا۔ جواب عنایت نامہ گذارش کرتا ہوں۔

گذارش اوّل

جناب والا نے بروقت تشریف آوری کے دہلی سے جب نیاز مند خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو زبان فیض ترجمان سے یہ مضمون ارشاد فرمایا تھا الفاظ کچھ ہوں مگر مطلب یہی تھا کہ یہ مباحثہ میرا علی الرغم مولانا سید نذیر حسین صاحب و محمد حسین وغیرہ کے واقع ہوا ہے بلکہ ان علماء نے بہ سبب نہ شریک کرنے اُنکے کے مباحثہ میں حتٰے کہ جلسۂ بحث میں بھی جب شریک نہ کیا تو بخدمت حضرت مرزا صاحب سلمہ ان علما نے یہ تحریر کر بھیجا کہ اس مباحثہ کی فتح و شکست کا اثر ہم پر نہ پہنچیگا۔ اور یہ خبر سب دہلی میں بھی مشہور ہو گئی تھی اور یہ بات علاوہ ہے کہ یہ درخواست فریق ثانی کی تھی مگر آپکی رائے عالی بھی یہی تھی۔ اسی ضمن میں اور بھی چند باتیں ارشاد فرمائیں جن کو پھر عرض کرونگا۔ آخر اسی جلسہ میں یہ بھی فرمایا کہ بشرط اسکے کہ تم ہماری تحریرمیں کوئی نقض و جرح نہ کرو تو ہم اسکو سنا بھی دینگے۔ اس پر امنا و سلمنا کہا گیا اور وعدہ یہ قرار دیا پایا کہ غریب خانہ پر بوقت صبح آپ تشریف لاوینگے اور خلوت میں سب سنا دیا جاویگا۔ صبح کو ہیچمدان منتظر رہا کہ مولویصاحب حسب الوعدہ اب تشریف لاتے ہوں گے الکریم اذا وعد وفا لیکن یہ امید مبدل بیاس ہوگئی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ بصرف نوازشنامہ صادر ہوا جس میں چند امور تحریر فرمائے گئے تھے منجملہ انکے خلف وعدہ کا یہ عذر تھا۔ کہ یہ مباحثہ تم کو تمہارے مکان پر سنانا دینا خلاف مصلحت ہے کیونکہ خدا نخواستہ اگر کوئی مجھ پر سے الزام

واتہام رفع ہوا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ مولویصاحب ایسے مباحثہ کا اس ہیچمدان سے اخفا کرنا جس کی نسبت سنتا ہوں کہ ہمارے مولویصاحب کو فتح ہوئی اور حضرت مرزا صاحب کی شکست اور برملا ایک شہر کلان دہلی میں واقع ہوا ۔ ہر ایک تحریر پر فریقین کے دستخط ہوئے ۔ جس میں تحریف وتبدیل کی گنجائش نہیں اور عنقریب بذریعہ طبع اسکو آپ شائع بھی کرنیوالے ہیں خواہ ادھر سے شایع ہو یا نہ ہو پھر اسکے اخفا میں کیا مصلحت تھی ۔ ع نہان کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا ۔ اگر کوئی مقدمہ اسکا بطور مقاصد کے لکھا جا رہا ہے جیسا کہ سننے میں آیا ہے تو وہ بعد از جنگ یاد آید کا مصداق ہے ۔ اصول مقاصد مباحثہ میں اسکو دخل ہی کیا ہے ۔ جملہ مقدمات مقاصد جو مناط اور مدار استدلال ہیں سب اس میں موجود اور مرتب ہو چکے ہونگے پھر اسکے اخفا میں کبھی تو یہ عذر فرمانا کہ وہ تحریرات ابھی پراگندہ ہیں اس لئے بالفعل بھیج نہیں سکتا ہوں اور کبھی اسکے اخفا میں کسی مصلحت کی رعایت فرمانا ہم ناقص فہم کی سمجھ میں نہیں آتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہیچمدان آپکو اظہار حق وصواب میں ایک شمشیر برہنہ تصور کرتا ہے ! الحاصل جبکہ اس ہیچمدان کی نسبت زبانی یہ تاکید تھی کہ یہ مباحثہ تجھ کو جب سنایا جاویگا کہ تو اس میں بالکل خاموش رہے ! اور پھر باوجود قبول کر لینے اس شرط کے وہ سنایا بھی نہ گیا کہ مصلحت کے خلاف تھا تو اب احقر کو واسطے مباحثہ کے امر فرمانا مناقض اس امر کے ہے جسکا حکم اول ہو چکا ہے ۔ امور متناقضہ کے ساتھ کسی مجھ سے عاجز وناتوان ہیچمدان کا مکلف کرنا تکلیف مالایطاق ہے ولا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا[1] اب اگر مباحثہ ہی مطلوب ہے تو اول وہی مباحثہ دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جائے اسی پر نظر ثانی ہو سکتی ہے ۔

گذارش ثانی

مدت تخمیناً سات آٹھ ماہ کی گذری ہوگی کہ جب حضرت مرزا صاحب کے بارے میں فیمابین احقر وجناب کے تذکرہ ہوا کرتا تھا تو جناب نے اس ہیچمدان کو یہ مشورہ بدین خلاصہ مضمون دیا کہ اس بارہ میں برملا گفتگو ہونا مناسب نہیں عوام بھڑک جاتے ہیں ۔ بہتر یہ ہے کہ خلوت میں ہی گفتگو ہوا کرے احقر نے بھی اسکو مصلحت سمجھ کر قبول کیا اور یہ قرارداد ہوا کہ تمہارے ہی مکان میں یہ جلسہ ہوا کرے گا چنانچہ خلوت میں تین جلسے ہوئے اور ہیچمدان نے اللہ تعالیٰ کو شاہد کر کر اول بدین خلاصہ

[1] البقرۃ : ۲۸۷

مضمون اقرار کیا کہ چونکہ یہ جلسہ خالصًا للہ ہے اس واسطے میں عہد کرتا ہوں کہ جو امر احقر کے فہم ناقص میں صواب ہو اور نفس الامر میں غلط تو اللہ کے واسطے آپ اُسکو ضرور رد فرماوینگے اور میں اس کو قبول کرونگا۔ علےٰ ہذا القیاس جناب والا نے بھی احقر کے اس اقرار کے بعد خود اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار دیکر یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایسا ہی کرونگا۔ اس میں سرِ مُو تجاوز نہ ہوگا۔ مطلب یہی تھا الفاظ گو اور ہوں۔ بعد اس عہد و پیمان کے احقر نے مسودہ اعلام الناس حصہ اوّل جناب والا کو سُنانا شروع کیا۔ جس جگہ جناب نے اُس میں بطور تائید کے کوئی مضمون ارشاد فرمایا اسکو بھی میں نے درج کرلیا۔ اور مجھ کو خوب یاد ہی کہ کسی مضمون پر آپنے جرح نہیں کیا بلکہ تائیدًا کچھ ارشاد فرمایا۔ شاید ایک جگہ جرح کیا تھا اُسکو میں نے کاٹ دیا تھا اور اسپر بڑی دلیل ایک یہ ہی کہ حصہ اوّل اعلام کو شایع ہوئے عرصہ تخمینًا سات آٹھ ماہ کا ہُوا ہوگا اور جناب کے پاس بھی نسخہ مطبوعہ اُسکا پہنچ گیا ہی جو مضمون تائیدًا آپ کی طرف سی اُس میں لکھا گیا ہی اُسکی تکذیب آپنے ابتک شایع نہیں فرمائی۔ اگر آپ مقام توقف میں نہ ہوتے تو ابتک ضرور اسکی تکذیب کا اشتہار دیدیتے۔ الحاصل تین جلسے متفرق ہو چکے تھے جو عوام نے جناب پر اتہام اور الزام لگانے شروع کئے پھر جلسہ خلوت کا نہ ہُوا ے آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ پس جبکہ حصہ اوّل میں تخمینًا دو ایک ورق سُنانے سے باقی رہ گئی ہیں یا شاذ و نادر کوئی ایک آدھ مضمون بھی رہ گیا ہو جو بروقت نظر ثانی کے درج کیا گیا ہو۔ غرضکہ حصہ اوّل آپکا سُنا ہُوا ہی۔ وللاکثر حکم الکل پھر مولانا میرا کیا قصور ہے مثل مشہور ہی کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ ان سب واقعات سے مجھ کو پوری جرأت ہوگئی تب حصہ اوّل کو احقر نے حق سمجھ کر شایع کردیا پھر اگر تدارک مافات کرنا ہی تو حصہ دوم بھی شایع ہوچکا ہی جسکو جناب نے ابھی شاید مطالعہ نہیں فرمایا ہوگا اور مدت ہوئی کہ حصہ اوّل تو حسب الطلب خدمت اقدس میں حاضر کیا گیا ہی جس جس جگہ دونوں حصوں میں جناب کو کلام ہو جواب رد تحریر فرمائیے انشاء اللہ تعالیٰ اگر حق ہوگا تو قبول کرلونگا اور بڑا باعث حصہ دوم کی اشاعت کا یہ بھی ہُوا کہ ایک روز اثنائے راہ میں جناب نے چپکے سی یہ مضمون فرمایا کہ حیات مسیح فی الحقیقت ثابت نہیں اگرچہ خلاف مذہب جمہور ہے مگر اسکو کسی سے تم کہو مت مطلب یہی تھا الفاظ گو اور ہوں۔ جب چاروں طرف سے آپ پر عوام سے الزام لگانے لگے تب آپنے وعظ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو دجال کذاب تعریضًا یا کنایتًا فرمایا۔ جب بھوپال میں اس وعظ کی خبر مشہور ہوئی تو ایکروز میرے ایک محب مکرم احقر سے اثنائے راہ محلہ نظر گنج میں فرمانے لگے کہ مولوی محمد بشیر صاحب تو حضرت مرزا صاحب کو دجال کذاب کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آجکل کی روایات کا کیا اعتبار ہے مولوی صاحب سے

بالمشافہ دریافت کر لیا جائے۔ احقر اور محب ممدوح آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور محب ممدوح نے اس بارے میں بطور خود خواہ کن ہی الفاظ سے ہو جناب سے استفسار کیا۔ جناب نے احقر کے سامنے درجواب یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں نے دجال کذاب نہیں کہا۔ مرزا صاحب کو اس امر میں خطا پر جانتا ہوں خواہ خطا الہامی ہو یا خطاء اجتہادی یا خطاء عمدی۔ الفاظ کچھ ہوں مطلب یہی تھا۔ ان واقعات کا افشاء احقر نے آجتک نہیں کیا تھا۔ لیکن جب خدام جناب احقر کو بہت تاکید سے کسی مصلحت کے سبب مباحثہ پر مجبور فرماتے ہیں تب مجبور ہو کر یہ اسرار مخفیہ اظہاراً للصواب ظاہر کئے جاتے ہیں پھر معہذا ہیچمدان کو مباحثہ سے احقاق حق اور اظہار صواب کی امید ہو تو کیونکر ہو اسکی کیا سبیل ہے۔ وہ ارشاد ہو تو بعد اسکے تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں۔

گذارش سوم

عنایت نامہ میں الہام کو جناب نے ادلہ شرعیہ سے خارج فرمایا ہے یہ مسئلہ بھی درمیان فحول علماء کے طویل الذیل ہے اور ہیچمدان اسکی بحث سے اعلام الناس حصہ دوم میں بطور استدلال علوم رسمیہ کے اپنے زعم میں فارغ ہو چکا ہے۔ پس یہ بھی ضرور ہے کہ جناب اُسپر قبولاً یا رداً نظر فرمالیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہیچمدان اعلام الناس میں یہ سب ابحاث درج کر کر فارغ ہو چکا ہے۔ بلکہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ ازالہ اوہام میں تمام ابحاث متعلقہ مسئلہ متنازعہ فیہا کو درج فرما چکے ہیں اور جملہ مراتب مندرجہ عنایت نامہ (کہ کبھی مدعی کو منصب مجیب کا دیدینا چاہیئے اور کبھی مجیب کو منصب مدعی کا) طے فرما چکے ہیں۔ پس جو جو امور کہ جناب کی رائے کے خلاف ہیں خواہ ازالہ اوہام میں ہوں یا اعلام الناس میں اولاً اظہاراً للصواب واحقاقاً للحق بطور مناظرہ حقہ کے ان میں بھی نظر فرمالیجئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جناب نے اثناء مباحثہ دہلی میں مکرر سہ کرر یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ ازالہ کا رد میں خوب بسط سے کرونگا۔ پس اول ان سب رسائل کا جواب ہو جانا بھی ضرور ہے اسکے بعد اگر احقر نے آپ کے جوابات کو تسلیم کر لیا۔ فہو المراد ورنہ ہیچمدان کی نظر اظہار اللصواب بشرائط مفیدہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس جانب سے تو اپنے زعم میں صحیح ہو یا خلاف پورا اتمام حجت کر دیا گیا ہے۔

گذارش چہارم

یہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی ید طولیٰ حاصل ہو لیکن جناب کے زعم

میں علوم رسمیہ میں اس ہیچمدان کو اُنپر ترجیح ہے۔ یہ ہیچمدان احق بالمباحثہ ہے۔ جن علماء و اولیا کے نفوس قدسیہ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو الہام میں یدطولیٰ حاصل ہو انکو علوم رسمیہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی فحول علما کا تسلیم کیا ہوا ہی اور اپنے محل پر ثابت ہی یہانتک کہ رسائل منطق اور اُنکے حواشی میں علماء متقشفہ نے بھی اس مسئلہ کو مسلم کرکر لکھ دیا ہی کہ فنون منطق وغیرہ علوم رسمیہ کی حاجت نفوس قدسیہ کو ہرگز نہیں ہوتی اور جملہ قواعد صحیحہ اور اصول حقہ ان علوم کے اُن کے اذہان میں ایسے مرکوز ہوتے ہیں کہ کوئی مسئلہ علمی متعلق ان فنون رسمیہ کے اُن سی خلاف صادر نہیں ہوتا۔ پس اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب کو علوم رسمیہ میں مزاولت کم ہے تو اُن کو باوجود حاصل ہونے یدطولیٰ کے الہام میں اسکی ضرورت ہی کیا ہی۔ اور اسی وجہ سی ایسے علماء صاحب نفوس قدسیہ ملہمین کا کوئی عالم علوم رسمیہ کا مقابل و ردیف نہیں ہوسکتا من المثل السائر فی الوریٰ۔ ومن المردیف وقد رکبت غضنفرا۔ مولوی شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امت رحمۃ اللہ علیہ علوم حدیثیہ اسماء الرجال و اصول فقہ و اصول حدیث کی نسبت حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں وھذا بمنزلۃ اللب والدر عنہ عامۃ العلماء وتصدی لہ المحققون من الفقہاء ھذا۔ وان ادق العلوم الحدیثیۃ باسرھا عندی واعمقہا محتدا وارفعہا منارا واولی العلوم الشرعیۃ عن اٰخرھا فیما اری واعلاھا منزلۃ واعظمہا مقدارا ھو علم اسرار الدین الباحث عن حِکم الاحکام ولِمیّاتھا واسرار خواص الاعمال ونکاتھا فھو واللہ احق العلوم بان یصرف فیہ من اطاقہ نفائس الاوقات ویتخذہ عدۃ لمعادہ بعد ما فرض علیہ من الطاعات الی ان قال ولا تتبیّن اسرارہ الا لمن تمکن فی العلوم الشرعیّۃ باسرھا واستبد فی الفنون الالٰھیۃ عن اٰخرھا ولا یصفوا مشربہ الا لمن شرح اللہ صدرہ لعلم لدنی وملاء قلبہ بسر وھبی وکان مع ذلک وقاد الطبیعۃ سیال القریحۃ حاذقا فی التقریر والتحریر بارعا فی التوجیہ والتحبیر الی اٰخرہ۔ اور اس احقر کو جو جناب نے حسن ظن فرماکر ایسا بڑھا دیا کہ مرزا صاحب سے احق بالمباحثہ قرار دیا یہ حسن ظن خلاف واقعہ ہی اور عکس القضیہ ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ البتہ حسن ظن تو وضع الشئ فی غیر محلہ ہے۔ اور اگر جناب والا کے نزدیک یہ حسن ظن فی محلہ ہی تو وہی مباحثہ

دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جاوے اُسپر بغور و امعان نظر کرونگا۔

گذارش پنجم

ایک مشورہ ضروری خدمت مبارک میں عرض کرتا ہوں کہ آیت لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] کو جنابنے حیات مسیح میں قطعی الدلالت بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے۔ علماء دہلی حضرت میاں صاحب مدظلہ وغیرہ و نیز مولوی محمد حسین بٹالوی اس آیت کو حیات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جنابنے بھی بروقت ملاقات اس ہیچمدان سے یہ امر بیان فرمایا تھا اور نیز بذریعہ تحریرات آمدہ از دہلی یہ امر احقر کو معلوم ہُوا تھا اور نیز مولوی محمد حسین نے اشاعۃ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ آیت مطلوب میں اشارہ کرتی ہے۔ اندریں صورت یہ سب علماء استدلال میں آپ سے مخالف ہیں۔ اگر اوّلاً مباحثہ جناب ان علماء سے ہو جاوے اور پہلے باہمی آپس میں اسکا تصفیہ کر لیا جاوے تو بہتر ہے کہ اسکا ثمرہ عظیم حاصل ہوگا۔ احقر بھی اس امر خاص میں ان علماء کا موافق ہے جبتک کہ وہ حق پر رہیں بعد تصفیہ باہمی کے جو امر حق ہوگا احقر تک بھی پہنچ جائیگا اور اگر یہ مشورہ پسند خاطر عاطر نہ ہو تو وہی مباحثہ دہلی روانہ فرمادیا جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ احقاقاً للحق اسپر بہت غور و امعان سے نظر کرلونگا۔

گذارش ششم

علاقہ محبت اور ہجران کی نسبت جو جنابنے فرمایا اسکی نسبت یہ گذارش ہے کہ فی الحقیقت احقر کو تو جناب کی خدمت میں اب تک ویسی ہی محبت ہے جیساکہ سابق میں تھی اس وجہ سے جو اشعار عربی جناب نے لکھے ہیں اُن کو بار بار پڑھتا ہوں اور دل نیاز منزل پر ایک حالت رقت کی طاری ہوتی ہے اور اُن کے ساتھ ان اشعار کو بھی ضم کرتا ہوں۔

ولقد ندمت على تفرق شملنا ❊ ندما افاض الدمع من اجفانی
ونذرت ان عاد الزمان يلمنا ❊ ماعدت اذكر فرقة بلسانی
واقول للحساد موتوا حسرة ❊ والله انی قد بلغت امانی
طفح السرور علیّ حتى انه ❊ من فرط ما قد سرنی ابكانی
ياعين مابال البكا لك عادة ❊ تبكين فی فرح و فی احزانی

اور عبارت جناب میں یہ جو منطوق بالمفہوم ہے کہ جب سے اس مسئلہ کو تم نے تسلیم کیا ہے۔ تب سے ہجران

[1] النساء : ۱۶۰

اختیار کیا گیا ہے یہ امر نفس الامر کے خلاف معلوم ہوتا ہے شائد واسطے خاطرداری اور مدارات عوام کے مصلحتاً یہ جتلانا منظور ہے کہ ہم ابتدا سے اس مسئلہ میں مخالف ہیں نہ متوقف۔ کیونکہ جس روز تک جناب والا دہلی ہی واپس تشریف لائے ہیں اُس روز تک تو ہجران کی ہاء ہوز بھی موجود نہ تھی حتیٰ کہ بنا بہ مدارات احقر کے کسی قدر علماء دہلی کی شکایت غیر مہذبی اور مرزا صاحب کی ثناء تہذیب احقر سے بیان فرمائی اور مباحثہ کے سُنانے کا بھی وعدہ غریب خانہ احقر پر تشریف لاکر فرمایا گیا اور دہلی سے ایک عنایت نامہ بنام احقر درجواب عریضہ ارسال ہوا جس میں کچھ تذکرہ مجمل مباحثہ کا تھا۔ اور اُس سے پہلے وقت تشریف بری دہلی کے جناب والا نے بمعیت چند اشخاص معزز ومہذب اس احقر کے پاس قدم رنجہ فرمایا اور ارادہ جانے کا دہلی کو بغرض مباحثہ ظاہر فرمایا گیا۔ گویا احقر سے رخصت ہوکر دہلی تشریف لے گئے۔ اور اس سے پہلے جب مولوی محمد حسین صاحب اور جناب سے کسی مسئلہ میں کچھ مباحثہ ہوا تھا اور احقر خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو جناب والا نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اُس کل مباحثہ کی زبانی نقل فرمائی اور یہ بھی ارشاد کیا کہ بعد اللتیا والتی مَیں نے تو مولوی محمد حسین صاحب کو دجّال کذاب کہہ دیا۔ یہ سب حال سُنکر احقر کو اس امر سے نہایت رنج ہوا اور بعض احباب سے اس رنج کو احقر نے ظاہر بھی کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے ساتھ جو علماء مشہورین میں سے ہیں ایسا معاملہ و مکالمہ مناسب نہیں تھا۔ یہ سب واقعات اس امر کے شواہد ہیں کہ جناب والا کو مرزا صاحب کے امر میں بسبب اسکے کہ اُنکے دعاوی حیز امکان میں ہیں توقف تھا اور حیز امتناع میں نہ سمجھے گئے تھے۔ چنانچہ روایت ثقات سے یہ امر بھی معلوم ہوتا تھا کہ جناب نے حصہ اوّل اعلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ اُس میں جو ادلہ مندرج ہیں وہ ادلہ امکان کے اچھے لکھے ہیں۔ خلاصہ سب معروضات کا یہ ہے کہ سابق اس سے دعاوی مرزا صاحب آپ کے نزدیک سلسلہ ممکنات شرعیہ میں داخل تھے نہ ممتنعات شرعیہ میں۔ اسی واسطے جناب کو توقف تھا اور یہ واقعات سب کے دیکھے ہوئے اور سُنے ہوئے ہیں۔ اب اس کے خلاف کے اظہار میں جناب کی کوئی مصلحت ہے تو احقر کو اس میں کچھ کلام نہیں۔ صرف اظہاراً للصواب ایک امر حق ظاہر کیا گیا اور یہ بطور مبتدا الحق کہا گیا ہے اب دیکھئے خبر اُس کی مُرّ واقع ہوتی ہے یا حلو۔

گذارش ہفتم

ظہر الفساد فی البرّ والبحر[1] کے اثر سے محفوظ رہنے کی نسبت جو ارشاد ہوا- وہ اگرچہ آپ کی ذات محبّت سمات سے متوقع ہے مگر آپ کے معتقدین اور منتظمین سے کیونکر متوقع ہو- جناب کو اگر اپنے دِل پر پُورا قابو ہے تو دُوسروں پر کیا قدرت و اختیار ہے قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن- بذرائع معتبر میں نے سُنا کہ ایک جلسہ میں جو حال میں منعقد ہُوا تھا- اُس میں میرے سچے دوست مجمع البر والخیر اسم بامسمّٰے مولوی خیر اللہ صاحب وغیرہ نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ مولوی محمّد احسن یا تو اس مسئلہ سے توبہ کریں یا مباحثہ کرلیں ورنہ سلام کلام جملہ حقوق اسلام اُن سے ترک کیے جاویں اور زمرہ اہلحدیث سے خارج- اسکا تدارک جناب والا کیطرف سے کیا واقع ہُوا اُنکے مشورہ کے بموجب ایک عنایت نامہ واسطے طلب مباحثہ کے تحریر فرمایا گیا جس سے بسبب ایسے شرور و فساد کے نیاز مند کوسوں بھاگتا ہے اور کل بروز جمعہ بھی جلسہ وعظ میں بھی یہی اعلان کیا گیا- پھر احقر کو اظہار صواب اور احقاق حق کی اُمید باوجود دخل دینے ایسے مجمع الخیروں کے کیونکر ہو اُسکی کیا سبیل ہے

گذارش ہشتم

طرز مناظرہ جو تبدیل فرمایا گیا ہے اور یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک میعاد کے بعد مدعی مجیب بنجاوے اور مجیب مدعی- یہ بھی رائے ناقص میں مستحسن نہیں معلوم ہوتا- اگرچہ جناب نے اُسکو بہت غور اور فکر سے ایجاد کیا ہو- کیونکہ ایسا انقلاب اور تبدیل بحث آداب مناظرہ سے رائے ناقص میں بالکل خلاف ہے غصب منصب جو علماء نظار کے نزدیک مذموم ہے ایسی صورت میں اُسکا ارتکاب کرنا پڑجاویگا- علاوہ بریں یہ عرض ہے کہ مباحثہ تو حیات و ممات ہی میں ہے اور جناب والا مدعی حیات کے ہیں پس جبکہ جناب مدعی حیات کے نہ رہیں گے اور اس دعوے سے دستبردار ہوجاوینگے تو بحث ختم ہوچکی- آپ خود بخود قائل ممات کے ہوگئے- کیونکہ حیات و ممات میں کوئی واسطہ تو ہے ہی نہیں جو بحث باقی رہے- اجتماع الضدین تو محالات میں سے ہے حیات بھی نہ ہو اور ممات بھی نہ ہو اسکے کیا معنے- ہاں اہل دوزخ کے واسطے ایسا کچھ ارشاد ہوا ہے کہ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی[2]- حیات و ممات میں ایسا تضاد ہے جیساکہ وجود و عدم میں- پھر یہ بات فہم ناقص میں نہیں آئی کہ جناب والا ایک میعاد کے بعد دعوٰی حیات سے بھی دست بردار ہوجاویں اور پھر بھی ممات کے قائل نہ ہوں اور بحث جاری رہے اسمیں جناب والا کو کیا اظہار حق و صواب مرکوز خاطر عاطر ہے

[1] الروم: ۴۱ [2] الاعلیٰ: ۱۳

اندریں صورت فریقین کے پرچہ مساوی نہ رہیں گے تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى[1] جناب والانے یہ مسئلہ علمیہ عنایت نامہ میں ایسا مندرج فرمایا ہے کہ ہیچمدان کی سمجھ میں نہیں آتا اور اغلب کہ دیگر ہمہ دانوں کی سمجھ میں بھی نہ آوے گا۔ پس طرز جدید برائے ناقص میں مستحسن نہیں ہے۔ وہی طرز اور وہی مباحثہ محررہ جناب جس سے دہلی میں فتح ہوئی ہے کافی ہے کیونکہ مجرب بھی ہوچکا ہے! اندریں صورت وہی مباحثہ دہلی ہیچمدان کے پاس روانہ فرمادیجئے حق ہوگا تو قبول کرلونگا ورنہ نظر کر کر کچھ عرض کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

گذارش نہم

جناب والا جب دہلی سے واپس تشریف لائے تو بروقت ملاقات کے احقر سے فرمایا تھا کہ جب حضرت میاں صاحب مدظلہ، نے بہت سا کچھ اصرار کیا کہ اگر مباحثہ کرتے ہو تو اُسمیں مولوی محمد حسین صاحب وغیرہ سے ضرور بالضرور مشورہ کرلو کیونکہ تلاحق افکار سے علم میں ترقی ہو جاتی ہے تب آپنے میاں صاحب سے کہا کہ مجھ کو اپنی ادلّہ پر ایسا وثوق ہے کہ حاجت اعانت اور مشورہ کی ہرگز نہیں ہے مطلب یہی تھا گو الفاظ اور ہوں۔ یہ سب قصہ جب سے احقر نے آپ کی خاص زبان فیض ترجمان سے سُنا ہے اگرچہ بذریعہ آمد خطوط بھی معلوم ہُوا تھا تب سے احقر نہایت مضطرب اور بیقرار ہے کہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً کیونکر غیب الغیب سے عالم شہود میں پیدا وظاہر ہوگئیں کہ نہ حضرت شیخ الکل مدظلہ، کے خیال میں آئیں اور نہ مولوی محمد حسین وغیرہ کی قوت متخیلہ میں گذریں۔ اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ روایت عدل وثقات سے سُنا گیا کہ چند روز قبل تشریف بری دہلی کے آپنے بھی برملا فرمایا تھا کہ حیات مسیح پر کوئی دلیل قطعی نہیں معلوم ہوتی۔ شرق سے غرب تک بھی اگر کوئی تفحص کرے تو بھی ایسی دلیل نہ ملے گی۔ پس جبکہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً غیب الغیب سے عالم شہود میں آگئی ہیں اور مباحثہ دہلی میں پیش ہوکر صورت فتح وغلبہ بھی پیدا ہوگئی ہے تو وہ ادلّہ قطعیہ محررہ پیش شدہ بعینہا ہیچمدان کے پاس روانہ فرمادیجاویں۔ بھلا جب وہ ادلّہ قطعی الدلالت ہونگی تو احقر اُنکو کیونکر قبول نہ کریگا۔ اور جو مقدمہ اسکا لکھا جارہا ہے اگر آپ چاہیں تو اُسکو نہ دکھلائیے کیونکہ وہ مقدمہ غایت الامر یہ ہے کہ بطور مبادی کے ہوگا نہ بطور مقاصد اور اصول مطالب کے کیونکہ ایسے اصول ومقدمات مقاصد سب قبل ہی سے ممہد ہوچکے ہونگے اصول مقاصد میں اُسکو دخل ہی کیا ہے۔

گذارش دہم

جناب کو معلوم ہے کہ یہ احقر دس بجے سے شام تک کچہری میں کام سرکاری کرتا ہے صبح سے

[1] النجم : ۲۳

دس بجے تک کچھ سبق گھر پر پڑھاتا ہے۔ کچھ تلاوت قرآن مجید کی بطور نذر کے اپنے اوپر لازم اور واجب کرلی ہے۔ بقیہ وقت حوائج خورد ونوش اور حقوق وغیرہ میں صرف ہوجاتا ہے اور دس بج جاتے ہیں۔ اور اوقات جناب کے بالکل فارغ۔ احقر کا یہ حال کہ کبھی تعطیل ہوگئی تو ایک گھنٹہ کی مجھکو فرصت مل گئی جسمیں کچھ لکھ لکھا لیا یا کسی کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرلیا۔ چنانچہ یہ ملتمسہ جمعہ کے روز لکھنے بیٹھا تھا اسمیں بعض احباب آگئے ملتوی رکھا گیا لیکن اتفاقاً آج بتاریخ یازدہم ربیع الثانی بروز ہفتہ بھی تعطیل تھی لہذا اُسکو پورا کرلیا۔ ورنہ اگر تعطیل نہ ہوتی تو آج پورا ابھی نہ ہوتا۔ یہ احوال اوقات احقر کا جناب کو معلوم ہو۔ لیکن بمزید احتیاط اسواسطے التماس کیا گیا کہ اگر مباحثہ دہلی احقر کے پاس واسطے مطالعہ کے روانہ کیا جاوے تو اُسپر نظر اوقاتِ فرصت میں کرونگا۔ جناب والا کی طرف سے تعجیل نہ فرمائی جاوے کیونکہ تعجیل کی کچھ ضرورت بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی۔ سب کام تامل اور تانّی سے اچھا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ جناب والا نے جو طرز مباحثہ دہلی تجویز کیا ہے۔ احقر کو بہت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ دعوئ حیات سے جسوقت دست برداری ہوگئی اُسوقت ممات ثابت ہوجاویگی اس میں تضیع اوقات بہت کم ہوگی۔ کیونکہ پھر بحث کی کچھ حاجت ہی نہ رہے گی۔ اس تجویز کے استحسان میں احقر بالکل آپکا موافق ہے البتہ اتنا امر اسپر مزید عرض کرتا ہوں کہ وہی مباحثہ دہلی بعینہا مرحمت ہو۔ اُسی پر نظر کرلونگا۔ تبدیل طرز مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر مقبول ہے۔ مورخہ دہم ربیع الثانی روز جمعہ وقت شام مطابق سیزدہم نومبر ۱۸۹۱ء۔

طرز استدلال مباحثہ دہلی پر نظر

حامداً ومصلیاً ومسلماً اس نیاز نامہ کا جواب مولویصاحب نے جو بھیجا تو اسمیں گذارشہائے دہ گانہ مندرجہ اخلاصنامہ کو تصدیق فرمایا۔ لیکن اسکے ساتھ یہ بھی تحریر کیا کہ کلمۃ حق ارید بھا الباطل۔ اور کچھ عذرات باردہ ایسے تحریر فرمائے کہ احقر انکو بالفعل شائع نہیں کرتا۔ کیونکہ عوام کو اُن سے تلوّن طبع کا اور ثبوت ملجاویگا اور طرز استدلال مباحثہ دہلی کا کچھ تبدیل فرماکر صرف آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے استدلال کیا۔ اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ ادلّہ حیات مسیح میرے پاس اور بھی بہت ہیں وہ پھر لکھی جاوینگی اور مطاوی تحریر میں بعض ایسے الفاظ تحریر فرمائے جو مولویصاحب کے

شان سے بعید تھے۔ اور طرز استدلال کی نسبت فرمایا کہ یہ وہی طرز ہے جو مباحثہ دہلی کا تھا احقر نے اس عنایت نامہ حال کو تین نوٹ بدیں خلاصہ مضمون دیکر بجنسہا واپس کر دیا۔

خلاصہ مضمون نوٹ اوّل

الفاظ خلاف تہذیب کے خطوط احقر اور جناب کی تحریر میں آنا مناسب نہیں ورنہ مباحثہ نہ ہوگا۔

خلاصہ مضمون نوٹ دوم

اس تحریر کا مقابلہ اصل مباحثہ سے کرا دیا جاوے۔

خلاصہ مضمون نوٹ سوم

کل ادلّہ حیات مسیح اس تحریر میں جمع کر دیجاویں۔ بار بار ایک دعوے پر وقتاً فوقتاً متفرق ادلّہ کا پیش کرنا کچھ ضرور نہیں ہے۔ ہاں فریقین کو اختیار ہے کہ جبتک چاہیں نقض و جرح ادلّہ میں یا تائید اُن کی میں وقتاً فوقتاً تحریر کریں۔ اسکا جواب آج کی تاریخ تک مولویصاحب کی طرف سے صادر نہیں ہوا لہذا بعد انتظار بسیار احقر اب اُس وعدہ کا ایفا کرتا ہے جو آغاز اخلاصنامہ میں نسبت تعبیر (زانیکہ می بینم بہ بیدار یست یارب یا بخواب) کے کیا گیا تھا۔

تعبیر

تعبیر اسکی یہ ہے کہ مولویصاحب کو مباحثہ دہلی میں فتح اور کامیابی حاصل نہیں ہوئی جیساکہ مشہور کر رکھا ہے۔ بلکہ ناکامی ہوئی ہے جس کو احقر بعونہ تعالیٰ ناظرین کو ثابت کر دکھاویگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ناظرین کو مباحثہ کے معائینہ سے واضح ہوا ہوگا کہ جن علوم رسمیہ کی اعانت سے علماء ظاہر ایسے مسائل میں بحث و نظر کرتے ہیں اُن علوم میں سے سوائے نحو کے اور وہ بھی ادھورے طور پر مولویصاحب نے کسی ایک علم سے بھی مدد نہیں لی مثلاً دار مدار علماء نظار کا ایک علم اصول فقہ ہے مولویصاحب نے اُسکی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی ورنہ تین چار سطروں میں مباحثہ ختم تھا ہیچمدان بطور نمونہ کے بعض علوم رسمیہ کی اعانت سے مجملاً کچھ عرض کرتا ہے اگر مولویصاحب بھی ان علوم رسمیہ کی اعانت سے مباحثہ فرماوینگے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہیچمدان بھی تفصیل سے عرض کریگا +

علوم اصول فقہ

مولویصاحب نے اس علم کیطرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ اگرچہ احقر کا منصب مدعی کا نہیں ہے لیکن اس غرض سے کہ مولویصاحب اس علم کیطرف توجہ فرماویں کچھ عرض کرتا ہے کہ وفات عیسیٰ بن مریم آیت اِنّی متوفّیک سے بروایت صحیح بخاری

عن ابن عباس اعنی ممیتک کے بطور عبارت النص کی ثابت ہی اور مولویصاحب اگر تمام توغل اپنا جو علم اصول میں اُنکو ہی صرف فرماوینگے تو اُسکا نتیجہ شاید اسقدر حاصل ہو کہ حیات عیسٰی بن مریم آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] سے بطور اشارۃ النص کے ثابت کیجاوے لیکن یہ مسئلہ تمام کتب میں مندرج ہی کہ ترجح العبارۃ علی الاشارۃ وقت التعارض پس وفات ثابت رہی۔ اور حیات ساقط الاعتبار ٹھہری اور مباحثہ ختم ہوُا۔

طرز دوم از رُوئے علم اصول فقہ

دوسرے طور پر آیت انی متوفیک حسب روایت صحیح بخاری کے وفات عیسٰی ابن مریم میں محکم ہے۔ کیونکہ تعریف محکم کی کتب اصول فقہ اور نیز حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم ومغفور نے حصول المامول وغیرہ میں یہ لکھی ہی المحکم ماله دلالة واضحة اور بفرض تسلیم لفظ قبل موته حیات مسیح پر اگر دلالت بھی کرے تو یہ دلالت واضح نہیں ہی۔ کیونکہ اُس میں ضمائر وغیرہ ذوالوجوہ ہیں اور روایتاً و درایتاً مفسرین کا ان میں بہت سا کچھ اختلاف ہی اور اسی کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس یہ لفظ متشابہ ہوُا اسی حصول المامول میں لکھا ہی والمتشابه ماله دلالة غیر واضحة۔ اب ظاہر ہے کہ ہوتے محکم کے متشابہ کی طرف کیونکر رجوع ہوسکتا ہی۔ لقوله سبحانه تعالیٰ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ[2]۔ اسی طرح پر اگر دیگر قواعد علم اصول کیطرف رجوع کیا جاوے تو مباحثہ چار پانچ سطروں میں ختم ہوسکتا ہے مگر آپ احقر کو اس تقریر سے مدعی نہ قرار دے لیویں یہ تقریر تو بطور نقض یا معارضہ کے عرض کیگئی ہی اور یہی سائل کا منصب ہے۔

طرز استدلال از رُوئے اصول حدیث

مولویصاحب نے اس علم کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی ورنہ چار پانچ سطروں میں فیصلہ ہوجاتا۔ تقریر اسکی بطور نمونہ مجملاً یہ ہی کہ صحیحین کی حدیثوں سے جو ازالۃ الاوہام میں لکھی ہیں وفات عیسٰے بن مریم ثابت ہوتی ہے اور اگر بعض روایات مرسل یا ضعیف وغیرہ سے حیات مسیح بن مریم ثابت کیجاوے تو اسکو علم اصول حدیث کب تسلیم کرے گا۔ وہ تو بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہی کہ احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم ہیں۔ پس وقت تعارض کے احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم رہیں گی۔ وھو المطلوب۔

[1] النساء: 160 [2] آل عمران: 8 224

استدلال از روئے علم منطق

مولویصاحب نے اِس مباحثہ میں علم منطق سے بھی کام نہیں لیا ورنہ شکل اول بدیہی الانتاج سے ایک دو سطر میں فیصلہ ہو جاتا۔ مگر یاد رہے کہ مَیں مدعی نہیں ہوں بلکہ ناقض اور معارض ہوں۔ بطور نمونہ کے تقریر اس کی یہ ہے۔ عیسیٰ بن مریم کان نبیاً من الناس و مات الناس حتی الانبیاء یعنی کلھم ماتوا فعیسیٰ بن مریم ایضاً مات مقدمہ صغریٰ تو مسلم ہی ہے اور مقدمہ کبریٰ ایسا مشہور ہے کہ اطفال مکتب لفظ حتّٰی کی مثال میں پڑھا کرتے ہیں۔ پس وہ بھی مسلم ہے۔ اور اگر مسلم نہ ہو تو آیت قرآن مجید موجود ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[1] وغیر ذٰلک من الآیات۔ تنبیہ جامع مسجدوں میں اثناء خطب منظومہ اُردو میں ائمہ مساجد پڑھا کرتے ہیں ؎

آدمؑ کہاں حواؑ کہاں مریمؑ کہاں عیسیٰؑ کہاں　　ہارونؑ اور موسیٰؑ کہاں اِس بات کا ہی سب کو غم

ایضاً

حضرت آدمؑ نبی نیچے زمین کے چل بسے　　نوحؑ کشتیبانِ عالم بھی یہاں سے چل بسے
یوسفؑ و یعقوبؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و خلیلؑ　　اور سلیمانؑ آسمانی مُہر والے چل بسے
ہودؑ اور ادریسؑ و یونسؑ شیثؑ و ایوبؑ و شعیبؑ　　دعوتِ اسلام کر کے ٹھہرے چندے چل بسے
حضرتِ عیسیٰؑ نبی داؤدؑ و موسیٰؑ خاک میں　　لیکے توریت و زبور انجیل حق سے چل بسے
واسطے جنکے زمین و آسمان پیدا ہوا　　جنّت الفردوس میں وہ حق کے پیارے چل بسے

الیٰ آخر ما قال ؛

استدلال از روئے علم بلاغت

اس علم کیطرف بھی مولویصاحب نے رُخ تک نہیں کیا ورنہ بہت آسانی سے فیصلہ ہو سکتا تھا۔ مطول اور اس کے حواشی میں لکھا ہے وتقدیم المسند الیه للدلالة علی انّ المطلوب انما ھو اتصاف المسند الیه بالمسند علی الاستمرار لا مجرد الاخبار بصدوره عنه کقولك الزاھد یشرب و یعزب دلالة علی انه یصدر الفعل عنه حالة فحالة علی سبیل الاستمرار قال السید السند علی قول العلامة۔ انّما یدل علیه الفعل

[1] آل عمران : ۱۴۵

المضارع ۔قد يقصد بالمضارع الاستمرار علے سبيل التجدد والتقضى بحسب المقامات ووجه المناسبة ان الزمان المستقبل مستمر يتجدد شيئاً فشيئاً فناسب ان يراد بالفعل الدال عليه معنى يتجدد على نحوه بخلاف الماضى لانقطاعه والحال لسرعة زواله الى آخر العبارة ۔ حاصل مطلب اس کا یہ ہے کہ تقدیم مسند الیہ کی کبھی دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مسند الیہ مسند کے ساتھ بطور استمرار کے متصف ہے اور وہاں پر صرف یہی مطلوب نہیں ہوتا کہ مسند کے صادر ہونے کی مسند الیہ سے خبر دیجاوے جیساکہ زاہد شراب پیتا ہے اور طرب و خوشی کرتا ہے السید السند فرماتے ہیں کہ مضارع سے استمرار کا قصد علے سبیل التجدد اور تقضی کے بحسب مقامات کے قصد کیا جاتا ہے اور صیغہ مضارع کا جو واسطے دلالت کرنے کے اوپر استمرار کے خاص کیا گیا اور ماضی وحال کو استمرار کیواسطے مقرر نہ کیا اُس کی یہ وجہ ہے کہ زمانہ مستقبل ایک ایسی شے مستمر ہے جو چیز سے چیز سے متجدد ہوتی رہتی ہے۔ پس جو فعل کہ اُس زمانہ متجدد پر دلالت کرے اسی کو دوام تجددی کے واسطے مقرر رکھا گیا اور یہی مناسب تھا۔ بخلاف ماضی کے کہ وہ منقطع ہو چکا اور حال سریع الزوال ہو۔ السید السند دوسری جگہ حواشی مطول میں لکھتے ہیں وقد يقصد فى المضارع الدوام التجددى وقد سبق تحقيقه ۔ دوسری جگہ مطول میں لکھا ہے۔ کما فى قوله تعالىٰ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ[1] بعد قوله تعالىٰ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ[2] حيث لم يقل الله مُسْتَهْزِئٌ بِهِمْ بلفظ اسم الفاعل قصداً الى حدوث الاستهزاء وتجدده وقتاً بعد وقت الى قوله وهٰكذا كانت نكايات الله فى المنافقين وبلايا النازلة بهم يتجدد وقتاً فوقتاً وتحدث حالاً فحالاً انتهى وايضاً قال كما ان المضارع المثبت يفيد استمرار الثبوت يجوز ان يفيد المنفى استمرار النفى وغير ذٰلك من العبارات الصريحة۔ پھر اس صیغہ مستقبل کے دوام تجددی کے واسطے مستعمل ہونے میں کسی کا خلاف بھی نہیں معلوم ہوتا ایک مسئلہ اتفاقیہ ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے حسب مقتضائے مقامات قرآن مجید میں مستقبل سے معنے دوام تجددی کی مراد لی تو کونسا محذور لازم آیا بینوا توجروا ! مباحثہ ایک صفحہ میں ختم ہو گیا +

[1] البقرة : ۱۶ [2] البقرة : ۱۵

علم اسماء الرجال

اس علم کیطرف مولویصاحب نے صرف اسقدر توجہ فرمائی ہے کہ رجال اسناد قرأت قبل مونہم کی توثیق وتعدیل حضرت مرزا صاحب سے دریافت فرمانے لگے مگر جو روات کہ مولویصاحب کی روایات مندرجہ مباحثہ میں قابل تنقید واقع ہوئی ہیں اُن کا کچھ بھی احوال تحریر نہ فرمایا۔ پھر حضرت مرزا صاحب سے رواۃ اسناد اُس قرأت کی توثیق جو تفاسیر معتبرہ میں بحوالہ مصحف ابی بن کعب لکھی ہے بعد تسلیم کر لینے اُس قراءت کے مصحف ابی میں توثیق رجال کیوں دریافت فرمائی گئی۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ[1]۔ علم اسماء الرجال میں کمال تو یہ ہوتا کہ جو راوی کی زبان سے نکلتا اُس کی دفیات وسنین ولادت اور اعمار اور سوانح عمری اور کُنٰی اور القاب اور جملہ اسباب قادحہ خفیہ غیر خفیہ زبانی بیان فرمادئے جاتے ورنہ اب تو اکثر کتب حدیث کے حواشی پر اسماء الرجال چڑھا ہوا ہی۔ ادنٰے طالب علم نقل کرسکتا ہے مولویصاحب کی اسمیں خصوصیت کیا ہے۔ پس کوئی کمال علم اسماء الرجال میں مولویصاحب نے یہاں پر ظاہر نہیں فرمایا شائد کسی اور وقت کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

علم قرأت

اس علم کی طرف مولوی صاحب نے بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ ورنہ چند سطور میں فیصلہ ہو جاتا۔ بطور نمونہ کے تقریر اُسکی مجملاً یہ ہے کہ اگر تسلیم کیا جاوے کہ قرأت مندرجہ مصحف ابی بن کعب بالکل قرأت شاذہ ہے تو قرأت مشہورہ کے لئے اس کے مبین ومفسر ہونے میں کیا کلام ہے۔ یہ مسئلہ بھی قرّاء وغیرہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اتقان وغیرہ میں لکھا ہے۔ وقال ابو عبیدۃ فی فضائل القراٰن المقصد من القراءۃ الشاذۃ تفسیر القراءۃ المشھورۃ وتبئیین معانیھا الی قولہ فھذہ الحروف وما شاکلھا قد صارت مفسرۃ للقراٰن وقد کان یروی مثل ھذا عن التابعین فی التفسیر فیستحسن فکیف اذا روی عن کبار الصحابۃ ثم صار فی نفس القراءۃ فھو اکثر من التفسیر واقوی فادنی ما یستنبط من ھٰذہ الحروف معرفۃ صحۃ التاویل انتھٰی۔ چونکہ متعلق علم قرأت کے مولویصاحب نے کچھ بھی تحریر نہیں فرمایا لہذا زیادہ طول نہیں کیا گیا۔

[1] النجم : ۲۳

جب مولویصاحب کچھ تحریر فرماوینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ خاص اس قرأت کی نسبت بہ تفصیل اور بھی لکھا جاویگا۔ واضح ہو کہ ابی بن کعب وہ صحابی جلیل القدر ہیں جنکی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں واقرأکم ابی وایضاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بن کعب ان اللہ امرنی ان اقراء علیك القرآن قال اللہ سمانی لك قال نعم قال و ذکرت عند رب العلمین قال نعم فذرفت عیناہ متفق علیہ اور ان حضرت ابیؓ کا ایک مصحف بھی ہی جس کی ترتیب سور اتقان وغیرہ میں لکھی ہی۔

علم تفسیر

مولویصاحب نے اس علم کیطرف صرف اسقدر توجہ فرمائی ہے کہ بعض تابعین کے اقوال دو بارہ ترجیح اپنی معنی مختار کے تفسیر ابن کثیر سے نقل کئے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ کا فہم اور کچھ حضرت ابن عباس سے ایک آدھ قول نقل فرمایا ہے۔ اور پرچہ ثانی میں مولویصاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ اس میرے معنی کیطرف ایک جماعت سلف میں سی گئی ہی یعنے اس آیت کی تفسیر مختلف فیہ اور ذوالوجوہ ہی اجماعی طور پر ایک معنے نہیں ہیں اور یہ بھی اقرار ہی کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔ باوجود اسکے مولویصاحب نے فن تفسیر کیطرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ فن تفسیر کے رُو سے کسی ایسی آیت کے معنے میں جسمیں تعلق کسی پیشین گوئی کا ہو واقع ہونے پیشین گوئی تک قطعی کچھ فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک اجتہادی امر ہے کیونکہ حقیقت پیشین گوئی کی لا علم لنا میں داخل ہے بخلاف دیگر مطالب ضروریہ تفسیریہ کے کہ وہ علمتنا میں داخل ہوسکتے ہیں اور قطعی فیصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ مولویصاحب باوجودیکہ اس آیت کو متعلق پیشین گوئی قرار دیتے ہیں پھر بھی لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] کا کچھ خوف نہ کیا اور آیت کی تفسیر میں اقوال رجال غیر معصومین سے یہ بات قطعی طور پر یقین کرلی کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ بعد نزول عیسیٰؑ بن مریم کے اور قبل موت اُسکی کے جسمیں سب اہل کتاب حضرت عیسےٰؑ پر ایمان لے آوینگے جبکہ آیت ذوالوجوہ اور متشابہ ہے اور مولویصاحب کے نزدیک اُسکا تعلق بھی پیشین گوئی سی ہے تو معہذا قطعی اور یقینی طور پر مولویصاحب کونسے علم سے فیصلہ کرسکتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے بھی شکی طور پر اپنے فہم کو ترجیح دی تھی ولیس۔ کیا مولویصاحب کو علم غیب ہے؟ یا اس آیت کی تفسیر میں کسی حدیث صحیح مرفوع

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

متصل سی ثابت ہوکہ معنے آیت کے یہی ہیں جو مولوی صاحب نے کئے ہیں۔ پیشین گوئی کا تو ذکر ہی کیا ہی۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تو دیگر مطالب تفسیریہ کی نسبت یہی تحریر فرماتے ہیں۔ پیش این فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ و تابعین بسیار بود کہ نزلت الآیۃ فی کذا وکذا مے گفتند و غرض ایشاں تصویر ماصدق آں آیت بود و ذکر بعض حوادث آیت آں را بالعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں قصہ متقدم باشد یا متاخر اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی تمام قیود آیت را گرفتہ باشد یا بعض آں را واللہ اعلم۔ ازیں تحقیق دانستہ شدہ کہ اجتہاد را دریں قسم دخلے نیست و قصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست پس ہر کہ ایں نکتہ مستحضر دارد حل مختلفات سبب نزول باد نے عنایت مے توان نمود انتہیٰ + ہاں مولویصاحب کو صرف اتنا اختیار تھا کہ اپنے ان معنے مختار کو ترجیح دیتے نہ یہ کہ انکو قطعیۃ الدلالت فرماتے اور نہ ایسا کلمہ کہتے کہ مصداق ہو۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ[1] کا اس معنے کے ماعدا جتنے معنے تمام دنیا بھر کی تفسیروں میں لکھے ہیں سب غلط اور باطل ہیں۔ اے مولویصاحب اتق اللہ ؎ نام نیک رفتگان ضائع مکن۔ تا بماند نام نیکت یادگار + یہ قضیہ بھی تو مسلمہ مفسرین ہے کہ فمتی اختلف التابعون لم یکن بعض اقوالھم حجۃ علیٰ بعض۔ پھر مولویصاحب کا تمام دنیا بھر کے مفسرین کو باطل اور غلطی پر قرار دینا اور اپنے معنے کو حجت قطعی گردانا کیا یہی تقویٰ اور دیانت اور اظہار حق وصواب ہے؟ بینوا توجروا +

علم زبان فارسی

مولویصاحب نے جو ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کیطرف توجہ فرمائی تو بہ سبب غلبہ خیال نون ثقیلہ کے جو جو صیغے کہ فارسی میں واسطے مضارع کے آتے ہیں انکو خالص استقبال کے واسطے اپنی طرف سے خلاف قواعد فرض قرار دے لیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ترجمہ یہ ہیں۔ پس البتہ متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ والبتہ بسوزانیم آں را۔ پس پراگندہ سازیم آنرا۔ والبتہ دلالت کنیم ایشاں را براہہائے خود۔ والبتہ غالب شوم من و غالب شوند پیغمبران من۔ والبتہ زندہ کنیمش بزندگانی پاک۔ و درآریم ایشاں را در زمرہ شائستگان۔ ایہا الناظرین اطفال دبستان بھی اس قاعدہ کو خوب جانتے ہیں کہ علامت خالص استقبال کی خواہد۔ خواہند۔ خواہی۔ خواہید۔ خواہم ہے اور علامت خالص حال کی لفظ مے کا مضارع پر داخل ہونا ہے۔ اور یہ الفاظ مندرجہ

[1] الکہف : ۶

ترجمہ سب کے سب صیغے مضارع کے ہیں نہ خالص استقبال کے۔ اسپر علاوہ یہ ہوا ہی کہ اُردو میں لفظ ابھی کا جو خالص حال کے واسطے آتا ہے۔ مولویصاحب نے اُسکو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب میں یعنے ابھی جلاوینگے ہم اسکو۔ خالص استقبال کیواسطے مقرر فرمایا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ مولویصاحب کا اس جگہ پر حضرت مرزا صاحب کی نسبت یہ فرمانا کہ ھٰذا بعید من شان المحصّلین۔ کیسا اپنے موقع اور محل پر واقع ہوا ہے۔ سُبحان اللّٰہ۔

علم مناظرہ

مولویصاحب نے علم مناظرہ کی طرف صرف اسقدر توجہ فرمائی کہ حضرت مرزا صاحب نے جو تعریف مدعی کی لکھی۔ اور اسکی فلاسفی بیان فرمائی اُسپر جھٹ اعتراض کر دیا کہ یہ تعریف لفظ مدعی کی مخالف ہی اُسکے جسکو علما مناظرہ نے لکھا ہے اور رشیدیہ سے یہ عبارت نقل فرمادی کہ:۔

المدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الخبری الذی تکلم بہ من حیث انہ اثبات بالدلیل او التنبیہ۔ مگر یہ نہ سوچا کہ حضرت مرزا صاحب نے جو سِرّ اور گُر مدعی ہونیکا بہ تفصیل وبسط کلام بتلایا ہے اور اسپر ایک دلیل عقلی قطعی بھی قائم کردی ہے۔ وہی سِرّ من حیث انہ اثبات بالدلیل کی حیثیت سے بخوبی سمجھا جاتا ہی۔ چنانچہ رشیدیہ میں اسی تعریف کے آگے اس قید حیثیت کا فایدہ یہ لکھا ہی۔ فلا یرد ما قیل انہ یصدق ھذا التعریف علی الناقض بالنقض الاجمالی والمعارض وھما لیس بمدعیین فی عرفھم لانھما لم یتصدیا لاثبات الحکم من حیث انہ اثبات بل من حیث انہ نفی لاثبات حکم تصدی باثباتہ الخصم من حیث انہ معارضۃ لدلیلۃ۔ مگر مولویصاحب نے تو سوائے ایک نون ثقیلہ کے جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ بیان علم نحو میں آئیگا کسی طرف توجّہ ہی نہیں فرمائی۔ نہ تو اس قید حیثیت پر نظر فرمائی جو خود تحریر نہیں فرمائی تھی اور نہ اس عبارت رشیدیہ کی طرف غور فرمایا جو لکھی گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب نے تو جہاں جہاں اپنے رسائل میں بطور معارضہ کے وفات عیسےٰؑ بن مریم ثابت کی ہی یا نقض اجمالی یا نقض تفصیلی کیا ہی یا دلیل حیات میں کوئی فساد بیان فرمایا ہی اور یا دلیل مدعی حیات کو باطل کیا ہی تو اِس بیان نقض و معارضہ سے حضرت اقدس سلمہٗ مدعی نفس الامری کیونکر ہو سکتے ہیں۔

لانا لانسلم ان الناقض والمعارض متصد یان لاثبات الحکم من حیث انہ اثبات بل من حیث انہ نفی لاثبات حکم تصدی باثباتہ الخصم من حیث انہ معارضۃ او نقض لدلیل۔

ناتمامی تقریب از رُوئے علم مناظرہ

اور علم مناظرہ کے رُو سے تقریب مولویصاحب کی دلیل کی محض ناتمام ہے بیان اسکا چہار سطری یہ ہے۔ مدعا مولویصاحب کا منقح ہو کر یہ رہا ہے کہ بعد نزول عیسےٰ ابن مریم اور قبل موت اُن کی کے ایسا زمانہ آویگا کہ سب اہل کتاب مومن ہو جاوینگے یعنے اسلام میں داخل ہو جاوینگے۔ اور دلیل مولویصاحب کی مستلزم اس مدعا کو نہیں ہے۔ کیونکہ مولویصاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں مندرج ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہو سکتا ہے نہ ایمان شرعی۔ پس دلیل سے سب اہل کتاب کا ایمان شرعی کے ساتھ مومن ہونا اور اسلام میں داخل ہونا ثابت نہ ہوُا اور تقریب محض ناتمام رہی۔ ایہا الناظرین ذرہ انصاف کرو کہ اِس مشکل مسئلہ مناظرہ کو حضرت اقدس نے کس آسانی اور سہولت اور حُسن اسلوب سے بیان کیا ہے کہ ہر ایک قاصی و دانی اُس کو سمجھ سکتا ہے لیکن افسوس کہ حضرت مولویصاحب نے اُسپر ذرہ بھر خیال نہ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ؀

فقہ حدیث

اس مباحثہ میں فقہ حدیث مولویصاحب کا یہ ہے کہ ما اتاکم الرسول کا مصداق حضرت ابوہریرہ کا قول اور فہم مشکوک مندرجہ فاقرؤا ان شئتم وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُـؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ[1] کو ٹھہرا دیا ہے اور طرفہ اسپر یہ ہے کہ یہ بھی اقرار ہے کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔ مولانا صاحب جبکہ قول و فہم صحابی حجت نہیں ہے تو اقوال تابعین وغیرہ جو جناب نے اپنے معنے کی تائید میں نقل فرمائے ہیں وہ کیونکر حجت قطعی ہو گئے۔ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى[2]۔ اگر فقہ حدیث کی طرف مولوی صاحب توجہ فرماتے تو فیصلہ اس مباحثہ کا بہت آسان تھا۔ بیان اُسکا بطور نمونہ کے مجملاً یہ ہے کہ صاحب صحیح مسلم نے روایتاً و درایتاً اس امر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ واما مکم منکم جو صحیحین کی حدیث میں ایک جملہ واقع ہے اُس سے کوئی دُوسرا امام سوا ابن مریم کے مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ جملہ یا تو بطور صفت کے اُسی ابن مریم کا وصف واقع ہوا ہے

[1] النسآء : ١٦٠ [2] النجم : ٢٣

یاحال ہے فاعل نزل یا یَنۡزِلُ سے جسکا عامل وہی نزل یا ینزل ملفوف ہو اور اس مطلب کو امام مسلم نے چند روایات سے ثابت کیا ہے اوّل روایت ابن عیینہ سے چنانچہ لکھتے ہیں وفی روایۃ ابن عیینہ اماماً مقسطاً حکماً عدلاً۔ پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ بہ الفاظ نقل کئے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامکم۔ ناظرین غور فرماویں کہ اس روایت میں کس تنصیص اور تصریح سے موجود ہے کہ وہی ابن مریم تمہاری امامت کریگا نہ یہ کہ کوئی دوسرا اسکے وقت میں امام ہو۔ پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ دوسری اسناد سے لکھتے ہیں کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فامکم منکم اس روایت سے تمام شبہات وشکوک شاکین دفع کردئے گئے ہیں۔ پھر آگے چلکر فرماتے ہیں فقلت لابن ابی ذئب ان الاوزاعی حدثنا عن الزہری عن نافع عن ابی ہریرۃ وامامکم منکم قال ابن ابی ذئب اندری ما امکم منکم فقلت تخبرنی قال فامکم بکتاب ربکم تبارک وتعالیٰ وسنۃ نبیکم صلے اللہ علیہ وسلم۔ اب تو کوئی بھی شک باقی نہیں رہا جس کا دفع امام مسلم صاحب نے نہ فرمایا ہو کہ امامکم منکم حال یا صفت اسی مسیح بن مریم کی واقع ہے نہ کسی دوسرے شخص کی خواہ امام مہدی ہوں یا اور کوئی۔ اب کہاں ہیں وہ اہلحدیث جو دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ احادیث صحیحین سب حدیثوں سے مقدم ہیں اور معہذا یہ بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ امامکم منکم تو سواء ابن مریم کے کوئی دوسرا امام مہدی وغیرہ ہوگا۔ ایہا الناظرین یہ ہی مصداق مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ کا یا وہ جو مولانا صاحب نے فہم مشکوک بلفظ اِنّ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا لکھا؟

علم نحو

مولویصاحب نے اس مباحثہ میں علم نحو سے بڑی اعانت لی ہے اور دار ومدار کل اپنی استدلال کا اور مناط قطعیۃ الدلالت ہونے اپنی دلیل کا اسی مسئلہ نون ثقیلہ کو گردانا ہے مگر دانست ناقص میں یہ مسئلہ نحویہ نون ثقیلہ کا ایک نہایت مقدمہ خفیفہ ہے جس سے بجز خفت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بیان اسکا یہ ہے۔ اوّل تو مولویصاحب نے اس مسئلہ کو ایسی کتابوں سے نقل فرمایا ہے کہ اُن سے ہر ایک طالب علم نقل کرسکتا ہے۔ مولویصاحب کو اسمیں کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت جیسا کہ اُن کی شان عالی ہے۔ حاصل نہیں ہوئی۔ کاش اگر ائمہ کبار نحویین مثل زجاج۔ جوہری۔ سیرافی۔ ابو علی فارسی۔ خلیل ابن احمد۔ اخافش ثلثہ۔ اصمعی۔ کسائی۔ سیبویہ۔ مبرد۔

زمخشری وغیرہ سے کچھ اقوال اس بارہ میں نقل فرماتے تو یہ مباحثہ نحوی مولویصاحب کا کسیقدر مابہ الافتخار ہو جاتا۔ اگرچہ بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب جیسے موید من اللّٰہ کے ان ائمہ کبار کی نقل اقوال بھی کچھ وقعت نہیں رکھتی ملاحظہ فرماؤ کتب قراءۃ اگر وہ میسر نہ ہوں تو مطالعہ کرو کتب مولانا شاہ ولی اللّٰہ صاحب اگر وہ بھی بالفعل نہ ملیں تو دیکھو فوز الکبیر۔ حضرت شاہ ولی اللّٰہ صاحب اُس میں لکھتے ہیں۔ "در نحو قرآن خللے عجیب راہ یافتہ است و آں آنست کہ جماعتے مذہب سیبویہ را اختیار کردہ اند و ہرچہ موافق آں نیست آں را تاویل مے کنند۔ تاویل بعید باشد یا قریب و ایں نزد من صحیح نیست اتباع اقوے و اوفق بسیاق و سباق باید کرد۔ مذہب سیبویہ باشد یا مذہب فراء در مثل وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ [1] حضرت عثمان گفتہ اند۔ ستقیمھا العرب بالسنتھا و تحقیق ایں حکم نزدیک فقیر آنست کہ مخالف روزمرہ مشہورہ نیز روزمرہ است و عرب اول را در اثناء خطب محاورات بسیار واقع مے شود کہ خلاف قاعدہ مشہورہ بزبان گذشتے۔ اگر احیاناً بجائے واو یا آمدہ باشد یا بجائے تثنیہ مفرد یا بجائے مذکر مؤنث چہ عجب پس آنچہ محقق است آنست کہ ترجمہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ بمعنے مرفوع باید گفت واللّٰہ اعلم۔"

اگر مولویصاحب قواعد نحو مندرجہ شرح ملّا و حواشی اُسکے کے ایسے پابند ہیں کہ سر مو تجاوز نہیں ہو سکتا تو سوال ذیل کا جواب مرحمت فرماویں۔ انہیں کتابوں میں لکھا ہے کہ نون التاکید لا یوکد الا مطلوبا والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا

اس سے ثابت ہوا کہ لیؤمنن بہ قبل موتہ جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی واللّٰہ کو پہلے لیؤمنن کے مقدر مانا ہے اور جملہ قسمیہ انشائیہ ہی قرار دیا ہے اور جبکہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہو تو پیشین گوئی یعنے خبر مستقبل کیونکر ہو سکتا ہے کجا جملہ خبریہ اور کجا جملہ انشائیہ ؎ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا۔ اور پھر ایک فساد اسمیں اور بھی پیدا ہو گیا وہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب سے جو ایمان لانا حضرت عیسےٰ ؑ پر مطلوب الٰہی ہے وہ قبل اُن کی موت کے ہے کیونکہ تقئید بقید قبل موتہ محض بیکار تو ہے ہی نہیں۔ مطول وغیرہ کو دیکھو جملہ مقیدات میں بموجب قواعد علم بلاغت کے لحاظ قید کا ضروری ہوتا ہے ورنہ

[1] النساء : ۱۶۳

قید محض لغو اور بے فایدہ ہو جائے گی۔ قواعد جو علم بلاغت کی رعایت سے بعید ہے اگر کاش بجائے قبل موتہٖ کے من قبل موتہٖ بھی ہوتا تو کسیقدر منافی مدعا نہ ہوتا۔ یہاں پر تو طلب ایمان کا ظرف زمان قبل موتہٖ واقع ہوا ہے نہ من قبل موتہٖ۔ قال فی المطول ومختصرہ ماحاصلہ واما تقیید الفعل ومایشبہہ من اسم الفاعل والمفعول وغیرھما بمفعول مطلق اوبہ اوفیہ۔ اولہ۔ اومعہ۔ ونحوہ۔ من الحال والتمیز والاستثناء فلیترتب الفائدۃ لان الحکم کلما زاد خصوصا زاد غرابۃ وکلما زاد غرابۃ زاد افادۃ۔ کما یظہر بالنظر الی قولنا شیئ ما موجود وفلان بن فلان حفظ التوراۃ سنۃ کذا فی بلدۃ کذا۔ اس حیات سے تو حضرت عیسےٰ کی وفات مثل دیگر انبیاء کے ہی اچھی ہوتی۔ اگر حالت حیات ونیز ممات اُنکی میں سب اہلِ کتاب کو اُنپر ایمان لانا مطلوب الٰہی ہوتا اور اَب تو بعد اُنکی موت کے اُنپر ایمان لانا اس جگہ مطلوب الٰہی نہیں رہا۔ ان ھذا الشئ عجاب بل ھو عین الفساد۔

بحث ترکیب نحوی

الا لیؤمننّ بہ ترکیب نحوی میں کیا واقع ہوا ہے۔ اگر احدٌ مقدر کی صفت ہے اور احدٌ مبتدا مقدم الخبر ہے یعنے من الکتاب اُس کی خبر واقع ہوئی ہو تو یہ معنے بھی بہ بداہت فاسد ہیں۔ کیونکہ حاصل معنے یہ ہوئے کہ جو شخص ایسا ہو کہ ایمان لاوے عیسیٰؑ پر قبل اُنکی موت کے وُہ شخص اہلِ کتاب میں سے نہیں ہے حالانکہ یہ امر ثابت ہوچکا ہے کہ اس شخص مومن کا موافق جناب کی مسلک کے اہلِ کتاب میں سے ہونا کچھ ضرور نہیں۔ سواء اہل کتاب کے دیگر کفار بھی مسیح ابن مریم کے وقت میں اسلام میں داخل ہونگے اور اگر الا لیؤمننّ محل خبر میں ہو اور من اھل الکتاب صفت ہو احدٌ مقدر کی اور احدٌ معہ اپنی صفات کے مبتدا ہے تو بھی معنے فاسد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بھی تخصیص و تقئید اہل کتاب کی موہم اسکی ہے کہ سوائے اہل کتاب کے اَور ملّت والے حضرت عیسےٰؑ پر ایمان نہ لاویں اور اسلام میں داخل نہ ہوں وھٰذا خلاف دعواکم۔

مرجع ضمیر قبل موتہ

مرجع ضمیر قبل موتہ میں از روئے نحو کے یہ بحث ہے کہ آیت مذکورہ مدعائے مولویصاحب حسب فہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بطور شک کے بھی تب دلالت کریگی کہ ضمیر قبل موتہ کا مرجع صرف حضرت علیہؑ کا ہونا از روئے قواعد نحو کے واجب و لازم ہو اور کتابی ما احدٌ کا مرجع ہونا از روئے نحو کے بطور قطعی کے محض باطل اور ممتنع ثابت کیا جاوے حالانکہ وہ جواب اور یہ امتناع از روئے قواعد نحو کے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ عام مفسرین نحویین نے راجح اور اولیٰ قول بموجب قواعد نحو کے یہی اختیار کیا ہی کہ ضمیر قبل موتہ کی راجح ہی طرف کتابی کے جو لفظ اہل کتاب سی سمجھا گیا یا احدٌ مقدر ہے جسکا مقدر ماننا بسبب استثناء کے ضروریات سے ہی۔ اور اگر جناب و الا یہ وجوب اور امتناع ثابت کرینگے تو تمام مفسرین کا اجماع ایک امر ممتنع نحوی پر لازم آتا ہی۔ واللازم باطل فالملزوم مثلہ فھذہ الدعوی تقول علی اللہ وفاسد بالقطع ولا یقول بہ الا من رضي بتاسیس بنائہ علیٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ۔

بحث سیاق وسباق آیہ از روئے نحو

نحو میں سیاق اور سباق کلام کی رعایت بھی بہت کیا کرتے ہیں لہذا اگر آیت مذکورہ سی یہ پیشین گوئی جو مدعا مولویصاحب ہے مراد الٰہی ہو تو سباق کے بالکل خلاف ہی۔ کیونکہ اوپر ہی عنقریب اس آیہ کے یہ پیشین گوئی موجود ہی فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا[1] اور اسکے جملہ خبریہ ہونے میں کوئی کلام اور بحث نحوی بھی نہیں ہے بخلاف آیت پیش کردہ مولویصاحب کے کہ بموجب ہوامش شرح جامی وغیرہ کے اسکے جملہ خبریہ ہونے میں بموجب مسلک مولویصاحب کے کلام گذر چکا پس ایسا اختلاف سیاق وسباق جس کو کوئی نحوی پسند نہ کریگا کلام الٰہی میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ صدق اللہ تعالےٰ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[2]

سیاق

بیان سیاق یہ ہے کہ آیت وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا[3] بھی اس معنے کے مخالف پڑتی ہی مجملاً بیان اسکا یہ ہی کہ یہ مسئلہ بکتاب اللہ وسنت صحیحہ ثابت ہو چکا ہی کہ پچھلی تمام امم ماضیہ پر یہ امت مرحومہ شہید و گواہ ہو گی اور اس امت مرحومہ پر رسول مقبول صلی اللہ

[1] النساء: ۴۷　[2] النساء: ۸۲　[3] النساء: ۱۶۰

علیہ وسلم (روحی فداہ) شہید و گواہ ہونگے۔ قال اللہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[1] واخرج احمد والبخاری والترمذی والنسائی وغیرہم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعی نوح یوم القیامۃ فیقال لہ ھل بلغت فیقول نعم فیدعی قومہ فیقال لھم ھل بلغکم فیقولون ما اتانا من نذیر وما اتانا احد فیقال لنوح من یشھد لک فیقول محمد و امتہ ذلک قولہ یعنی ھذہ الآیۃ فیشھدون لہ بالبلاغ و اشھد علیکم۔

پس اب دریافت کیا جاتا ہی کہ ضمیر علیہم کا مرجع بھی اہل کتاب جو ایمان لے آوینگے اور اسلام میں داخل ہوکر ہمارے حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل ہو جاوینگے تو بالضرور اُنکے شہید و گواہ بجز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عیسےٰؑ کیونکر ہوسکتے ہیں حضرت عیسےٰؑ کا غایت درجہ تو یہ ہی کہ اپنی اُمت کے شہید ہوں فرمایا اللہ تعالےٰ نے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ[2] اور اگر کہو کہ یہ منصب جو ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی۔ وہ بعد نزول حضرت عیسےٰؑ کے حضرت عیسےٰؑ کو ملجاوے گا۔ تو نعوذ باللہ لازم آتا ہے کہ ختم نبوت نہیں ہوا واللازم باطل فالملزوم مثلہ اور اگر کہو کہ مرجع ضمیر علیہم کا وہ اہل کتاب ہیں جن کا ذکر یہاں سے ایک کوس بھر کے فاصلہ پر ہوا ہے تو یہ استفسار ہے کہ اسقدر بعید مرجع کا ماننا کس کا مذہب ہے فرّاء کا یا سیبویہ کا بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

بحث نحوی بابت زمانہ حال

یہ جو بعض کتب نحو میں لکھا گیا ہی کہ زمانہ حال کا ایسا نہیں ہی کہ اس میں کوئی فعل واقع ہوسکے۔ اور اسی بنا پر مولویصاحب نے زمانہ استقبال کی دو قسمیں فرمائیں اول استقبال قریب دوم استقبال بعید۔ اگرچہ مطلب ہمارا اسی سے حاصل ہوگیا کہ مولویصاحب جسکو استقبال قریب کہتے ہیں ہم اُسکو حال کہینگے صرف ایک نزاع لفظی رہ گئی مگر علاوہ اسکے یہ گذارش ہی کہ یہ ایک تدقیق متکلمین کی ہر ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ایسی تدقیق جو بالکل خلاف عرف اہل عربیت کے ہی اُسپر اڑ جاویں دیکھو مطول اور اُس کے ہوامش میں لکھا ہے وھذا یعنی الزمان الحال امر عرفی کما

[1] البقرۃ : ۱۴۴ [2] المائدہ : ۱۱۸

يقال زيد يصلي والحال ان بعض صلوته ماض وبعضها باق فجعلوا الصلوٰة الواقعة في الآنات الكثيرة المتعاقبه واقعة في الحال وتعيين مقدار الحال مفوض الى العرف بحسب الافعال ولا يتعين له مقدار مخصوص فانه يقال زيد ياكل ويمشي ويحج ويكتب القراٰن ويعد كل ذلك حالا ولا شك في اختلاف مقادير ازمنتها۔ اور السيد السند ايسی ہی تدقيقات کی نسبت حواشی مطول میں تحریر فرماتے ہیں۔ والحق انها مناقشات واهية لان هٰذه التعريفات بينات يفهم اهل اللغة منها ومن تلك العبارات ما هو المقصود بها ولا يخطر ببالهم شيئ مما ذكروا واما التدقيق فيه فيستفاد من علوم اخر يلاحظ فيها جانب المعنى دون القواعد اللفظية المبنية على الظواهر انتهى موضع الحاجة۔

بحث طرز دیگر بابت مرجع ضمیر قبل موتہ

اگر ضمیر قبل موتہ کی حضرت عیسٰےؑ کیطرف رجوع کر کر وُہ معنے لئے جاویں جو مولوی صاحب لیتے ہیں تو ایک اَور فساد لازم آتا ہے اور وُہ یہ ہے کہ بالاتفاق حضرت عیسٰےؑ نبوت سے معزول و عاری اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں شامل ہو کر آوینگے اور سب کو یہ دعوت کرینگے کہ اسلام لاکر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل ہو جاؤ۔ مگر یہاں پر عکس القضیہ ہُوا جاتا ہے حضرت خاتم النبیین پر ایمان لانے کا تو کچھ ذکر نہ ہُوا اور ایک شخص اُمّتی پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن کسی اُمّتی پر ایمان لانے کی کوئی عمدہ معنے قابل التفات نہیں معلوم ہوتے۔ اور اگر کہو کہ حضرت عیسٰےؑ پر ایمان لانا مستلزم ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے واسطے تو یہ گذارش ہو کہ سلمنا۔ لیکن یہ ایمان ضمن میں ایمان بعیسٰے کے بالتبع حاصل ہُوا نہ بالاصل جو مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس مقصود اصلی کو ترک کرنا اور غیر مقصود کو اختیار کرنا جس سے طرح طرح کے توہمات ختم نبوّت میں پیدا ہوتے ہیں کیا ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وُہ مرتبہ ہے کہ تمام انبیاء کو بہ تاکید تمام حکم ہُوا ہے۔ اور اُن سے اقرار و میثاق لیا گیا ہے کہ وُہ سب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان

لاویں۔ قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ۔ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[1] مولانا صاحب یہی گر تھا کہ حضرت میاں صاحب مدظلہ اور محمد حسین نے جناب والا کو بہت فہمائش کی کہ یہ آیت مطلوب میں قطعی الدلالت نہیں اس آیت کو آپ بمقابل مرزا صاحب ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ یہ دونوں صاحب اس آیہ کے نشیب و فراز سے واقف تھے مگر جناب نے اُنکی فہمائش کو قبول نہ فرمایا۔ اور تفسیر ابن کثیر پر تکیہ کرلیا۔ آپ کے شان محققی سے یہ امر نہایت بعید ہے۔

بحث لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ

ازہری وغیرہ نے تصریح میں تصریح کی ہے کہ لام تاکید کا حال کیواسطے آتا ہے۔ اب تسلیم کیا کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کیواسطے ہے لیکن جبکہ کسی صیغہ میں لام تاکید بھی ہو۔ جو حال کے واسطے آتا ہے اور نون تاکید بھی ہو۔ چنانچہ ما نحن فیہ میں ہے تو وہاں پر خالص استقبال بالضرور ہونے کی کیا وجہ اسکی کوئی دلیل مولوی صاحب نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی۔ اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی ہے۔ یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کے واسطے نحو میں لکھا ہے۔ امر۔ نہی۔ استفہام۔ تمنی۔ عرض وغیرہ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے بغیر لام تاکید کے۔ پس ان صیغوں میں صرف استقبال ضرور مراد ہوسکتا ہے۔ لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو۔ اور نون تاکید بھی اُس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے شاید مولوی صاحب نے ازہری کی اس عبارت سے یہ بات سمجھی ہے کہ لانهما تخلصان مدخولهما للاستقبال ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر استقبال سے صرف صیغہ استقبال مراد ہے جسکی نسبت السنہ اطفال پر جاری ہے کہ صیغہ حال ہمچو صیغہ استقبال است اور یہ بات خود ازہری کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ ذلك ينافي المضي اگر مراد ازہری کی خالص زمانہ استقبال ہوتی تو کہتا کہ وذلك ينافي المضي والحال اور اسی واسطے قسم کے جواب مثبت میں کوئی شرط زمانہ استقبال کی نہیں رہتی صرف صلاحیت تامہ فعلی کے واسطے دخول نون کی تمام کتب نحو میں لکھی ہے

[1] آل عمران : ۸۲، ۸۳

اور اسی وجہ سے اکثر نحویین نے لفظ مستقبل مثبت کی جگہ لفظ مضارع مثبت کا اختیار کیا ہے۔ اور اکثر نے صرف لفظ فعل مثبت کا کما لا یخفی علی من دارس کتب النحو۔ شرح ملّا اور ہوامش اسکے میں لکھا ہے ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابہ المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یوکدوا الفعل بأمر منفصل عنه وھو القسم من غیر ان یوکدوہ بما المتصل به وھو النون بعد صلاحیته له ای صلاحا تاما واحترز عما لا یصلح اصلا کالجملة الاسمیة والفعل الماضی المثبت ومافیه مانع کما سیجیٔ وعما لا یصلح صلاحا تاما کالمستقبل المنفی الی اٰخر العبارۃ۔

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت کی تفصیل مقام یہ ہے کہ جب قسم کا جواب مثبت جملہ فعلیہ واقع ہو تو باعتبار زمانہ کے اُس کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو خالص ماضی مراد متکلم کی ہو۔ اس صورت میں لام اور قد کے ساتھ اکثر جواب قسم آتا ہے جیساکہ واللہ لقد قام زید۔ یا جواب قسم میں مراد متکلم کی صرف حال ہو تو اندریں صورت جواب قسم میں صرف لام آویگا۔ جیساکہ ے یمینا لا بغض کل امرأ یزخرف قولا ولا یفعل اور یا صرف استقبال مراد متکلم کے ہو۔ اس صورت میں لام تاکید نون تاکید کے ساتھ جواب قسم کا آنا لازم ہے جیساکہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ[1] ان صُورتوں کی تصریح تو جملہ کتب نحو صغیر وکبیر میں لکھی ہے مولانا عبدالحکیم تکملہ میں لکھتے ہیں۔ **قوله** فاللام آہ ھذہ اللام لام الابتداء المفیدۃ للتاکید لا فرق بینھا وبین انّ الا من حیث العمل وتفصیل الکلام فی ھذا المقام ان القسم الذی لغیر السوال جوابه اما جملة اسمیة مثبتة فیلزمھا انّ او اللام وقد یجمع بینھما وحینئذٍ ید خل اللام علی الخبر فلا یستغنی الاسمیة عنھما من دون استطالة الا نادرًا واما جملة اسمیة منفیة فیلزمھا ما اولا او اِن النافیة واما جملة فعلیة فان کان فعلھا ماضیا غیر منصرف او منصرفا فی معنی التعجب او المدح یلزمھا اللام وان کان ماضیا منصرفا لا فی معنی التعجب او المدح یلزمھا مع اللام

[1] الانبیاء : ۵۸

قد او ما فی معناہ مثل ربما وقد یقدر قد ویکتفی باللام باللفظ ولا یکتفی بقد[1] الا اذا طال القسم اوکان فی ضرورۃ الشعر نحو قولہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وان کان مضارعا استقبالیا یلزمہا اللام مع نون التاکید وان دخلت اللام علی نفس المضارع الا نادرًا ولا یکتفی عن اللام بالنون الا فی ضرورۃ الشعر واذا المرید خل اللام علی نفس المضارع یکتفی باللام نحن لان متم او قتلتم لالی اللہ تحشرون وان کان مضارعا حالیا یکون باللام من غیر النون واما جملۃ فعلیۃ منفیۃ فیلزمہا فی الماضی ما اولا ویلزم تکرار لا ھٰھنا لان الماضی ینقلب فی الجواب مع مستقبلا وفی المضارع استقبالیا کان او حالیا ما اولا مع النون او بدونہا الخ اب اگر قسم کے جواب مثبت فعلی میں مراد متکلم کے دوام تجددی ہو یا حال واستقبال دونوں مراد ہوں۔ جو چوتھی اور پانچویں صورت ہے تو اسکے واسطے بھی وہی صیغہ مضارع کا مؤکد بلام تاکید ونون تاکید بولیں گے۔ اگر مولوی صاحب اسکو ناجائز فرماویں تو بحوالہ ائمہ کبار نحو کے جو سابق مذکور ہو چکے اس مراد کے واسطے کوئی صیغہ استخراج فرماویں ورنہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایسے مافی الضمیر کے لئے کوئی صیغہ اور پتہ نشان عرب میں موجود نہ ہو بینوا توجروا۔

حاصل یہ ہے کہ قسم کے جواب کے واسطے صرف استقبال کا ہونا کچھ واجب اور لازم نہیں ہے بلکہ جواب قسم کبھی ماضی ہوتا ہے کبھی حال کبھی استقبال کبھی استمرار اور دوام تجددی اور نیز سابق ازیں علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ صیغہ مستقبل کا واسطے استمرار اور دوام تجددی کے مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر جواب قسم کا صیغہ مستقبل مؤکد بلام تاکید ونون تاکید ہووے تو اس کی امتناع دوام تجددی کے لئے ہونے میں یا حال واستقبال دونوں مراد ہونے میں کونسی دلیل نحوی قائم کیگئی ہے باوجودیکہ لام تاکید بھی جو حال کیواسطے آتا ہے اسمیں موجود ہے اگر کوئی ایسی دلیل اکابر ائمہ نحو میں سے بطور اجماع کے منقول ہوئی ہو تو بیان کیجائے اُس میں نظر کیجاویگی۔ بلکہ جو آیات کہ جناب نے بطور شواہد کے اپنے مدعا کے واسطے لکھی ہیں۔ ان میں اکثر آیات واسطے استمرار اور دوام تجددی کیلئے اور حال واستقبال دونوں زمانوں کے واسطے ہوسکتی ہیں کوئی محذور

[1] الشمس : ۱۰

نحوی لازم نہیں آتا۔ البتہ آیت اوّل میں چونکہ صرف نون تاکید ہے لام تاکید نہیں لہذا وہ صرف استقبال کے واسطے ہے۔ اور آیت دوم فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا[2] میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے۔ پس اسکے حال و استقبال ہونے میں کوئی محذور نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس آیت سوم وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ[3] میں حال و استقبال دونوں مراد ہوسکتی ہیں اور اگر کسی تفسیر میں ان آیات کو صرف استقبال پر حمل کیا ہو تو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ اور آیت چہارم لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ[4] میں حال و استقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ حال ہی مراد ہوا کرے اور لَتَنْصُرُنَّهٗ میں صرف استقبال ہی مراد ہونا ہمکو کچھ مضر نہیں۔ آیت پنجم لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ[1] میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے حال و استقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں اور اگر کسی تفسیر میں صرف استقبال کا مراد ہونا ان آیات میں لکھا ہو تو ہمکو کچھ مضر نہیں۔ اور آیت [1] لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ[1] اگر خبر بمعنے انشاء کے ہے اور اس واسطے صرف استقبال مراد ہے تو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ آیت ششم لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ[5] میں دونوں زمانہ مراد ہوسکتے ہیں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ آیت ہفتم وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے۔ حال و استقبال دونوں مراد ہیں۔ ورنہ اس کے کیا معنے کہ وہ مہاجرین اللہ تعالےٰ کے راہ میں قتل تو کئے گئے اور اُس کی راہ میں تکلیفیں اُٹھا چکے اور ابھی تک جنّت میں داخل نہیں ہوئے اور ہزاروں برس کے بعد کہیں جنت میں داخل ہونگے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ نزول آیت کے وقت میں بھی داخل ہوئے اور ہونگے اور داخل ہوتے چلے جاتے ہیں یاد کرو القبر روضة من ریاض الجنة الخ آیت ہشتم وَلَاُضِلَّنَّهُمْ[6] کے بھی مضارع ہونے میں کوئی محذور نہیں ابلیس کا اضلال حضرت آدم کے وقت دخول جنّت سے متحقق ہے۔ آیت نہم لَتَجِدَنَّ میں بھی دونوں زمانے مراد ہوسکتے ہیں کونسا محذور لازم آتا ہے بیان کیا جاوے اسمیں نظر کیجاوے گی۔ آیت دہم لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ[6] میں بھی خالص استقبال کا بطور وجوب و لزوم کے مراد ہونا کچھ ضرور نہیں۔ ومن ادعی فعلیه البیان۔ آیت یاز دہم۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[7] میں بھی دونوں زمانہ مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ مرتے جاتے ہیں

---

[1] آل عمران: ۱۸۸ [2] آل عمران: ۱۹۴ [3] النساء: ۱۲۰ [4] ۲۵۱ [5] المائدہ: ۸۳ [6] المائدہ: ۹۵ [7] النساء: ۸۸

اور جمع ہوتے جاتے ہیں اور یہ جمع قیامت تک رہے گا۔ قیامت اُسکی انتہا ہے۔ کیونکہ الیٰ انتہا کے واسطے آتا ہے۔ آیت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ میں صیغہ فلنسئلن مضارع ہوسکتا ہے کیونکہ لام تاکید معہ نون تاکید کے اُس میں موجود ہے اور دوام تجددی بھی مراد ہوسکتا ہے۔ شروع سوال وقت موت سے ہی برازخ میں بھی ہوتا ہے اور حشر ونشر اجساد میں بھی رہیگا تا دخول جنت یا نار۔ شاہ عبدالقادر صاحب ترجمہ اسکا زمانہ حال کے ساتھ فرماتے ہیں سو ہمکو پوچھنا ہے اُن سے جن پاس رسول بھیجے تھے۔ اور ہمکو پوچھنا ہے رسولوں سے۔ آیت لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ میں حال واستقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع کیا ہے۔ البتہ ببرم دستہائے شمارا و پاہائے شمارا۔ آیت وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں بھی دونوں زمانے مراد ہوسکتے ہیں اور کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وقت نزول آیہ سے یعنے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے یہود پر عذاب نازل ہونا شروع ہو گیا۔ اور یہ عذاب اُن پر قیامت تک نازل رہے گا۔ اسی واسطے ترجمہ اس آیہ کا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا ہے۔ و یاد کن چوں آگاہ گردانید پروردگار تو کہ البتہ بفرستد برایشاں تا روز قیامت۔ آیت وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا میں حال واستقبال دونوں مراد ہیں کیونکہ اسکے کیا معنے کہ کفار پیغمبروں کو اذیت تو دے چکے یا دیتے ہیں۔ اور اُن پیغمبروں نے ابھی تک صبر نہیں کیا کسی زمانہ میں صبر کرینگے اور زمانہ حال میں بے صبر ہیں اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ آیت وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ الآیہ میں بھی حال واستقبال دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔ کوئی محذور لازم نہیں آتا خصوصاً جبکہ لحاظ کیجائے تعریف زمانہ حال کی جو اوپر گذر چکی کہ زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اُسکی مقدار بلحاظ افعال کے مختلف ہے اور وہ مفوض الی المعروف ہے۔ آیت وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ میں تسلیم کیا کہ صرف زمانہ استقبال مراد ہے مگر ہمکو یہ کچھ مضر نہیں ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ایسے صیغ میں زمانہ حال ضرور بالضرور مراد ہی ہوتا ہے اور آیت مذکورہ میں ایک صارف بھی موجود ہے۔

۱۔۲۔۳ الاعراف: ۷، ۱۲۵، ۱۶۸ ۴ البراہیم: ۱۳، ۱۴، ۱۵ ۵ ص: ۶ ۶ النحل: ۹۳

کہ جسکے سبب سے زمانہ حال مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ لفظ یوم القیامۃ کا ہے مگر مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ والبتہ بیان کند برائے شمار روز قیامت آنچہ دراں اختلاف مے نمودید۔ شاید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع اسواسطے کیا ہو کہ من مات فقد قامت قیامتہ، حدیث صحیح ہو پس یہ بیان بطور استمرار کے ہمیشہ جاری ہو قیامت تک یعنے حشر اجساد تک۔

آیت وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[1] میں دونوں زمانے حال و استقبال مراد ہوسکتے ہیں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ آیت کا برعایت زمانہ حال کیا ہے یعنے اور تم سے پوچھ ہونی ہے جو کام تم کرتے تھے۔ یہانتک جسقدر آیتیں مولویصاحب نے لکھیں وہ سب مناقض اور منافی دعوے مولویصاحب کے ہیں اور مؤید حضرت اقدس مرزا صاحب کے ولنعم ماقیل ؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد ✤ خمیر مایہ دوکان شیشہ گر سنگ است ✤

اس مقام پر ہیچمدان کو وہ مثل یاد آئی جسکو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی آیت کے رکوع میں بیان فرمایا ہو قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۱۴/۱۹

آیت فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ[2] میں حال و استقبال بلکہ استمرار مراد ہے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ ہرآئینہ زندہ کنیمش بزندگانی پاک و بدہیم آنجماعہ را مزد ایشاں۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب فائدہ میں لکھتے ہیں۔ اچھی زندگی قیامت کو جلادینگے یا دنیا میں اللہ کی محبت اور لذت میں۔ آیت وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا[3] میں اگر زمانہ استقبال ہی مراد ہے تو حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں کیونکہ حضرت اقدس اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ کسی جگہ ان صیغ میں خالص زمانہ استقبال مراد نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ بحسب مقامات ایسے صیغ میں کہیں تو دوام تجددی مراد ہوتا ہے جیساکہ حواشی مطول سے صیغہ مستقبل کا ہونا دوام تجددی کے واسطے نقل ہوچکا اور کہیں حال و استقبال مراد ہوتا ہے اور کہیں خالص استقبال چونکہ یہانپر سیاق آیہ میں چند قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں اسواسطے حال مراد نہیں۔ خالص استقبال مراد ہے لیکن مولویصاحب کا استقبال تو یہانپر بھی موجود نہیں کیونکہ نزول آیت سے

[1] النحل: ۹۴ [2] النحل: ۹۸ [3] ...

بہت پہلے دونوں مرتبہ فساد بنی اسرائیل کے زمانہ ماضی میں ہو چکے ہیں۔ اوّل فساد کی سزا میں جالوت غالب ہوا اور دوسری فساد کی جزا میں بخت نصر غالب ہو چکا۔ آیت وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ[1] میں دونوں زمانہ حال و استقبال مراد ہیں اور کوئی محذور نہیں بلکہ یہاں پر مضارع ہونا ضروری ہے بلکہ دوام تجددی کا مراد ہونا انسب ہے۔ کیونکہ جو شخص جس وقت سے ارادہ نصرت الٰہی کرتا ہے اُسی وقت سے نصرت الٰہی شامل حال اسکے ہونے لگتی ہے اگرچہ دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ آیت لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ[2] میں دونوں زمانہ حال و استقبال مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ لفظ استخلاف کا عام ہے شامل ہے۔ استخلاف رُوحانی اور جسمانی دونوں کو۔ پھر رُوحانی استخلاف تو وقت بعثت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ سلمنا کہ استخلاف جسمانی و ظاہری ہی مراد ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ نہیں تھے۔ بلکہ ان سب وعدوں مندرجہ آیت کا ایفا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر اگر آیت مذکورہ میں زمانہ حال بھی مراد ہو تو کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے خصوصاً اُس حالت میں کہ مطول وغیرہ میں تصریح ہو چکی کہ زمانہ حال کا ایک امر عرفی ہے اور اسکی مقادیر مختلف ہیں جو مفوض ہیں اہل عرف پر۔ آیت لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا[3]۔ دونوں زمانہ حال و استقبال مراد ہو سکتے ہیں مقدار زمان الحال مفوض الی المعروف۔ اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اس آیت کا ساتھ لفظ مضارع کے کیا ہے۔ ہر آئینہ عقوبت کنم او را عقوبت سخت۔ اور اگر خالص استقبال ہی مراد ہو تو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں ہے۔ وہ کب قائل ہیں کہ ایسے صیغ میں زمانہ حال التزاماً مراد ہوتا ہے۔ آیت لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[4] میں حال و استقبال بلکہ دوام تجددی اور استمرار مراد ہے اسمیں کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے۔ خود وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا اس کی دلیل ہے جو متضمن شرط کو ہے اگر یہ شرط زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی تو جزا اُسکی بھی زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی اور اگر یہ شرط زمانہ حال میں متحقق ہو تو جزا اُسکی زمانہ حال میں متحقق ہوتی ہے اور اگر شرط زمانہ استقبال میں واقع ہو گی تو جزا اسکی بالضرور زمانہ استقبال میں متحقق ہو گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت بمنزلہ قضیہ شرط فیصلہ لزومیہ کے ہے۔ مولویصاحب اسبارہ میں جب کچھ مباحثہ منطقیہ بیان فرماوینگے تو ہیچمدان بھی انشاء اللہ تعالیٰ کلام کو بسط کر دیگا۔ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ[5] میں دونوں

[1] الحج : ۴۱ [2] النور : ۵۶ [3] النمل : ۲۲ [4] العنکبوت : ۷۰ [5] محمد : ۳۱

زمانہ حال و استقبال مراد الٰہی ہیں زمانہ استقبال کی کوئی تخصیص ضروری نہیں ہے اسیواسطے ترجمہ اسکا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا ہے۔ والبتہ بشناسی ایشاں را در اسلوب سخن۔ آیت لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ اگر صرف زمانہ استقبال ہی مُراد مان لیا جائے توحضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں زمانہ حال کا ارادہ اُنکے نزدیک لازم اور واجب نہیں اور اس آیہ میں جو خالص زمانہ استقبال مراد ہُوا تو اسکا سبب یہ ہے کہ سیاق آیت میں قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں کیونکہ یہ آیت جواب ہی زعم کفار کا کہ بعث ہرگز نہ ہوگا لہذا جواب میں بھی صرف استقبال مراد ہُوا۔ قال اللہ تعالیٰ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ [۱] ظاہر ہے کہ لن مضارع کو خالص استقبال کے واسطے کر دیتا ہی پس جبکہ زعم کفار صرف نفی بعث استقبال کے واسطے تھا تو جواب اور اُن کی ردّ میں بھی صرف استقبال ہی مراد لیا گیا۔ پس یہاں پر ایک قرینہ صارفہ عن ارادۃ زمان الحال موجود ہے۔ اور اگر آغاز بعث کا وقت موت سی لیا جاوے اور انتہا اسکا یوم النشور اور حشر اجساد تک ہو بلحاظ حدیث صحیح کے کہ من مات فقد قامت قیامتہ، وارد ہے تو زمانہ حال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ آیت لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ [۲] میں لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے معہ نون تاکید ثقیلہ کے موجود حال و استقبال دونوں زمانہ مراد ہیں۔ نہیں معلوم مولویصاحب نے اکثر آیات گذشتہ جن میں بحسب مقامات کہیں حال و استقبال دونوں مراد ہیں اور کہیں دوام تجددی مراد ہی خصوصاً آیت ہذا کو خالص استقبال کے واسطے کیوں قرار دیا ہے آیت ہذا کی تفسیر ملخصاً فتح البیان سے لکھی جاتی ہی تاکہ ناظرین کو ثابت ہو کہ خالص استقبال کا التزاماً مراد ہونا اس آیہ میں محض غلط اور باطل ہی اور مخالف ہے تفسیر حضرت تتمہ محدثین حضرت نواب صاحب بہادر مغفور و مرحوم کے حضرت مرحوم نے تفسیر آیت مذکورہ میں جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ حالاً بعد حالٍ قال الشعبی ومجاهد لتركبنّ يا محمدؐ سماءً بعد سماء قال الكلبی يعنی نصعد فيها وهذا على القراءة الاولى وقيل درجة بعد درجة ورتبة بعد رتبة فی القرب من الله ورفعة المنزلة وقيل المعنی لتركبن حالاً بعد حالٍ كل حالة منها مطابقة

---

[۱] التغابن: ۸ [۲] الانشقاق: ۲۰

لاختھا فی الشدۃ وقیل المعنی لترکبن ایھا الانسان حالاً بعد حالٍ من کونک نطفۃ ثم علقۃ ثم مضغۃ ثم حیاً و میتاً و غنیاً و فقیراً۔ قال مقاتل طبقاً عن طبق یعنی الموت و الحیوٰۃ وقال عکرمہ رضیع ثم فطیم ثم غلام ثم شاب ثم شیخ و عن ابن مسعود قال یعنی السماء تنفطر ثم تنشق ثم تحمر وقیل یعنی الشدائد واھوال الموت ثم البعث ثم العرض وقیل لترکبن سنن من کان قبلکم کما ورد فی الحدیث الصحیح انتہٰی حاصلہ و ملخصہ۔ بالآخر اب ناظرین کیخدمت میں ایک گذارش ضروری یہ ہے کہ جناب مولویصاحب نے پرچہ نمبر دوم میں فرمایا ہے "کہ بیضاوی میں لکھا ہے کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی بالحجۃ۔ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا تھا اسوقت اور اس سے پہلے غلبہ متصوّر نہ تھا کیونکہ غلبہ کیلئے غالب مغلوب ضروری ہیں اُسوقت نہ رُسل تھے نہ اُنکی امت تھی یہ سب بعد اسکے ہوئی ہیں۔" انتہٰی۔ یہ ہیچمدان مولویصاحب کے قول کی اَور تائید کرتا ہے کہ جناب نے بیضاوی کا حوالہ جسکی تفسیر کو آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ میں آپ محض باطل اور غلط فرما چکے ہیں ناحق تحریر فرمایا۔ خود قرآن شریف میں موجود ہے بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ۔ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[1]۔ ظاہر ہے کہ کتابت لوح محفوظ کی سب سے سابق ہے۔ زمانہ ماضی وحال واستقبال جملہ ازمنہ ثلاثہ کتابت لوح محفوظ سے زمانہ استقبال میں واقع ہیں فیصلہ شد۔ مولویصاحب نے تمام نزاع استمرار و ماضی وحال حضرت اقدس مرزاصاحب کا ختم کردیا و للہ الحمد۔ ہوئی ماضی ؔ یا کہ حال ہوا + چلو جھگڑا ہی انفصال ہوا ؛

چونکہ مولویصاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں بدیں خلاصہ مضمون مندرج ہو چکا ہے کہ اصل اور عمدہ بحث کل ابحاث مندرجہ پرچہ ہائے ثلثہ کی بحث نون تاکید کی ہے۔ پس جبکہ نون تاکید کا نزاع ہی سب ختم ہو چکا۔ لہذا کل پرچہ ہائے ثلثہ کا جواب بھی ختم ہو گیا۔ مگر بفرمائش بعض احباب بطور قال واقول کے بھی جواب دیا جاتا ہے۔ **قال** اگر جناب مرزاصاحب الی قولہ تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلونگا۔ **اقول** حضرت اقدس مرزاصاحب تفاسیر معتبرہ اور آیات بیّنات سے یہ بات ثابت فرما چکے۔ کہ فان حقیقۃ الکلام للحال ولا

[1] البروج : ۲۲، ۲۳

وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتٰب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام۔ وقال الزجاج ھٰذا القول بعید لعموم قولہ تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ والذین یبقون یومئذ یعنی عند نزولہ شرذمۃ قلیلۃ منھم کذا فی فتح البیان۔ اوراس ہیچمدان کے بیان سے بحوالہ مطول وہوامش وغیرہ اسکے کے دوام تجددی اورحال واستقبال کا مراد ہونا بحسب مقامات مناسبہ ثابت ہوچکا۔ پس اب مولویصاحب کولازم ہے کہ بہ تقاضائے اتّقا وخشیۃ الٰہیہ کے حسب اقرار خود اس اپنے مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم فرماویں۔ قال اور حاصل ترجمہ یہ ہے۔ اقول حضرت اقدس مرزا صاحب آیات بیّنات سے یہ امر بخوبی ثابت فرماچکے کہ ایسا زمانہ قیامت تک کبھی نہیں آسکتا کہ بسیط الارض پر کوئی فرقہ کفرہ فجرہ کا باقی نہ رہے۔ ہاں البتہ غلبہ اورظہور اہل اسلام کا کبھی جسمانی طور پر اور کبھی رُوحانی طور پر اور کبھی براھین احمدیّہ کے رُوسے بالضرور ہوگا۔ خود آیت ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ[۱] جو مفسرین نے زمانہ مسیح بن مریم کے واسطے لکھی ہے یہی مضمون بآوازِ بلند ندا کررہی ہے اور جمیع مافی الارض کی ہدایت تو مشیّت الٰہیہ کے محض خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰىھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[۲] پ ۲۱ ع ۱۵۔ اَیْضًا قال تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[۳] پ ۱۲ وغیر ذٰلک من الایات الکثیرۃ المصرحۃ بذٰلک

قولہ تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب القول الجمیل سلمہ اس مقام پر غلط فاحش کا مصدر ہوا ہے الیٰ قولہ اسلئے یہ معنے غلط ہے اقول مولانا صرف صاحب قول الجمیل سلمہ نے ہی اس جملہ کو جملہ انشائیہ نہیں قرار دیا بلکہ جملہ نحو میں ایسے جملہ کو جو مصدر بقسم ہو خواہ وہ قسم مقدر ہو یا ملفوظ جملہ انشائیہ کہتے ہیں۔ اور حصر جملہ انشائیہ کا صرف صیغہ امر میں یہ جناب والا کا ہی ایجاد ہے۔ جملہ انشائیہ کی اقسام تو سواء امر کے اور بہت ہیں جو ہر ایک کتاب صغیر وکبیر نحو میں مذکور ہیں اس مسئلہ کو نحو میر خوان اطفال بھی جانتے ہیں۔ صاحب القول الجمیل سلمہ نے لیؤمننّ کو ہرگز ہرگز صیغہ امر کا نہیں سمجھا

[۱] التوبۃ : ۳۳ [۲] السجدۃ : ۱۴ [۳] ہود : ۱۲۰،۱۱۹

بلکہ تحریف سمجھی ہی۔ جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے اُسی تفسیر کے موافق معنے آیت کے صاحب القول الجمیل نے لکھے ہیں۔ پس یہ اعتراض جناب کا صاحب القول الجمیل سلمہ پر اپنے موقعہ پر نہیں ہے اور یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اس مقام پر کچھ ضرورت نہیں ہی۔ بلکہ زمانہ حال کا مراد ہونا بھی یہاں پر ضروری ہی۔ **قولہ** اُن میں سے ہیں ابوہریرہ الیٰ قولہ وھٰذا القول ھو الحق کما سَنُبَیِّنُہٗ بعد بالدلیل القاطع انشاء اللہ تعالیٰ۔ **اقول** اِس قول میں جسقدر تابعین وغیرہ کا اسطرف جانا مولویصاحب نے ذکر فرمایا کوئی قول انکا ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جسطرح مولویصاحب اس آیہ کو قطعی الدلالت فرماتے ہیں اسی طرح یہ جماعت بھی اس آیہ کو قطعی الدلالت کہتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود بطور شک کے جسپر حرف اِنْ دلالت کرتا ہی یہ فہم اپنا مشکوک قرار دیتے ہیں پھر اور کسی تابعی وغیرہ کا ذکر ہی کیا ہی۔ پس تقریب مولویصاحب کی محض ناتمام ہی اور مستلزم مدعا کو نہیں اور پھر اسپر مولویصاحب کا یہ فرمانا کہ ایک جماعت کثیر سلف میں سے اسی طرف گئی ہے کیسا اپنے محل اور موقعہ پر ہے ناظرین ذرا ملاحظہ فرماویں۔ اور صاحب تفسیر ابن کثیر جو فرماتے ہیں کہ وھٰذا القول ھو الحق الخ۔ تو اُنسے مطالبہ دلیل قاطع کا ہی۔ وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جائے۔

نون ثقیلہ کی دلیل تو بہت ہی خفیفہ ہوگئی۔ **قولہ** اوّل یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہی الیٰ قولہ غیر متصور ہے۔ **اقول** مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہوگیا۔ اور ایسی تعلیم کہ (جو اہل کتاب قبل چڑھائی جانے مسیح کے صلیب پر دُنیا میں موجود تھے۔ آیت لیؤمنن بہ انکو بھی شامل ہو) کچھ ضروری نہیں سیاق آیہ میں اہل کتاب موجودین قبل واقع صلیب کے کب مراد ہیں جو یہاں پر بھی وُہ مراد ہوں۔ دیکھو سب جملوں ماسبق آیت کو وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ[1] وغیر ذٰلک من الجمل۔ **قولہ** اور ایسا ہی آپکے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں الخ **اقول** جبکہ مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب موجود ہونے لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہوگیا تو اب یہ معنے کیونکر باطل ہو سکتے ہیں اور اگر اور وجوہ اُسکے ابطال کی آپکے نزدیک موجود ہوں بیان فرمائی جاویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُنمیں نظر کیجاویگی۔ **قولہ** جواب اعتراض دوم بدو وجہ ہے اول یہ کہ الیٰ قولہ بلکہ یقین مُراد ہے۔ **اقول** جبکہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں تھی کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آوینگے تو جناب نے واسطے اثبات اپنے دعوے کے

[1] النساء : ۱۵۸

یہ قول ابو مالک کا کیوں نقل فرمایا ہے قال ابو مالك فی قوله اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] قال ذٰلك عند نزول عیسٰی بن مریم علیه السلام لا یبقیٰ احد من اهل الکتٰب الا اٰمن به اور پھر اسپر علاوہ یہ ایک لطیفہ اور ہے کہ قول حسن کا بھی واسطے استدلال اپنے مدعا کے نقل فرمایا ہے وقال الحسن البصری یعنی النجاشی واصحابه۔ بھلا کہاں نجاشی اور کہاں اس کے اصحاب اور کہاں نزول علیٰی بن مریم اور کجا وہ اہل کتاب جو عند نزول علیٰی بن مریم ایمان لاوینگے۔ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور پھر یہ قول بھی نقل فرمایا گیا ہے۔ وقال الضحاك عن ابن عباس وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[2] یعنی الیهود خاصة۔ یہ کیسا تناقض اور اختلاف ہے۔ صدق الله تعالیٰ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا[3]۔ اور پھر باب اعتقادیات میں بطور امکان کے یہ فرمانا آپ کا بس ہو سکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیحؑ کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو اُنکے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں کیسا اپنے محل اور موقع پر ہے باب عقائد میں ایسے ہی ادلہ قطعیۃ الدلالت ہونے چاہئیں۔ اور پھر جبکہ ایمان سے مراد ایمان شرعی نہ ہوا بلکہ مراد اُس سے یقین ہوا تو کہاں گیا وہ مدعی کہ بعد نزول اور قبل موت علیٰی بن مریم کے ایک زمانہ ایسا آویگا کہ سب اہل کتاب اسلام میں داخل ہو جاوینگے۔ مولانا وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْکَاثًا[4] **قوله** اعتراض سوم کا جواب بھی انہیں وجہوں سے ہے الخ **اقول** ان دونوں وجہوں کا غیر موجود ہونا معلوم ہو چکا کوئی اور وجہ نون خفیفہ وغیرہ کی بیان فرمائی جاوے۔ **قوله** یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے۔ الیٰ آخر العبارۃ۔ **اقول** مولانا وہ کونسا زمانہ ہو چکا ہے جسمیں کوئی کافر نہ تھا۔ اگر فرماؤ حضرت آدم کے اوائل وقت میں تو گذارش یہ ہے کہ حضرت ابلیس علیہ اللعن سب سے بڑے کافر موجود تھے۔ اور بعد ہونے اولاد کے قابیل و ہابیل کا قصہ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور اگر کہو کہ قبل حضرت آدم کے۔ تو گذارش یہ ہے کہ اس زمانہ سے بحث ہی کب ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ آپ اس زمانہ کو ہی مصداق اس کا قرار دیویں۔ اور فرماویں کل ملائکہ مومنین ہی تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ جنات کفار بھی موجود تھے۔ پھر وہ کونسا زمانہ تھا جس میں کوئی کافر موجود نہ تھا۔ قال الله تعالیٰ حکایتًا

[1] النساء: ۱۶۰ [2] النساء: ۱۶۰ [3] النساء: ۸۳ [4] النحل: ۹۳ ۲۵۹

عن ابلیس قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ مولانا صاحب صیغہ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ میں آپکا نون ثقیلہ بھی موجود ہی اور قرائن إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ اور إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ وغیرہ بھی موجود ہیں جن کیوجہ سے یہاں پر خالص زمانہ استقبال مراد ہی۔ الحاصل خلاف مشیت الٰہیہ ایسا زمانہ کیونکر ہوسکتا ہی جسمیں سب لوگ ہدایت پر ہوجاویں اور کوئی گمراہ وکافر بسیط الارض پر موجود نہ رہے۔ پس میری دانست ناقص میں ایسا کچھ فرمانا آپ کے شان سے نہایت مستبعد ہے نہ حضرت مرزا صاحب کا فرمانا۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے مثل مشہور ہے الانصاف احسن الاوصاف۔ **قولہ** دلیل دوسری الخ۔ **اقول** مولانا اول تو یہ گذارش ہی کہ کہل کے معنے میں کسی لغت کی کتاب میں دو ہزار برس کا یا زیادہ کا زمانہ بھی لکھا ہی یا نہیں اگر کسی کتاب میں لکھا ہو تو نقل فرمایا جاوے اور اگر کہیں نہیں لکھا تو پھر دو ہزار برس یا زیادہ کا زمانہ اسکے مفہوم میں کیونکر معتبر ہوسکتا ہی۔ ثانیاً جسقدر کتب تفاسیر کی عبارت سے جناب نے استدلال کیا ہی کسی تفسیر میں رفع قبل التکہل بجسدہ العنصری علی السماء کا ثبوت کسی آیت یا حدیث صحیح مرفوع متصل سے نہیں دیا پھر جبتک کہ رفع کذائی قبل التکہل دلیل قطعی سے ثابت نہ ہولے تو دلیل آپکی مستلزم مدعی کو کیونکر ہوسکتی ہی۔ فتح البیان میں لکھا ہی۔ واورد علی ہذا عبارۃ المواھب مع شرحہا للزرقانی وانما یکون الوصف بالنبوۃ بعد بلوغ الموصوف بہا اربعین سنۃ اذھو سن الکمال ولہا تبعث الرسل ومفاد ھذا الحصر الشامل لجمیع الانبیاء حتی یحیی وعیسٰی ھو الصحیح ففی زاد المعاد للحافظ ابن القیم ما یذکران عیسٰی رفع وابن ثلث وثلثین سنۃ لایعرف بہ اثر متصل یجب المصیر الیہ قال الشامی وھو کما قال فان ذلك انما یروی عن النصاری و المصرح بہ فی الاحادیث النبویہ انہ انما رفع وھو ابن مائۃ وعشرین سنۃ ثم قال الزرقانی وقع للحافظ الجلال السیوطی فی تکملۃ تفسیر المحلی وشرح النقایۃ وغیرھما من کتبہ الجزم بان عیسٰی رفع وھو ابن ثلث وثلثین سنۃ ویمکث

لہ ص : ۸۰ - ۸۶

بعد نزولہ سبع سنین وما زلت اتعجب منه مع مزید حفظه واتقانه وجمعه للمعقول والمنقول حتیٰ رأیته فی مرقاۃ الصعود رجع عن ذٰلك انتہی۔ اور حسین ابن الفضل سے جو یہ قول نقل کیا گیا ہو کہ وفی ھذہ الاٰیۃ نص فی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سینزل الی الارض۔ اگر نص سے مراد وہی نص ہی جو مصطلح اہل اصول ہو تو آپ ہی فرماویں کہ کلام فی الکہولت واسطے نزول من السماء بجسدہ العنصری کے کیونکر نص ہوگیا۔ اور اگر نص سے کچھ اور مراد ہے تو بیان ہو اسمیں نظر کیجاویگی۔ اور پھر یہ گذارش ہو کہ جناب والا نے آغاز پرچہ اوّل میں یہ اقرار و عہد کیا ہو کہ اس مباحثہ میں بحث صعود و نزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا۔ پھر یہاں پر اس اقرار و عہد کا نقض آپکی جانب سے کیوں ہوا۔ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا[1] ثالثًا کیا ایسی پیشین گوئیوں کی حقیقت کما ینبغی ایسی ہی اجتہادات اور اقوال علماء سے قبل از وقوع محقق طور پر اور قطعی و یقینی معلوم ہوسکتی ہے جیسے اقوال کہ جناب نے اس دلیل دوم میں بیان فرمائے ہیں۔ نہیں نہیں مجھ کو خوب یاد آیا مولانا صاحب تو خود اس دلیل دوم کی نسبت فرما چکے ہیں کہ یہ دلیل فی نفسہٖ قطعیۃ الدلالت حیات مسیح پر نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہاں پر ایک استفسار باقی رہا وہ یہ ہے کہ جناب والا یہ بھی فرماتے ہیں کہ (مگر بانضمام آیہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[2] کے قطعیۃ الدلالت ہو جاتی ہے) اب استفسار یہ ہے کہ اصول حدیث کے رُو سے صحیح لذاتہ و صحیح لغیرہ یا حسن لذاتہ و حسن لغیرہ تو بالضرور ایک اصطلاح مقررہ اصول حدیث کی ہو۔ شاید اسی بناء پر جناب نے قطعی الدلالت کی دو قسمیں ارشاد فرمائیں اوّل قطعیۃ الدلالت فی نفسہٖ دوم قطعیۃ الدلالت لغیرہٖ یہ اصطلاح یا علم مناظرہ کی ہوگی یا شاید علم اصول فقہ کی ہو۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جس کتاب علم مناظرہ یا اصول فقہ میں دلیل کی یہ دونوں قسمیں لکھی ہوں بہ تصحیح نقل ارشاد فرمائی جاویں۔ کیونکہ ہیچمدان کو یہ اصطلاح نہیں معلوم۔ نظار نے تو تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے۔ والدلیل ھو المرکب من قضیتین للتادی الی مجھول نظری۔ اور بعض نے یہ لکھی ہو ما یلزم من العلم به العلم بشئ اٰخر یا ما یلزم من التصدیق بشئ اٰخر بطریق الاکتساب۔ رشیدیہ میں لکھا ہو فان حمل ذٰلك التعریف علے تعریف الدلیل القطعی البین الانتاج

[1] بنی اسرائیل: ۳۵ [2] النساء: ۱۶۰ ۲۶۱

ومعنی الاستلزام ظاهرون اريد به التعميم كما هو الظاهر حمل الاستلزام على المناسبة المصححة للانتقال لا على امتناع الانفكاك۔ اور اصولیین نے تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے هو ما يمكن التوصل لصحيح النظر في احواله الى مطلوب خبرى كالعالم مثلاً فانه من تامّل فى احواله لصحيح النظر بان يقول انه متغير وكل متغير حادث وصل على مطلوب خبرى وهو قولنا العالم حادث فعند الاصوليين العالم دليل وعند الحكماء مجموع العالم متغير وكل متغير حادث ۔

واضح خاطر ناظرین ہو کہ مولویصاحب نے اوّل دلیل کا نام تو قطعیۃ الدلالت فی نفسہ رکھا ہے اور بقیہ اربعہ کا نام ظنی رکھکر قطعیۃ الدلالت لغیرہ فرمایا ہے اور غیر سے مراد وہی دلیل اوّل ہے۔ پس یہ دلائل اربعہ ظنیہ دلیل اوّل کے انضمام سے قطعیۃ الدلالت کیونکر ہو گئیں۔ اگر دلیل اوّل ان دلائل کے واسطے بمنزلہ مقدمہ دلیل کے گردانی گئی ہے کہ المقدمة ما يتوقف عليه صحة الدليل اعم من ان يكون جزءا من الدليل اولا۔ تو اس صورت میں دلیل اوّل دلیل نہ رہی بلکہ مقدمہ دلائل اربعہ ہو گئی۔ ہاں اسکا ترتیب کرنا جناب پر باقی رہا۔ اور خواہ جناب اس کو مرتب فرماویں یا نہ فرماویں ہم تو اُسپر نقض تفصیلی کر چکے۔ اور اگر وہ خود فی نفسہ ایک دلیل جداگانہ ہے تو یہ دلائل نرے ہے بلکہ حسب اصطلاح نظار کے امارت ہو گئے۔ لانه يقال لملزوم الظن امارة لا دليل اور یہ اصطلاح جناب کی حسب اصطلاح اصول فقہ کے بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔ اگر درست ہوتی تو مثلاً خفی کو جو ظاہر کے مقابل ہے ظاہر لغیرہ اور مشکل کو جو نص کے مقابل ہے نص لغیرہ اور مجمل کو مفسر کے مقابل ہے مفسر لغیرہ اور متشابہ کو جو محکم کے مقابل ہے محکم لغیرہ بھی کہدیا کرتے اور تمام اقسام نظم قرآن مجید کے جو اصولیین نے لکھے ہیں انکا رجوع کسی جگہ پر ایک قسم کی طرف ہو جایا کرتا۔ اگر اس قسم کا مسئلہ اصول فقہ میں مندرج ہو تو از راہ عنایت ذرہ وضاحت سے بیان فرما دیا جاوے تاکہ ہیچمدان کی سمجھ میں آجاوے اور جو حُسن کہ جناب نے اپنے معنے کے بموجب کلام فی الکہولت میں ارشاد فرمایا ہے وہ حُسن تو سب کچھ سہی مگر اُس حُسن کا ثبوت ایسے مقام پر کتاب و سنت صحیحہ سے بھی تو ہونا ضروری ہے ورنہ ایک خیالی حُسن ہو گا جیسے شعراء کو اپنے خیالات اور مضامین شاعری کا حُسن معلوم ہوا کرتا ہے اور اس کلام فی الکہولت کی نسبت

جو حُسن حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلیل بیان فرمایا ہے وہ کیا تھوڑا حُسن ہے جو اس خیالی حسن کو واقعی خیال کر لیا جاوے۔ **قولہ** دلیل سوم الی آخرہ الدلیل۔ **اقول** مولانا صاحب مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمیر کا مرجع جو جناب نے رُوح مع الجسد کو قرار دیا۔ یہ مرجع ضمیر تو آپ ہی کے مافی الضمیر میں ہے۔ ہیچمدان نے تو ماقبل اس آیہ کے تمام رکوع میں تفحص کیا مگر کسی جگہ رُوح مع الجسد مذکور نہیں۔ یہ کیا معمّا جناب نے ارشاد فرمایا۔ البتہ مسیح عیسےٰ بن مریم تو مذکور ہے اور وُہی مرجع مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمیر کا ہے اور وُہی مرجع بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا۔ ظاہر ہے کہ اعلام اسماء کا اطلاق جیساکہ روح مع الجسد پر ہوتا ہے ایسا ہی صرف بلاجسد پر بھی ہوتا ہے بلکہ حقیقت انسانیہ کا مصداق تو وُہی رُوح انسانی ہے۔ ولنعم ما قال المولوی ؎ آں توئی کہ بے بدن داری بدن + پس مترس از جسم جاں بیروں شدن + معنے آیت کے یہ ہوئے کہ اُٹھا لیا اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ کو اپنی طرف یعنی اُسکی رُوح کو اُٹھا لیا۔ جیساکہ دُوسری جگہ فرمایا تھا کہ يَا عِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ[1]۔ پس اس آیت کو خواہ آیت اوّل کے ساتھ انضمام کیجئے یا نہ کیجئے مدعا کو ہرگز مستلزم نہیں اور تقریب دلیل کی محض ناتمام ہے بلکہ اس آیہ سے تو عکس مدعا جناب کا ثابت ہوتا ہے جیساکہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہٗ نے مفصلاً بیان فرمایا ہے۔ **قولہ** دلیل چہارم الی آخر الدلیل۔ **اقول** مولانا صاحب جناب کا اقرار پرچہ اوّل میں مندرج ہے کہ اس مباحثہ میں بحث صعود و نزول عیسٰیؑ وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا پھر یہاں پر مناط استدلال خود نزول کو کیوں قرار دیا گیا۔ اور یہ کیوں فرمایا گیا کہ (پس متعین ہُوا کہ مراد نزول ہے) سلمنا کہ نزول مراد ہے لیکن نزول بار ثانی مراد ہونے کی وجہ وجیہ نہیں ہے وہی نزول بار اوّل کیوں نہ مراد ہو جس کو جناب نے حدوث سے تعبیر کیا ہے اور اس احتمال حدوث کو جن وجوہ سے جناب نے باطل کیا ہے ان وجوہ کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلائل باطل کر دیا مطالعہ فرمائی جاویں تحریرات۔ انکی حاجت اعادہ ذکر کی نہیں اور تمام قرآن مجید میں لفظ نزول سے نزول بار اوّل یعنے حدوث مراد لیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرماؤ۔ ازالہ اوہام اور اعلام الناس کو۔ **قولہ** معنے حقیقی ابن مریم کے عیسٰیؑ ابن مریم کے ہیں اور صارف یہاں پر کوئی موجود نہیں۔ **اقول** جناب مولانا صاحب ایک صارف کا کیا ذکر ہے متعدد صارف موجود ہیں۔ یاد کرو فامّکم منکم و امامکم منکم وغیرہ جو سابق میں

۱؎ النساء: ۱۵۸، ۱۵۹ ۲؎ آل عمران: ۵۶

یہ ہیچمدان شرح اسکی مفصل لکھ چکا اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں اور نیز ان پرچوں میں بکثرت مذکور فرمائے ہیں وہ ملاحظہ فرمائے جاویں پھر کوئی وجہ نہیں ہی کہ با وجود موجود ہونے صوارف کثیرہ کے حقیقی ہی معنے مراد لئے جاویں اور حدیث مرسل جو یہ لکھی گئی کہ قال الحسن قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم للیھود ان عیسےٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ اسکی نسبت یہ گذارش ہی کہ اوّلاً تو اس حدیث کی تخریج فرمادی جاوے کہ یہ حدیث کس کتاب حدیث میں لکھی ہی۔ ثانیاً تعدیل وتوثیق اسماء الرجال سب رواۃ اسناد کی کیجاوے۔ ثالثاً بعد طے کرنے ان مراتب کے یہ حدیث مرسل ٹھہریگی جو بمقابل احادیث صحاح متصل مرفوع کے جو ازالہ وغیرہ میں لکھی ہیں ساقط الاعتبار رہیگی۔ رابعاً اگر کوئی حدیث صحیح متصل مرفوع اسکی معارض بھی نہ ہو تو بھی بعد طے کرنے ان مدارج اربعہ کے حدیث مرسل کے خود حجت ہونے میں کلام ہی سب اصول کی کتابوں میں لکھا ہی فذھب الجمھور الی ضعفہ وعدم قیام الحجۃ یہ نہیں معلوم مولانا صاحب نے اس حدیث کو ایسے مقام میں جہاں دلیل قطعیۃ الدلالت مطلوب ہے اور اسی کی بحث ہو رہی ہے کیوں مذکور فرمایا ہے۔ ایسے اقوال یا احادیث ضعیفہ جو بعض تفاسیر وغیرہ میں لکھے ہیں تو انکو باب اعتقادیات میں کیا دخل ہی۔ ہیچمدان کے ایک محب مکرم اخونا المعظم جناب حکیم نور الدین صاحب ایک خط موسومہ احقر میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شعرانی نے طبقات کبریٰ جلد دوم صفحہ ۴۲ میں لکھا ہی۔ وکان یقول ان علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ رفع کما رفع عیسیٰ علیہ السلام وسینزل کما ینزل عیسےٰ علیہ السلام ثم قال الشعرانی ھٰکذا کان یقول سیّدی علی الخواص۔ پس جو معنے نزول علی بن ابی طالب کے ہیں وُہی معنے نزول عیسیٰ بن مریم کے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس رفع کو سمجھنا چاہیئے۔

قولہ تو اب یہ آیت صارف ہوگئی آیات مذکورہ کے حقیقی معنے سے۔ **اقول** یہ امر ثابت ہو چکا کہ آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ وغیرہ وفات مسیح بن مریم میں نص صریح اور محکم ہیں۔ اور آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ بسبب چند در چند ذو الوجوہ ہونے کے متشابہ ہے اور متشابہ کسی طرح پر محکم کے صارف عن الاحکام نہیں ہو سکتے اور اشارۃ النص بھی بمقابل عبارۃ النص کے وقت تعارض کے ساقط ہو جاتی ہی۔ اور کتب لغت سے توفّی کے

معنے جو لکھے گئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معنے توفی کے پورا حق لے لینے کے ہیں۔ تو اس سے مدعا جناب کا کب ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کونسا حق اپنا حضرت عیسیٰؑ سے پورا لیا تھا۔ جس کی نسبت فرمایا گیا کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یعنے اے عیسیٰؑ میں تجھ سے اپنا حق پورا لینے والا ہوں۔ یا حضرت عیسیٰؑ نے جو فرمایا کہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ یعنی جبکہ تو نے اپنا حق پورا لے لیا۔ یہ معنے ہیچمدان کی سمجھ میں بالکل نہیں آتے اور ایک تحریف سی معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کہا جاوے کہ توفی کے معنے میں جو لفظ حق کا لکھا ہے اس سے تجرید کر لیگئی ہے اور قبض تام کے معنے بھی آتے ہیں چنانچہ قسطلانی سے ہمنے نقل کیا کہ اخذ الشیٔ وافیاً تو یہاں پر یہ معنے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو روح مع الجسد سے پورا لے لیا۔ تو یہ گذارش ہے کہ نص میں اس تاویل رکیکہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ علاوہ یہ کہ قسطلانی نے بھی خود اقرار کر لیا کہ والموت نوع منہ اس اقرار سے توصاف و صریح ثابت ہو گیا کہ موت میں بھی قبض تام ہوتا ہے۔ وھٰذا یخالف دعوٰکم۔ پس قسطلانی سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت عیسےٰؑ کی وفات ہو چکی۔ روح مع الجسد کا اٹھایا جانا تو کسی لغت سے بھی ثابت نہ ہوا۔ اور سلمنا کہ توفی بمعنے انامت یعنے سلا دینے کے قرآن مجید سے ثابت ہے مگر اس معنی کے اثبات سے ما نحن فیہ میں جناب کا کیا مطلب ہے بلکہ جو آیات کہ جناب نے واسطے اثبات اس اپنے مطلب کے ذکر فرمائی ہیں وہ بھی مدعا جناب کے مخالف ہیں کیونکہ بموجب ان آیات کے معنے توفی کے اگر انامت کے ما نحن فیہ میں تسلیم بھی کئے جاویں تو پھر یہی آیات مدعا جناب کو نفی بھی کرتی ہیں کیونکہ اگر حضرت عیسےٰؑ کی توفی بطور انامت کے واقع ہوئی ہوتی تو ضرور تھا کہ پہر دو پہر میں حد درجہ ایک دن میں جاگ اٹھتے اور وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی کا مضمون پیدا ہو جاتا۔ یہ کیسے اِنامت ہوئی۔ کہ قریب دو ہزار برس کے ہو گئے ابھی تک وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی کا مضمون واقع نہیں ہوا۔ اس سے تو صریح یہی معلوم ہوا کہ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ کا ہی مضمون واقع ہو چکا ہے۔ آیت میں دو صورتیں مذکور ہیں ایک ارسال دوسری امساک در صورت انامت کے ارسال واقع ہوتا ہے اور در صورت موت کے امساک جب ہم دیکھتے ہیں کہ قریب دو ہزار برس امساک ہی امساک ہے اور ارسال نہیں ہے تو بالضرور ماننا پڑیگا اسی صورت کو جسمیں امساک ہوتا ہے اور وہ موت ہے نہ اِنامت۔ اور سورہ انعام کی آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں

بھی توفّی بطور انامت کے جو مذکور ہے وہ رات بھر تک ہوتی ہے نہ دو ہزار برس تک بلکہ اُسمیں تو تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رات میں سُلا دیتا ہے اور دن میں اُٹھا دیتا ہے ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی[ل] اور اگر بطور حکماء کے بھی اس بارہ میں نظر کیجائے تو بھی یہی مطلب جو ہم نے تفسیر آیات مذکورہ میں لکھا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حواشی بیضاوی میں لکھا ہے۔ قال الزعفرانی ناقلا عن الامام النفس الانسانیۃ جوھر مشرق روحانی اذا تعلق بالبدن حصل ضوءہ فی جمیع الاعضاء وھو الحیٰوۃ ففی وقت الوفات ینقطع ضوءہٗ عن ظاھر البدن وباطنہ وذٰلک ھو الموۃ واما فی وقت النوم فینقطع ضوءہٗ عن ظاھر البدن من بعض الوجوہ ولا ینقطع عن باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لکن الموت انقطاع تام والنوم انقطاع ناقص انتہٰی۔ پس اگر انقطاع ناقص ہوتا تو ضرور بحکم وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی کے حضرت عیسٰیؑ جاگ اُٹھتے جبکہ دو ہزار برس سے ابھی تک نہیں جاگے۔ تو معلوم ہوا کہ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ[سٰ] کے مصداق ہوگئے ہیں اور انقطاع تام ہوچکا ہے۔ **قولہ** اور قسم دوم کا جواب الی قولہ ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے۔

اقول اس آیت کا حال تو معلوم ہوچکا غایت الامر یہ ہے کہ حیاتِ مسیح میں متشابہ ہے۔ پھر کیونکر مخصص ہوسکتی ہے۔ علاوہ یہ کہ جب وفات عیسٰے بن مریمؑ بطور اخبار کے ثابت ہوچکی تو اب اس آیت یا کسی اور آیت سے حیات کیونکر ثابت ہوگی یہ تو اخبار ماضیہ کا نسخ ہُوا جاتا ہے اور بموجب قواعد اصول کے اخبار میں نسخ ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے نسخ سے کلام باریتعالیٰ میں کذب صریح لازم آتا ہے۔ واللازم باطل فالملزوم مثلہ۔ **قولہ** صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں الخ **اقول** جو معانی ان آیات کے حضرت اقدس مرزا صاحب نے تحریر فرمائے ہیں وہ تفاسیر معتبرہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ معہذا علوم رسمیہ جو خادم کتاب ہیں اُن کے بھی موافق ہیں۔ جب جناب جواب تفصیلی ازالۃ الاوھام کا تحریر فرماوینگے اور اُن معانی حقہ کا ابطال کرینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفصلاً و مشرحاً احقاق حق کیا جاوے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

ل الانعام: ۶۱　س الزمر: ۴۳　۲۶۶

مولوی محمد بشیر صاحب کے پرچہ ثانی پر سرسری نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علےٰ نبیہ۔ امّابعد واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ پرچہائے ثلثہ محررہ مولویصاحب کا جواب جو حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ نے اپنے پرچوں میں دیا ہے وہ ایسا کافی وشافی ووافی ہے کہ ہوتے اُسکے اب کسی کے جواب کی حاجت نہیں رہی۔ ناظرین جب انصاف سے ملاحظہ فرماوینگے۔ تو یہ امر اُن پر خود بخود واضح ہو جاوے گا۔ کسی کے جتلانے اور بتلانے کی کیا حاجت ہے مثل مشہور ہے مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار گوید۔ لیکن چونکہ مولویصاحب نے بھوپال میں واپس تشریف لاکر اپنی فتحیابی کا اعلان کیا اور اسپر طرّہ یہ ہوا کہ مکرّر سہ کرّر اِس ہیچمدان سے درخواست مباحثہ فرمائی گئی۔ اور مجالس وعظ میں ہل من مبارز کا ڈنکا بجایا گیا اور اس عاجز ہیچمدان کا نام لے لیکر طلب مباحثہ کیا گیا تو اس عاجز پر بھی واجب ہو گیا کہ مولانا صاحب کے امر واجب الاذعان کی اطاعت کرے اور مولویصاحب کی فتحیابی پر کچھ نظر کرے کہ فی الحقیقت وہ فتحیابی ہے یا محض آب سرابی ہے۔ اسمیں دونوں امر مذکورہ حاصل ہوتے ہیں ؎ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ لہذا مولویصاحب کے پرچہ ثانی پر کچھ اندکے نظر کرتا ہوں۔ **قولہ** واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت اُمور کا جواب اپنے پرچہ میں نہیں دیا الخ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب نے آپکے مضمون کا جواب ایسا کافی و شافی دیا ہے کہ اُس سے بڑھ کر بجز طوالت پر ملامت کے اور کچھ متصور نہیں۔ ناظرین صورت الحال کو دیکھ کر خود بخود انصاف فرمالوینگے مثل مشہور ہے کہ اصدق المقال ما نطقت بہ صورۃ الحال۔ اور آپ کی ابحاث ثلثہ میں جو اصل اور عمدہ بحث تھی یعنے

نون تاکید۔ اسکو تو حضرت اقدس نے ایسا توڑا ہے کہ اس سے زیادہ ہرگز متصور نہیں کیونکہ اس بات کو سب علماء و طلبہ جانتے ہیں کہ تمام اصول علوم رسمیہ کے اور جملہ قواعد اور فنون درسیہ کے جو کتب فن میں ممہد اور مشید کئے جاتے ہیں انکے اثبات اور استحکام کیواسطے شواہد قرآن مجید سے بڑھ کر اور کوئی شاہد نہیں ہے نہ امثال و اشعار جاہلیت کا وہ مرتبہ ہے اور نہ اقوال عرب عرباء کا وہ رتبہ مثل مشہور ہے کہ اذا جاء نہر اللّٰہ بطل نہر معقل جس قاعدہ کے واسطے کوئی آیت قرآن مجید کی شاہد ملجاوے تو پھر اُس میں نہ سیبویہ کی حاجت ہے نہ اخفش کی نہ فرا کی ضرورت ہے نہ زجاج کی اسجگہ سب فَذَّ یَفِرُّ ہو جاتے ہیں اور اُسکے مقابل میں زُجاج زجّاج بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور قول مبرد بھی محض بارد ہو جاتا ہے الصباح یغنی عن المصباح کا مضمون صادق آتا ہے۔ قرآن مجید میں جبکہ بقرأت متواترہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ بجائے وَالْمُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وارد ہوگیا اور اِنْ ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ بجائے ان ھٰذین لساحرین اور وَالصَّابِئُوْنَ بجائے والصائبین قرأت متواترہ میں آگیا۔ تو نہ فرا کی چلی نہ اخفش کی۔ سب کے سب تاویلات رکیکہ بنا رہے ہیں اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اصل وہی ہے جو حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ مخالف روزمرہ مشہورہ ہم روزمرہ است الحاصل یہ جناب والا کا بھی اقرار ہے جو پرچہ ثالث میں مندرج ہے کہ اصول فقہ اور اصول حدیث جملہ علوم خادم کتاب و سنت کے ہیں اور کتاب اللہ سب کی مخدوم ہے۔ اب یہ گذارش ہے کہ باوجودیکہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے متعدد آیات قرآن مجید اور عبارت تفاسیر معتبرہ سے واسطے جرح کرنے آپکے نون تاکید کے تحریر فرمائی ہیں۔ پھر آپ یہ کیا معمےّ فرماتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب نے نہ تو کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ اُن عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ **قولہ** اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل الیٰ قولہ دُوسری آیات محض تائید کے لئے لکھی گئی ہیں الخ **اقول** جبکہ آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ جناب کے نزدیک قطعی الدلالت ہے تو دیگر مویدات کے پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِسی سے ثابت ہوا کہ آیت مذکور جناب کے نزدیک قطعی الدلالت نہیں ہے ورنہ تائید کی کیا ضرورت ہوتی ہذا خلف۔ خلاصہ یہ کہ اگر آیت مذکورہ کو قطعیۃ الدلالت کہتے ہو تو دیگر مویدات کی ضرورت نہیں۔ اور اگر تائید اُس کی دُوسری آیات سے کرتے ہو تو خود وہ آیت

سلہ ص : ۶

قطعیۃ الدلالت فی نفسہٖ نہیں رہتی۔ لیکن اب گذارش یہ ہے کہ ہر چہار آیات کو تو چار و ناچار خود جناب نے ادلّہ ہونے سے خارج کیا اور آیت اُولیٰ کو دُنیا بھر کے مفسرین متشابہ اور ذوالوجوہ کہہ رہے ہیں وہ تو کسی طرح پر بھی حیاتِ مسیح میں قطعیۃ الدلالت ہو ہی نہیں سکتی کما مر شرحہ۔ پس اب جناب کے پاس حیاتِ مسیح پر کونسی دلیل باقی رہی۔ اگر موجود ہو تو پیش کیجئے۔ ورنہ چونکہ حیات و ممات میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے خوف کر کر اب تو حیاتِ مسیح کے دعوے سے رجوع فرمائیے۔

قولہ اسمیں کلام ہے بچند وجوہ الیٰ قولہ تو یہ کام عبث آپنے کیوں کیا۔ **اقول** اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جبکہ مولانا جیسے فاضل اجل قواعد علم مناظرہ کو قلم انداز فرماوینگے اور ملحوظ نظر نہ رکھینگے تو اب اِس ہیچمدان کو کس سے اُمید ہے کہ اس مباحثہ میں حسب اصول مناظرہ گفتگو کرے ؎

چو کُفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ ایہا الناظرین ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اس مباحثہ سائل اور مانع کا منصب رکھتے ہیں خصوصاً مولویصاحب جیسے مدعی کے مقابلہ میں کہ دعوے بھی اُن کا خلاف سنت اللہ اور فطرت اللہ کے واقع ہوا ہے۔ پس اگر حضرت اقدس نے توضیح مرام وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح بسبب فوت ہو جانے کے دنیا میں نہ آوینگے اور اِس منع پر کچھ سند وغیرہ بیان کی ہے تو کیا اس منع وغیرہ سے حضرت اقدس بموجب اصول مناظرہ کے مدعی حقیقی بن گئے۔ سائل اور مانع کا تو کام ہی یہی ہے کہ منع وغیرہ کا ایراد ادلّہ مدعی پر کرے خواہ مناقضہ اور نقض تفصیلی کے طور پر ہو بلا سند یا مع السند کے یا معارضہ کے طور پر ہو یا نقض اجمالی کی طرز پر وغیرہ وغیرہ جسکی تفصیل رسائل صغیر و کبیر علم مناظرہ میں لکھی ہے۔ پس اگر سائل ان طرقِ مناظرہ اور آدابِ مباحثہ سے بحث کرے تو کیا وہ فی الحقیقت مدعی ہو جاویگا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ رشیدیہ وغیرہ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم الذی ادعاہ المدعی بلا نصب دلیل علیہ وقد یطلق علیٰ ماھو اعم و ھو کل من تکلم علیٰ ما تکلم بہ المدعی اعم من ان یکون مانعا او ناقضا او معارضا۔ اور اُسی میں لکھا ہے۔ المنع طلب الدلیل علیٰ مقدمۃ معینۃ ویسمی ذٰلک مناقضۃ و نقضا تفصیلیا۔ و السند ما یذکر لتقویۃ المنع ویسمی مستندا۔ اور اُسی میں لکھا ہے۔ النقض ابطال الدلیل بعد تمامہ

متمسکا بشاھد یدل علی عدم استحقاقه للاستدلال به وھو استلزامه فساداً اما اعم من ان یکون تخلف المدلول عن الدلیل او فساداً اٰخر مثل لزوم المحال وغیرہ الی اٰخرہٖ
پس اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو منصب سائل کا رکھتے ہیں یہ ابحاث اپنے رسائل میں درج فرمائی ہیں تو اُنکے درج کرنے سے وُہ مدعی کیونکر ہو گئے۔ اور جو فرض منصب سائل کا ہی اگر اس کو حضرتِ اقدس بموجب آداب مناظرہ کے بجا لائیں تو یہ سب کام اُن کا عبث کس اصل مناظرہ کے رُو سے ہو گیا۔ اور اگر کہو کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقابل اُن رسائل میں مدعی کون ہے جو مرزا صاحب سائل اور مانع ہو گئے۔ تو جواب اسکا یہ ہی کہ وُہ تمام مخالفین حضرت اقدس کے جو دعویٰ حیاتِ مسیح کا کرتے ہیں وُہی مدعی ہیں جن کے خلاف میں حضرت اقدس نے ان رسائل میں کلام کیا ہی اور یہی تعریف ہے سائل کی کہ السائل من تکلم علی ما تکلم به المدعی اعم من ان یکون مانعا او ناقضا او معارضا۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ بالجملہ بار ثبوت وفاتِ مسیح دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے الخ یہ ایک التباس حق کا ساتھ غیر حق کے یا تو قصداً کیا گیا ہے یا بسبب عدم امعان نظر کے اصول مناظرہ میں پیدا ہوا ہے اگر اصول مناظرہ میں امعان نظر فرمایا جاوے تو یہ التباس رفع ہو جاویگا۔ مولانا صاحب گذارش یہ ہی کہ جب مانع اور سائل کسی مدعی کی دلیل کا نقض و منع کریگا۔ اگر وہ منع بلا سند ہے تو صرف لا نسلم کہیگا اور اگر اُس منع اور نقض کے ساتھ کوئی سند یا شاہد مذکور ہو تو وُہ سند وغیرہ بالضرور مشتمل مقدمات پر بھی ہوگی لیکن وہ مانع یا نقض و معارض اس اشتمال مقدمات سے حقیقتاً مدعی اُس بحث متنازعہ فیہ میں نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ دعوےٰ مدعی اوّل کا مخالف سُنّت اللہ کے ہو اور منع خصم کے موافق سُنّت اللہ کے جیسا کہ ما نحن فیہ میں ہی۔ پس وفاتِ مسیح کو جو آپ اصل دعویٰ حضرت اقدس کا فرماتے ہیں بموجب آداب مناظرہ کے یہ بات درست نہیں ہی۔ یہ اصل دعویٰ نہیں یہ تو اصل فطرۃ اللہ ہی جس کے قائل اور تمام جگہ آپ بھی ہیں اور نہ وفات مسیح کی حضرت اقدس کی دلیل کا کوئی ایسا مقدمہ ہے جسکے اثبات کی اُنکو ضرورت ہو کیونکہ جو امر فطرت اللہ اور سُنّت اللہ کے موافق ہوتا ہی وہ ظاہر بمنزلہ بدیہی کے ہوتا ہے اسکے اثبات کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ لیکن جبکہ آپ اس سنت اللہ کے ایک خاص مقام میں منکر ہو گئے ہیں تو بحیثیت انکار جناب کے وُہ وفاتِ مسیح ایک مقدمہ اعتباری

ہوگیا ہی۔ پس صرف اس لحاظ سے حضرت اقدس نے بحکم آنکہ خصم راتا بخانہ باید رسانید۔ دلائل وفات مسیح کی اپنے رسائل میں مذکور فرما دیئے ہیں اور وہ بھی بطور نقض و معارضہ و تخلف وغیرہ کے جو سائل کا ہی فرض منصب ہے آپ اصول مناظرہ میں غور فرمائیے اور خلط مبحث نہ کیجئے۔ غرضکہ حسب آداب مناظرہ حضرت اقدس کسی طرح پر مدعی حقیقی اس مسئلہ متنازعہ فیہ میں نہیں ہو سکتے ہاں البتہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اُنکا ہی اور وہ اُسکے مدعی ہیں اور بار ثبوت اس دعوے کا انکے ذمہ ضرور ہے۔ جسکو ازالۃ الاوہام وغیرہ میں مفصلاً اور مشرحاً میں براہین فرمایا ہی مگر جب بحث حیات و ممات مسیح ختم ہو چکے گی تب آپ ثبوت اس دعوے کا اُن سے طلب فرما سکتے ہیں مگر اسوقت اس بحث کا چھیڑنا خلط مبحث کرنا ہے وہ بعد اس بحث حیات و وفات مسیح کے اُن سے ہو سکتی ہے و بس۔ **قولہ** اس قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے الخ۔

اقول مولانا حضرت اقدس مرزا صاحب نے تو آپکے اس قاعدہ کو جدید ہی فرمایا تھا مگر ہیچمدان نے اسکا اجدّ ہونا ثابت کر دیا اور کوئی محل استبعاد کا بھی نہیں رہا۔ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ صرف نون تاکید البتہ مضارع کو خالص مستقبل کر دیتا ہی لیکن جب لام تاکید بھی موجود ہو جو واسطے حال کے آتا ہے اور نون تاکید بھی تو ایسے صیغے میں نہ کوئی شیخزادہ اس بات کا قائل ہے کہ خالص استقبال کا ہونا ضروری ہے اور نہ کوئی سیّد زادہ یہ کہتا ہی۔ ازہری جو لکھتا ہی کہ لانہما تخلصان مدخولہما للاستقبال تو یہاں پر استقبال سے مراد صیغہ استقبال ہی نہ زمانہ استقبال۔ اور یہ بات تو زبان اطفال میزان خوان پر بھی جاری ہی کہ صیغہ حال ہیچو صیغہ استقبال است۔ اور ازہری نے اس مسئلہ کی دلیل بیان کی ہے اُس سے بھی مطلب ثابت ہوتا ہی کیونکہ اگر مراد اُسکی زمانہ استقبال ہوتی تو کہتا کہ ذلک ینافی المضی والحال۔ آگے ازہری نے جو یہ لکھا کہ ولا یجوز تاکیدہ بہما اذا کان مقضیا او کان المضارع حالا۔ الخ۔ تو اسکا صریح مطلب یہ ہے کہ اگر مضارع سے خالص حال مراد ہو اور استقبال مراد نہ ہو تو اس صورت میں صرف لام تاکید بغیر نون کے مضارع پر آویگا اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اگر حال و استقبال دونوں مراد ہوں تو بھی لام تاکید اور نون تاکید سے اُس مضارع کو مؤکد نہ کرینگے۔ خود فوائد ضیائیہ کے حواشی تکملہ عبد الحکیم وغیرہ میں اس بات کی تصریح کر دیگئی ہی کہ مراد فعل مستقبل

سے یہاں پر فعل مستقبل اصطلاحی ہی ملاحظہ فرماؤ ہوامش شرح جامی کی۔ علی ہذا القیاس جسقدر عبارات کتب نحو کی جناب نے نقل فرمائی ہیں اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس صیغہ میں لام تاکید معہ نون تاکید کے ہو تو وہ بالضرور خالص استقبال کے واسطے ہی آئیگا۔ ہاں البتہ اس قدر ثابت ہوتا ہی کہ صرف نون تاکید کے داخل ہونے سے صیغہ مضارع کا خالص استقبال کیلئے اکثر جگہ ہو جاتا ہے۔ پس جبتک کہ اجماع اکابر ائمہ نحویین کا درصورت اجتماع لام تاکید معہ نون تاکید کے اس بات پر آپ ثابت نہ کرینگے کہ سوائے زمانہ استقبال کے زمانہ حال کا مراد ہونا ممتنع ہی تب تک تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام رہے گی وابن ھٰذا یثبت من تلك العبارات المنقولة۔ اور بعد اس اثبات کے یہ بھی گذارش کیا جاویگا کہ صیغہ مستقبل کا مستعمل ہونا واسطے دوام تجددی یا استمرار کے علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے۔ وھٰذا ینا قض دعوا کم۔ پھر یہ قاعدہ جناب کا اجدّ نہیں تو کیا قدیم ہے۔ **قوله** خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحاۃ کا ہی اس قاعدہ پر الخ **اقول** اتفاق اور اجماع کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی ایک امام نحو کا قول بھی آپنے ایسا نقل نہیں فرمایا جس سے تقریب دلیل جناب کی تمام ہوتی۔ کما مر شرحه۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے آیات قرآن مجید کی جو ماخذ تمام علوم کا ہے اس بارہ میں تحریر فرمادیں اور تفاسیر معتبرہ مثل مظہری وغیرہ سے ثابت کر دیا کہ فان حقیقة الکلام للحال۔ **قوله** ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کیلئے لکھی ہیں الخ **اقول** ایہا الناظرین آیات سے بڑھ کر اور کس کا قول ہوگا۔ اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل۔ **قوله** مخفی نہ رہے الخ۔ مولانا یہ ایک اور دوسرا قاعدہ علم نحو میں اُس پہلے قاعدہ سے بھی زیادہ اجدّ آپ نے ایجاد کیا۔ بھلا کون سے قاعدہ نحو سے اِلّا یُؤْمِنُ صیغہ تحریض کا بغیر حرف تخصیص کے لائے ہوئے ہو سکتا ہی۔ اور قسم کے جواب مثبت میں جو باتفاق نحویین کے نون تاکید کا آنا بطور وجوب ولزوم کے لکھا ہے اُسکو بھی آپنے توڑ دیا۔ خود فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔ ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابه المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یوکدوا الفعل بامر منفصل عنه وھو القسم من غیر ان یوکدوہ بما یتصل به وھو النون بعد صلاحیة له انتھٰی موضع الحاجت۔ اور پھر باوجود توڑ دینے

اس وجوب ولزوم نحوی کے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اِلَّا یُؤْمِنُ نہایت ہی عمدہ ہے ایسی عمدہ عبارت کو چھوڑ کر بجائے اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ اختیار کرنا ہرگز نہیں چاہیئے تھا۔ ان ھٰذا الشئی عجاب اور اگر کوئی کہے کہ لَیُؤْمِنَنَّ میں بھی حرف تخصیص موجود نہیں ہی۔ پھر اسکو بیضاوی وغیرہ نے صیغہ تخصیص کا کیوں قرار دیا ہی تو جواب اسکا یہ ہی کہ اوّل تو بیضاوی نے لیؤمنن کو صیغہ تحریض کا نہیں کہا صرف کالوعید والتحریض کہا ہی۔ ثانیاً وجہ اسکی یہ ہی کہ مضارع مصدر بحرف تخصیص میں جو تخصیص ہوتی ہے اُس میں طلب ضرور ہوتی ہی۔ چنانچہ فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔ ومعناھا فی المضارع الحض علی الفعل و الطلب له فھی فی المضارع بمعنے الامر۔ اور نون تاکید بھی امر مطلوب کی ہی تاکید کرتا ہے۔ تکملہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ نون التاکید لایوکد الا مطلوبا۔ پس اس مناسبت سی بیضاوی نے صیغہ لیؤمنن کو کالوعید والتحریض قرار دیا ہی بخلاف صرف یؤمن کے کہ وہ کسی طرح پر صیغہ تحریض کا نہیں ہوسکتا ہے یہ مولانا صاحب کا بڑا تحکم ہی کہ ایک قاعدہ اپنی طرف سے ایجاد فرماکر پھر اس کے بموجب قرآن مجید میں اصطلاح لگائی جاتی ہی۔ باقی اُس اقولُ کا مقولہ آخر تک جو بیان فرمایا گیا ہے وہ محض بناء فاسد علے الفاسد ہے جسکا جواب اظہاراً للصواب مکرر سہ کرر گذر چکا ہی۔ اب ضرورت اعادہ جواب کی نہیں ہی۔ **قولہ** اس میں کلام ہے بچند وجوہ اوّل یہ کہ الخ۔

اقول جناب والا بار بار وہی ایک بات فرمائے جاتے ہیں جس کا ابطال حضرت اقدس مرزا صاحب بدلائل بیّنہ فرما چکے ہیں۔ **قولہ** دوم یہ کہ یہ قرأت ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہی الخ۔

اقول اوّل تو زمانہ نزول کا مراد لینا آپکے اقرار مندرجہ اوّل پرچہ کے خلاف ہی۔ اقرار یہ ہے کہ اِس بحث میں صعود و نزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا۔ ثانیاً آپ کی طرز استدلال کے بموجب صرف اسی آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کے قطعی الدلالت ہونے کی کیا وجہ ہے۔ تمام قرآن شریف کے وہ صیغے مندرجہ آیات جنمیں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ آئندہ میں ہی وہ سب آیات حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہوگئیں۔ تقریر اسکی بموجب استدلال جناب کے یوں ہوسکتی ہی کہ یہ معنے ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ اس صورت میں یہ معنے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں ایمان لے آویگا اور یہ معنے اول کے ساتھ

جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسٰے علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ سُبحان اللہ کیا عمدہ استدلال ہے۔ اے مخالفین حضرت مرزا صاحب مولوی محمد حسین وغیرہ تم کو مبارک ہو کہ ہمارے حضرت مولویصاحب نے کیا عمدہ طرز استدلال کا بموجب اصول موضوعہ جدیدہ علم مناظرہ کے ایجاد کر دیا ہے کہ تمام قرآن مجید کے ایسے صیغے جنمیں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ استقبال میں ہو حیات مسیح کیلئے دلائل قطعیۃ الدلالت ہو گئیں اب تم کو متعدد ایسے صیغے قرآن مجید میں ملجاوینگے جو مولویصاحب کی طرز استدلال کی طرح پر وہ سب کے سب حیات مسیح پر قطعیۃ الدلالت ہو جاوینگی۔ اب جو مشکلات مولوی محمد حسین وغیرہ کو بمقابل حضرت اقدس کے اس بحث میں پیش آرہی تھیں ہمارے مولانا صاحب نے وہ سب حل فرمادیں۔ سبحان اللہ استدلال ہو تو ایسا ہو۔ یہ فتح عظیم تم کو مبارک مبارک مبارک ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اب میں دو تین آیتیں اور مولویصاحب کیطرف سے دلیل قطعی حیات مسیح پر لکھے دیتا ہوں جو بموجب طرز استدلال مولویصاحب کے قطعی الدلالت ہیں مثلاً آیت فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ [1] جو مولویصاحب نے خالص استقبال کیواسطے اوّل پرچہ میں لکھی ہے وہ حیات مسیح میں قطعی الدلالت ہے۔ کیوں قطعیۃ الدلالت ہے۔ یوں ہے کہ جو شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے درحالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم زمانہ آئندہ میں البتہ زندہ رکھینگے اسکو ساتھ زندگی پاکیزہ کے اور البتہ بدلا دینگے ہم انکو ثواب انکا یہ معنے مولویصاحب کے معنوں کے کچھ مخالف نہیں اور مولویصاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول عیسٰے علیہ السلام مراد لیا جاوے پس یہانتک دلیل قطعی الدلالت کی تقریب تمام ہو چکی۔ اور مثلاً آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [2]۔

قطعی الدلالت ہے۔ کیوں قطعی الدلالت ہے۔ یوں ہے کہ نون ثقیلہ تو اسمیں موجود ہی ہے جو خالص زمانہ استقبال کے واسطے آتا ہے۔ پس یہ نصرت الٰہیہ مومنین صالحین اور مومنات صالحات کو زمانہ آئندہ میں ہوگی۔ اور یہ معنے مولویصاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسٰے علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ وہ تقریب دلیل کی تمام ہوگئی علیٰ ہذا القیاس۔ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] جسکو مولویصاحب نے واسطے اثبات قاعدہ نون ثقیلہ کے پرچہ اوّل میں لکھی ہے وہ بھی حیات مسیح پر بموجب طرز استدلال مولویصاحب کے قطعی الدلالت ہو سکتی ہے۔

[1] النحل: ۹۸　[2] الحج: ۴۱　[3] عنکبوت: ۷۰

ہیچمدان نے یہ دو تین آیتیں واسطے توضیح قاعدہ استدلال مولویصاحب کے بطور مثال کے لکھدیں تاکہ ہر ایک ادنیٰ طالب علم جو ترجمہ خوان قرآن مجید ہو حیات مسیح پر قرآن شریف سے بہت سی آیات قطعی الدلالت استخراج کر سکے۔ **قولہ** سوم یہ کہ یہ قرأت غیر متواترہ ہے الخ۔ **اقول** قرأت غیر متواترہ سے احتجاج نہیں کیا گیا بلکہ قرأت غیر متواترہ صرف واسطے تائید معنے قرأت متواترہ کے حسب اصول مفسرین لائی گئی ہے چنانچہ تمام مفسرین محققین اس قرأت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قرأت متواترہ کے اپنی تفاسیر میں لائے ہیں اُسی طرح پر حضرت اقدس مرزا صاحب اس قرأت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قرأت متواترہ کے لائے ہیں اور جناب والا نے جو روایات اس کل اپنے مباحثہ میں بیان و نقل فرمائی ہیں اُنکی رجال اسانید کی کچھ بھی توثیق و تعدیل بیان نہیں فرمائی۔ کیا یہ وجوب حضرت مرزا صاحب پر ہی ہے آپ پر واجب نہیں کہ اس مقام تحقیق میں اُن رجال اسانید کی توثیق و تعدیل حسب اصول علم اسماء الرجال بیان فرماتے۔ و دونہ خرط القتاد۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ[1] **قولہ** چہارم یہ کہ مرزا صاحب الخ **اقول** آیت مذکورہ چونکہ ذوالوجوہ ہی اس واسطے حضرت اقدس نے اُس کو دُوسری وجہ سے بھی تفسیر فرمایا ہی یعنے قبل موتہٖ کی ضمیر کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف بھی راجع کرکر وُہ تفسیر کی ہے اور وُہ معنے بیان کئے ہیں کہ جنپر کسی طرح کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ایسی آیات ذوالوجوہ کی تفسیر مختلف وجوہ سے کرنا ایک فقہ محمود ہے قال ابو الدرداء لا یفقہ الرجل حتّٰی یجعل للقرآن وجوھا۔ اور جناب کی طرح حضرت اقدس نے ایسی آیت ذوالوجوہ کو ایک وجہ میں محصور کرکر قطعی الدلالت ایک وجہ پر نہیں فرمایا۔ اور درصورت ارجاع ضمیر کی طرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے جو معنے آیت کے آپ کرتے ہیں اُسپر طرح طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پس کیا یہی مقتضائے دیانت و انصاف ہی کہ جو معنے انواع الواع اعتراضات کے مورد ہوں اُنپر تو اصرار کیا جائے اور جو معنے خالی از فساد ہوں انکو تسلیم نہ کیا جاوے۔ الحاصل درصورت ارجاع ضمیر کیطرف حضرت عیسےٰ کے اگر آپ وہ معنے جو حضرت اقدس نے ازالہ میں تحریر فرمائے ہیں تسلیم و قبول فرماتے تو نعم الوفاق سب نزاع طے ہوگیا۔ اور اگر اُن معنے خالی از فساد کو آپ تسلیم نہیں فرماتے تو اس وجہ سے کہ آپکے معنے مورد اعتراضات کثیرہ ہیں ارجاع ضمیر حضرت عیسےٰ کیطرف بسبب اُن فسادات کے نہیں ہوسکتا کتابی یا احدٌ مقدر کی طرف ضمیر رجوع ہو وے گی

[1] البقرۃ : ۴۵

جسکی تائید قرأت غیر متواترہ کرتی ہی۔ بعد التیا والتی حضرت اقدس نے ارجاع ضمیر کو طرف کتابی یا احد مقدر کی کسی جگہ اپنی تحریر میں غیر صحیح نہیں فرمایا اگر آپنے کسی تحریر میں دیکھا ہو تو بہ تصحیح نقل بیان فرمایا جاوے آگے رہی یہ بات کہ موت مسیح پر استدلال حضرت اقدس نے اس آیہ سے کیا ہی اُسکی نسبت یہ گذارش ہی کہ کسی جگہ اُس استدلال کو قطعی الدلالت نہیں فرمایا۔ جبکہ آیت ذو الوجوہ ہی تو نہ حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہوسکتی ہی اور نہ وفات مسیح پر۔ ادلہ وفات مسیح بطور تعین وقطع کے اور بہت ہیں جو اُوپر سابق میں گذر چکیں اور ازالہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مگر ایسی آیت ذو الوجوہ کو حیات مسیح پر قطعی الدلالت ٹھہرانا ہی تو مجادلہ ہے کہ جسمیں مناظرہ کا رائحہ بھی موجود نہیں ہی۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال غلط محض ہی بلکہ خالص مستقبل مراد ہے بچند وجوہ۔ **اقول** یہاں پر تو مولانا صاحب نے کمال ہی کیا ہی کہ نون ثقیلہ کے غلبہ ثقل خیال میں ترتیب آیات جو درایتاً و روایتاً مراد الٰہی ہی اسکو بھی غلط محض فرما دیا۔ درایتاً بیان اُسکا یہ ہے کہ آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ میں مولویصاحب کا نون ثقیلہ تو موجود ہے ہی نہیں جو خالص استقبال ہی مراد ہو اور حال مراد نہ ہوسکے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ قد نرٰی میں زمانہ حال مراد ہے اور فلنولینك قبلۃ ترضاها میں حرف فا داخل ہی جسکا فائدہ یہ ہی کہ قد نرٰی پر مترتب بلا مہلۃ ہووے مسئلہ نحو مجمع علیہ ہی کہ الفاء للترتیب ای للجمع مع الترتیب بلا مہلہ پس فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کا بھی حال ہی ہوا۔ اور فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں بھی وہی حرف فا موجود ہی جو باتفاق نحاۃ ترتیب بلا مہلت کے واسطے آتی ہی پس نظم ونسق آیات سے معلوم ہوا کہ قَدْ نَرٰى الآیہ پر فَلَنُوَلِّيَنَّكَ الآیہ بلا مہلۃ مترتب ہوا اور فَلَنُوَلِّيَنَّكَ الآیہ پر فَوَلِّ وَجْهَكَ الآیہ بلا مہلۃ مترتب اور متسبب ہوا کوئی فاصلہ زمانہ دراز یا کوتاہ کا درمیان ان آیات کے واقع نہیں ہی جو فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کو خالص زمانہ استقبال دراز یا کوتاہ کیلئے ہی قرار دیا جاوے۔ پس درایتاً ثابت ہوا کہ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ میں زمانہ حال مراد ہی جس کی مقدار مختلف اور مفوض الی العرف ہی اور روایتاً بیان اسکا یہ ہی حواشی بخاری شریف میں لکھا ہی۔ ثم اعلم ان الروایات اختلفت فی ان التحویل هل کان خارج الصلوٰة بین الظهر والعصر او فی اثناء صلوٰة العصر فالظاهر من حدیث البراء الذی سبق فی کتاب الایمان فی صفحہ ۱۰ انه کان خارج الصلوٰة حیث قال انه صلی الله علیه وسلم صلی اول صلوٰة صلّٰها الی الکعبة صلوٰة العصر الحدیث قال مجاهد وغیره نزلت

هٰذه الاٰية ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسجد نبى سلمه وقد صلى باصحابه ركعتين من صلوٰة الظهر فتحول فى الصلوٰة واستقبل الميزاب وحول الرجال مكان النساء والنساء مكان الرجال فسمى ذٰلك المسجد مسجد القبلتين كذا ذكره البغوى ثم قال وقيل كان التحويل خارج الصلوٰة بين الصلوٰتين ورجح الواقدى الاول وقال هٰذا عندنا اثبت ذكره فى المظهرى وقال فيه ايضاً فحديث البراء محمول على ان البراء لم يعلم صلوٰته صلى الله عليه وسلم فى مسجد بنى سلمة الظهر والمراد انه اول صلوٰة صلّٰها كاملا الى الكعبة انتهٰى والله اعلم۔ اور اگر مولویصاحب اسی بیضاوی کی طرف جس سے یہاں پر کچھ تھوڑا سا نقل عبارت کیا آخر عبارت تفسیر آیت تک رجوع فرماتے تو یہ مطلب اُسی سے واضح ہو جاتا۔ قال البيضاوى روى انه عليه السلام قدم المدينة فصلى نحو البيت المقدس ستة عشر شهرا ثم وجهه الى الكعبة فى رجب بعد الزوال قبل قتال بدر بشهرين وقد صلّٰى باصحابه فى مسجد بنى سلمة ركعتين من الظهر فتحول فى الصلوٰة واستقبل الميزاب وتبادل الرجال والنساء صفوفهم فسمى المسجد مسجد القبلتين اور ایسا ہی فتح البیان وغیرہ میں لکھا ہے۔ اور محشی عبد الحکیم نے جو فول وجهك کو انجاز وعد لکھا تو اُس نے یہ کب کہا ہے کہ اس انجاز وعد میں فاصلہ قصیر یا طویل زمانہ کا واقع ہوا ہے ایفاء وعد کو زمانہ حال جسکی مقدار مفوض الی العرف ہے کچھ منافی نہیں۔ اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر فَوَلِّ وَجْهَكَ زائد ولاطائل ہو جاویگا۔ تو گذارش یہ ہے کہ آیت فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ متعدد جگہ موجود ہے آپکے مسلک پر وہ بھی زائد ولاطائل ہوئی جاتی ہے۔ فما هو جوابكم فهو او فكذا جوابنا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ میں جو متوجہ گردانیم لفظ مضارع کیا گیا ہے وہ زمانہ حال واستقبال دونوں کو شامل ہے یہ جناب والا کا کمال فہم ہے کہ لفظ مضارع کو خالص استقبال کے واسطے فرماتے ہیں اور تراجم اُردو میں جو ترجمہ بلفظ استقبال کیا گیا اُس سے استقبال قریب مراد ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں ہم اُسی کو حال کہتے ہیں۔ کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ مقدار زمان الحال مختلف

بحسب الافعال ومفوض الی العرف۔ **قولہ** ارادہ حال اس آیہ میں بھی غلط ہی الخ **اقول** درحالیکہ استقبال قریب کے آپ بھی قائل ہیں اور کتب علم بلاغت مطول وغیرہ سے ثابت ہوچکا کہ زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اسکی مقدار باعتبار افعال کے مختلف ہی اور اسی وجہ سے مفوض الی العرف ہی تو بحث جناب کی ایک نزاع لفظی ہوگئی ہی جسکا بار بار تکرار کیا جاتا ہی جو آپکی شان سی نہایت بعید ہے اور میں حیران ہوں کہ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کہ جو بلفظ مضارع ہی آپ کیوں اُسکو خالص استقبال قرار دیتے ہیں اور ذرہ متنبہ نہیں ہوتے اور اسپر طُرّہ یہ ہی کہ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کو جو ابھی جلا دینگے ہم اُسکو ہی خالص استقبال کس طرح فرماتے ہیں۔ لفظ ابھی تو خالص حال کے واسطے آتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ لان ھذا الفھم البعید عن الصبی فضلا عن الفاضل الذی ہو نائب النبی۔ **قولہ** واضح ہو الخ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب ان معنوں کے لینے میں ہرگز منفرد نہیں تمام سلف وخلف اُمت بعض ان آیات کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کرتے چلے آتے ہیں کما مر تفصیلہ۔ **قولہ** اوّل یہ کہ الخ۔ **اقول** جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔ کہ جناب نے اس امر کو تو تسلیم فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنیوالوں کو اپنی راہیں مدام دکھلایا کرتا ہی فقط۔ اور یہ مسئلہ کتب علم بلاغت سے ثابت ہوچکا ہے کہ صیغہ مستقبل کا بحسب مقامات مناسبہ کے دوام تجددی اور استمرار کیواسطے مستعمل ہُوا کرتا ہی۔ پس اب گذارش یہ ہے کہ کیا وجہ کہ اس آیت کے ایسے ناقص اور ادھورے معنے کئے جاویں جو اس عادت مستمرہ کو شامل نہ ہوویں حالانکہ کتاب اللہ بلاغت میں طرف اعلیٰ حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہی اور حضرت نبی علیہ السلام فرماتے ہیں اوتیت جوامع الکلم اور سلمنا کہ آیت وعدہ ہے۔ لیکن وعدہ کو زمانہ حال یا استمرار سے کچھ منافات نہیں ہے۔ کیونکہ وعدہ زمانہ حال کے واسطے بھی کیا جاتا ہی اور بطور استمرار کے بھی وعدہ ہوسکتا ہی جیساکہ حضرت اقدس نے مشرحًا بیان فرمایا ہی۔ اور حضرت اقدس نے جو معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہی وہ صرف جناب کی خاطر سے کی ہی۔ بقول شخصے کہ خصم را تا بخانہ باید رسانید۔ چنانچہ الفاظ حضرت اقدس کے اسپر دال ہیں جو جناب نے بھی نقل فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کیا استقبال کے طور پر دوسرے معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب ہیں سی ایسا نہیں جو اپنی موت سی پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائیگا۔ **قولہ** دوم یہ کہ الخ۔ **اقول** مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ مضارع

لہ ص : ۶

کو خالص استقبال کیواسطے ٹھہرانا زبان فرس میں ایک جدید قاعدہ کی تجدید کرنی ہی۔ باقی ترجمتین کے جو بصیغہ مستقبل ہیں اُنکی نسبت وہی گذارش ہی کہ صیغہ مستقبل کا دوام تجددی کیواسطے مستعمل ہونا کتب علم بلاغت سی ثابت ہوچکا ہی۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال و استمرار قطعًا باطل ہی الخ۔ **اقول** مولانا صاحب صرف آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ[1] کا لوح محفوظ میں مکتوب ہونا جو جناب نے بحوالہ بیضاوی تحریر فرمایا اُسکی کچھ ضرورت نہیں تھی کیونکہ بیضاوی وغیرہ کی تفسیر کو تو آپ آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ میں محض غلط اور باطل فرما چکے ہیں یہ ہیچمدان جناب کی تائید کیواسطے یہ عرض کرتا ہی کہ کل قرآن مجید لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ۔ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ[2]۔ مگر گذارش یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو ازمنہ ثلثہ کا اعتبار کیا گیا ہی وہ وقت نزول سی کیا گیا ہی ورنہ اگر وقت کتابت لوح محفوظ کا لحاظ کیا جاوے تو تمام ازمنہ ثلثہ ماضی و حال و استقبال بلکہ استمرار سب استقبال ہی میں داخل ہیں پھر جناب والا کی تمام بحث عمدہ اور اصل جو نون ثقیلہ کی نسبت ہی محض بیکار ہوئی جاتی ہی۔ پس اندریں صورت جو آیات کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمائی ہیں اُنکا تو ذکر ہی کیا ہی اس بنا پر تو تمام صیغے ماضی و حال و استمرار مندرجہ قرآن مجید سب استقبال میں داخل ہیں اور یہ نزاع حال و استمرار کا محض بے سود۔ اگر آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ میں حضرت اقدس نے استمرار مراد لیا تو کتابت لوح محفوظ سی وہ بھی استقبال میں داخل رہا اور اس آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ میں بھی اگر حال یا استمرار مراد لیا تو وہ بھی کتابت لوح محفوظ سی استقبال میں ہی ہوا پھر یہ جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ارادہ استمرار قطعًا باطل ہی اسکے کیا معنے ہیں۔ استمرار بھی تو اس بنا پر استقبال ہی میں داخل ہی یہ تو ایسا استقبال ہی کہ کوئی زمانہ اس سی باہر رہ ہی نہیں سکتا اور ترجمہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو جو بلفظ مضارع ہی خالص استقبال کہنا جناب کا ہی کام ہی یہ ہیچمدان تو اس مسئلہ کو کہتی کہتی تھک گیا ؎ گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو + از شما یکتن نہ شد اسرار جو

ناظرین کو اب بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا بعد تین پرچوں کے بحث کا ختم کر دینا نہایت ہی ضروری تھا ورنہ اپنی اوقات کو مکرر سہ کرر صرف کرنا محض تضییع اوقات تھی کیونکہ مولوی صاحب کی اس بحث میں سوا اعادہ اُن امور کے جنکا جواب شافی و کافی اوّل ہی پرچہ میں ہو چکا اور رہا سہا بلکہ مکرر دوسرے پرچہ میں بھی اتمام حجت کیا گیا اور پھر پرچہ ثالث میں بھی بپاس خاطر مولانا صاحب کے سہ کرر جوابہائے شافی و کافی دیئے گئے۔ معہذا اگر اب بھی بحث ختم نہ کیجاتی تو اس ہیچمدان کو یہ بتلایا جاوے کہ وہ کونسا امر جدید جواب طلب پیش کیا گیا ہی جسکا جواب مکرر سہ کرر نہ ہو چکا ہو

[1] المجادلہ: ۲۲ [2] البروج: ۲۲، ۲۳ ۲۷۹

من حسن اسلام المرءِ ترکہ ما لا یعنیہ کا مضمون بھی تو پیش نظر حضرت اقدس کے رہتا ہے اور اسپر بھی آخر پرچہ سوم میں یہ بھی تحریر فرما دیا گیا کہ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کیطرف سے منصفانہ رائیں شائع ہونگی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی مؤید ہو پیدا ہو جائیگی تو اُس تصفیہ کے بعد آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپکا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں جبکہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہو سکتی ہے میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں فقط۔ ایہا الناظرین باوجود اسکے مولویصاحب کا بھوپال میں واپس تشریف لاکر بر ملا مجالس وعظ وغیرہ میں ہر کہ و مہ کے سامنے یہ اشتہار دینا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب مقام دہلی سے میرے مقابل نہ ٹھہر سکے اور گریز کر گئے کیسا اپنے موقع اور محل پر ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔ باقی ترجمتین کے الفاظ جو بلفظ استقبال ترجمہ کئے گئے ہیں اُن سے مراد دوام تجددی ہو سکتا ہے کما مر غیر مرۃ۔ **قولہ** اول یہ کہ الخ۔ **اقول** آیت میں حرف فاء جو واسطے ترتیب بلا مہلت کے آتا ہے موجود ہے۔ پس جسوقت کوئی شخص مرد ہو یا عورت عمل نیک کرے درحالیکہ وہ مومن ہو تو اُسکے واسطے بلا مہلت حیٰوۃ طیبۃ متحقق ہو جاتی ہے ورنہ حرف فاء لغو ہو جاویگا۔ تفسیر ابن کثیر سے جو آپنے معنے نقل فرمائے وہ بھی اسی مطلب کو ثابت کر رہے ہیں۔ دیکھو اُسمیں صاف لکھا ہے کہ بان یحیی اللہ حیٰوۃ طیبۃ فی الدنیا ہاں البتہ لنجزینّھم کو صاحب تفسیر ابن کثیر نے واسطے حاصل ہونے تاسیس کے آخرۃ کے واسطے لکھا کیونکہ یہ ایک مسئلہ علم بلاغت کا ہے کہ التاسیس خیر من التاکید ہم بھی یہاں استقبال ہی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپکے قاعدہ نون ثقیلہ کے نقض کیواسطے تو صرف ایک صیغہ قرآن مجید کا جو واسطے حال یا استقبال یا استمرار کے آیا ہو کافی ہے کیونکہ آپ التزاماً ہر جگہ ایسے صیغے میں استقبال مراد لیتے ہیں پس موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہی آتا ہے جو یہاں صادق ہے پس موجبہ کلیہ غیر صادق ہوگا۔ اور حضرت مرزا صاحب ایسے صیغے میں صرف زمانہ حال یا خالص استقبال یا فقط استمرار التزاماً ہر جگہ مراد نہیں لیتے بلکہ بحسب مقتضائے مقامات مناسبہ کہیں حال مراد ہوتا ہے اور کہیں استقبال اور کسی جگہ دوام تجددی مراد ہوتا ہے پس اس مسلک کے نقض کیواسطے کتنے ہی صیغے آپ ایسے نقل فرمائیں جنمیں خالص استقبال مراد ہو تو حضرت اقدس کے صراطِ مستقیم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ وہ التزاماً کوئی خاص ایک زمانہ ایسے صیغے میں ہر جگہ مراد نہیں لیتے۔ **قولہ** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ الخ۔ **اقول** لا نسلم اما اولاً آنکہ المعتبرۃ

لعموم اللفظ لالخصوص السبب۔ قاعدہ مسلمہ اہل اصول کا ہے پس کیا ضرورت ہے کہ اس آیت سے سوائے مہاجرین وانصار کے اور کوئی ناصر مُراد نہ ہوسکے۔ ثانیاً آنکہ سلمنا کہ مہاجرین و انصار ہی مراد ہیں لیکن جسوقت سے کہ مہاجرین و انصار نے اللہ اور اُسکے رسول کی نصرت کرنی شروع کی اسیوقت سے نصرت الٰہیہ شامل حال اُنکے ہوگئی تھی اگرچہ نصرت تامہ کاملہ الٰہیہ کا ظہور تامہ کسی قدر زمانہ کے بعد عوام پر ظاہر ہوا ہو۔ ثانیاً آنکہ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ سلمنا لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ بعدیت منفصلہ ہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ بعدیت متصلہ ہو۔ تقدم ذاتی اور تاخر ذاتی کا مسئلہ جو بین المنطقین مشہور و معروف ہے بنظر و لحاظ فضل و رحم ارحم الراحمین کے یہاں پر کیوں نہیں مراد ہوسکتا۔ حرکت مفتاح اگرچہ حرکت ید کے بعد متحقق ہوتی ہے لیکن ان دونوں حرکتوں میں کوئی فاصلہ زمانہ دراز کا نہیں ہوتا۔ معہذا کہتے ہیں کہ حرکت ید مقدم ہے اور حرکت مفتاح متأخر اگر ایسی ہی قبلیت و بعدیت آپکی مراد ہے تو پھر یہ سب ایک نزاع لفظی ہوا جو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ بھی مُضر نہیں ہے اور تراجم ثلثہ کی کیفیت ناظرین کو پہلے معلوم ہوچکی۔ **قولہ** یہاں بھی مستقبل مراد ہے الخ۔ **اقول** وعد اور موعود میں جو قبلیتہ اور بعدیتہ ہے اُسکا حال معلوم ہوچکا اور تراجم ثلثہ کا حال بھی مکرر سہ کرر لکھا جاچکا حاجت اعادہ کی نہیں ہے اور یہاں عادت مستمرہ ہونے میں کونسا محذور لازم آتا ہے بیان فرمایا جاوے۔ **قولہ** بالا معلوم ہوچکا۔ **اقول** نہ کچھ بالا معلوم ہوا اور نہ کچھ زیر معلوم ہوا بلکہ قاعدہ نون ثقیلہ کا بالکل تہ و بالا ہوچکا۔ **قولہ** ان لوگوں کی کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں الخ۔ **اقول** آپ تمام قرآن مجید میں سے ایک ہی صیغہ ایسا بتلادیں جسمیں اللہ تعالیٰ نے یا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کردی ہو کہ اس صیغہ میں سوائے استقبال کے اور کوئی زمانہ مراد نہیں تو پھر ہم بھی ایسی تصریح کہیں تلاش کرینگے مولانا صاحب اہل لسان جو صیغے مضارع وغیرہ کو اپنی کلام میں استعمال کرتے ہیں اُس کلام میں کہیں یہ تصریح نہیں ہوتی ہے کہ یہاں پر ہماری مراد حال ہے یا استقبال یہ فہم تو اہل لسان اپنے محاورات کے بموجب سمجھ لیتے ہیں اور غیر اہل لسان حسب قواعد صرف و نحو و علم بلاغت وغیرہ سمجھتے ہیں اور ہم نے اُوپر ان سب علوم سے ثابت کردیا کہ ان صیغوں میں حال بھی مراد ہوسکتا ہے اور استمرار بھی مظہری وغیرہ سے مصرحاً گذرچکا کہ فان حقیقۃ الکلام للحال اور حضرت اقدس نے جو اس آیہ میں معنی استقبال بطور امکان کے تجویز فرمائے ہیں تو صرف الزاماً افحام مخالفین کیلئے تجویز کئے ہیں۔ **قولہ** تو جواب یہ ہے کہ بیشک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر الخ۔ **اقول** یہاں پر یہ تو جناب نے اقرار فرمالیا کہ بیشک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر البتہ ردّ نہ ہوسکیگا۔

مگر ثانیاً آپ جو فرماتے ہیں کہ اسکا رد منوط ہوگا۔ **قولہ** امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہوچکا الخ **اقول** اس رد کا جواب ہیچمدان کی تقریر سے اوپر ہوچکا پس فیصلہ شد۔ **قولہ** میرا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں الخ **اقول** آپکی خاطر سے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپکا مطلب صرف اسقدر رہی ہی کہ یہ معنی جو ہیں نے اختیار کئے ہیں اُسطرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہی مگر یہ تو ارشاد ہو کہ جب آپکے معنے کیطرف صرف ایک ہی جماعت گئی ہی اور دیگر جماعت صحابہ و تابعین اور ہزارہا مفسرین محققین دوسرے معنوں کیطرف گئے ہیں اور اُن معنوں کو بہ براہین میرہن کیا ہی اور آپکے معنوں کو مرجوح طور پر بیان کرتے ہیں تو کیا آپکے اختیار کرلینے سے ایک معنے مرجوح کو وہ معنے قطعی الدلالت ہوسکتے ہیں جو آپکے غیر پر حجت قطعی ہوسکیں ایسے معنی مرجوح کو اختیار کرکر اپنے غیر پر حجت قطعی گردانا یہ تو صریح ایک تحکم ہی۔ **قولہ** میری ادلہ کا قوی ہونا الخ **اقول** ان ادلہ کا اوھن من بیت العنکبوت ہونا ثابت ہوچکا۔ پس یہ آپکا فرمانا بجائے خود نہیں ہی۔ **قولہ** آپنے نون ثقیلہ کے بارہ الخ۔ **اقول** آیات محکمات جو نون ثقیلہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں معہ حوالہ تفاسیر کے وہ قیامت تک قائم رہینگی اور جو کوئی اُنکا مقابلہ کریگا وہ ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہوجاویگا۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ **قولہ** جب یہ امر ثابت ہوگیا الخ۔ **اقول** یہ امر ثابت نہیں ہوا کہ نون تاکید جو معہ لام تاکید کے مضارع میں داخل ہوالتزاماً وہ خالص زمانہ استقبال کیلئے کردیتا ہی تو پھر تعمیم کیونکر قائم نہ رہیگی۔ **قولہ** آپنے اُن معنے کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہی الخ **اقول** یہ معنے غیر صحیح ہیں کیونکہ اس صورت میں ایک ایسے لفظ کی تخصیص جسمیں عموم در عموم نے بلا وجود مخصص کے کرنی پڑتی ہی اول تو لفظ اہل کتاب کا ایک ایسا عام لفظ ہی جو ہر زمانہ کے اہل کتاب کو شامل ہی جو اہل کتاب کہ اس بات کے قائل تھے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اور جو مصداق ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ[1] اُن سے لیکر آنحضرت صلعم کیوقت کے اہل کتاب اور جو قیامت تک موجود ہونگے سب کو شامل ہی ایک عموم تو یہ ہوا اور دوسرا عموم یہ ہی کہ من اہل الکتاب ترکیب نحوی میں صفت واقع ہوا ہی احدٌ مقدر کی پھر احدٌ جو نکرہ محضہ ہی حیز نفی میں واقع ہوا ہی جو مفید استغراق ہے ارشاد الفحول میں لکھا ہی جسکا خلاصہ یہ ہے۔ النکرۃ فی النفی تعم سواء دخل حرف النفی علی فعل نحو ما رایت رجلا او علی الاسم نحو لا رجل فی الدار ولو لم یکن لنفی العموم لما کان قولنا لا الہ الا اللہ نفیاً لجمیع الآلھۃ سوی اللہ سبحانہ فتقرر ان المنفیۃ

بما اولن اولم اولیس اولا مفیدۃ للعموم- والنکرۃ المنفیۃ ادل علی العموم منہا
اذا کانت فی سیاق النفی- والصفی الهندی قدم النکرۃ علی الکل-یعنی علی کل
صیغہ العام اورطرق قصر سے طریق نفی واستثناء بھی اسمیں موجود ہی جو ایک مسئلہ علم بلاغت کا ہی- پس
ایسے لفظ عام کو جسمیں اسقدر عموم در عموم مراد الٰہی ہی ایک شرذمہ قلیلہ اہل کتاب کے ساتھ بلاوجہ مخصص کے
مخصوص کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا اگر یہ عموم مراد الٰہی نہ ہوتا تو کلام مجید جو بلاغت میں حداعلیٰ اعجاز کو پہنچ گیا ہے
ایسے خاص معنے ومراد کو ایسے الفاظ عامہ سی بیان نہ فرماتا اور ابو مالک کے قول کی توجیہ جو جناب فرماتے ہیں وہ
مصداق ہی توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے- کیونکہ الفاظ قول ابو مالک کے یہ ہیں ذٰلک عند نزول عیسیٰ
بن مریم علیہ السلام لا یبقی احد من اهل الکتب الا اٰمن بہ- اس قول میں تو تصریح
ہے عند نزول کی یعنے نزدیک وقت نزول کے جملہ اہل کتاب ایمان لے آوینگے- جناب ذرہ غور سے ملاحظہ
فرماویں- **قولہ** حاصل میری کلام کا یہ ہی الخ- **اقول** جبکہ آپ ہی کے جناب کے نزدیک یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مسیح کے
نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آوینگے تو پھر یہ قول ابو مالک کا آپنے واسطے احتجاج اپنے مدعا
کے کیوں نقل فرمایا ہی کہ ذٰلک عند نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام- اور ایسے زمانہ کا آنا جس
میں بسیط الارض پر کوئی کافر نہ رہے آیات بینات قرآن مجید کی جو سابق مذکور ہوئیں اُسکو رد کر رہی ہیں-
قولہ دوم یہ کہ الخ **اقول** جبکہ ایمان سی مراد ایمان شرعی نہیں بلکہ یقین مراد ہی تو پھر کہاں گیا وہ دعویٰ کہ
جملہ اہل ملل ونحل عیسیٰ بن مریم کے وقت میں اسلام میں داخل ہو جاوینگے اور دفع تعارض جو کیا کرتے ہیں تو
ایسی وجوہ سی کہ مناقض مدعا نہ ہوں وہ کیا دفع تعارض ہوا کہ جس سے اور مفاسد دیگر پیدا ہو جاویں دفع تعارض
کے واسطے آپ کہاں سی کہاں چلے جاتے ہیں ذرہ غور کر کر دفع تعارض فرمایا کیجئے- **قولہ** جس زمانہ کیلئے یہ
حصر کیا گیا ہی الخ- **اقول** مولانا بحث تو اسمیں ہی کہ جو لفظ ایسا عام ہو کہ جسکا عموم کئی وجوہ سی بیان کیا گیا ہو
کما مر بیانہ وہ عام تمام اپنے افراد کو شامل ہوتا ہی جبتک کہ کوئی مخصص اُسکا پیدا نہ ہو- یہاں پر صرف ایک نون
ثقیلہ پیدا ہوا تھا اگر وہ خفیفہ نہ ہو جاتا تو شاید کسی وجہ سے کسیقدر تخصیص حاصل ہو سکتی مگر اُس نون ثقیلہ کی کیفیت خفت
معلوم ہو چکی تو اب کوئی بھی مخصص باقی نہ رہا- پس اندریں صورت تخصیص کی کیا وجہ ہی کہ مراد تو ہوں ایک زمانہ
نامعلوم کے اہل کتاب اور انکو ایسے صیغہ عام در عام سی بیان فرمایا جاوے- حصول المامول میں لکھا ہی ولا شک
ان الاصل عدم التخصیص- پس ایسی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ مخاطب تخصیص کرتے کرتے بھی

تھک جاوے اور پھر معہذا اس تخصیص در تخصیص کا نام پورا حصر رکھا جاوے پورے حصر کے معنے تو استغراق جمیع افراد سے حاصل ہوتے ہیں نہ تخصیص در تخصیص سے یہ بھی ایک اصطلاح جدید علم اصول فقہ کی جناب نے پیدا کی ہے ان ھٰذا لشیئ عجاب[1]۔ **قولہ** بلکہ یہ تو مقتضی نون ثقیلہ و لفظ بعد موتہ کا ہے جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہے الخ۔ **اقول** مولانا اب تو سرے سے مقتضی ہی نہ رہا۔ پھر مقتضی کہاں ہو سکتا ہے اور پھر یہ کیونکر ہو سکیگا کہ ادھر تو الفاظ عموم در عموم کے بیان کئے جاویں اور ادھر خصوص در خصوص مراد ہو یہ تو تناقض ہوا جاتا ہے وتعالیٰ کلام اللہ عن ذٰلک علوا کبیرا۔ واضح ہو کہ مولوی صاحب کی عبارت میں لفظ بعد موتہ غلط لکھا گیا ہے قرآن مجید میں قبل موتہ ہے اور چونکہ لفظ احد کامل درجہ کا نکرہ ہے لہذا اسکی نفی حسب قواعد نحو و علم بلاغت کے بحرف اِنْ کامل استغراق کو ہوگی جو جناب کے مدعا کے مخالف ہے۔ **قولہ** اور ایسا ہی انکا یہ فرمانا الخ **اقول** مولانا صاحب ظاہر ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[2] واسطے حیات مسیح کے مسوق نہیں ہے جو حیات میں نص ہو بلکہ حیات کا تو اُسمیں ذکر بھی نہیں موت کا ہی ذکر ہے پس جناب کا استدلال کرنا اس آیہ سے بطور اشارۃ النص وغیرہ کے ہوگا پس جملہ اہل کتاب کا ایمان لانا قبل موت مسیح بن مریم کے آپکے استدلال کا ایک مقدمہ ہوا اور اُس مقدمہ کی نسبت اب آپ ایسا کچھ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نہ میں مدعی اُنکے ایمان کا ہوں اور نہ مدعی اس امر کا کہ مراد ایمان سے یقین ہے مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپنے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہے۔ فقط **اقول** مولانا یہ تو سب آپکی دلیل کے مقدمات تھے جبکہ اثبات مقدمات اپنی دلیل سے دست بردار ہوگئے تو پھر دلیل دلیل کب قائم رہ سکتی ہے کیونکہ دلیل موقوف اثبات مقدمات پر ہوتی ہے مثل ثبت العرش ثم انقش۔ اور رفع تناقض اگر منظور تھا تو ایسی وجوہ سے رفع فرمایا جاتا جسمیں اور مفاسد پیدا نہ ہوتے۔ یہاں پر تو آپکی رفع تناقض سے اور مفاسد پیدا ہوگئے حتیٰ کہ بسبب انہیں مفاسد کے آپ خود اثبات مقدمات دلیل اپنی سے دست بردار ہوگئے پھر دلیل کیونکر دلیل باقی رہی کہ المقدمۃ ما یتوقف علیہ صحت الدلیل اعم من ان یکون جزءاً من الدلیل ام لا۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ جو اسجگہ ہیچمدان اور حکیم نور الدین صاحب کو حکم تسلیم کرتے ہیں تو اب ہیچمدان اور حکیم نور الدین کیا فیصلہ کرینگے بجز اسکے کہ جو آپنے خود ارشاد فرمادیا اور اپنی مقدمہ دلیل سے دستبردار ہوگئے پس دلیل بھی دلیل نہ رہی **قولہ** اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں صادق عدہ ہے الخ **اقول** مولوی صاحب نے مسئلہ نسخ اور تخصیص میں خلط ملط کر دیا لہذا اولاً یہ ہیچمدان تعریف عام و خاص کی اور جو تخصیص و نسخ میں فرق ہے علم اصول سے لکھتا ہے تاکہ ناظرین کی سمجھ میں بخوبی

[1] ص: ۶ [2] النساء: ۱۶۰

آجائے کہ یہانپر تخصیص مطلوب مولویصاحب کی جاری نہیں ہوسکتی۔ ارشاد الفحول میں لکھا ہے وفی الاصطلاح العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع مایصلح لہ بحسب وضع واحد دفعۃ والخاص ھو اللفظ الدال علی مسمی واحد اعم من ان یکون فردًا اونوعًا اوصنفًا وقیل مادل علی کثرۃ مخصوصۃ ومن الفروق بین النسخ والتخصیص ان التخصیص لایکون الا لبعض الافراد والنسخ یکون لکلھا۔ اب گذارش یہ ہے کہ آیات بیّنات سے بطور اخبار کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں قیامت تک کچھ نہ کچھ کافر بھی موجود رہینگے قال اللہ تعالی وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ایضًا قال وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ[۲] اب باوجود اس اخبار اللہ تعالی کے آپ یہ فرماتے ہیں کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسےؑ کے سب اہل کتاب مومن ہوجاوینگے اور یہ آیت مخصص واقع ہوئی ہے اُن آیات بیّنات کی۔ مولانا صاحب اگر آپ ان دونوں آیتوں میں واسطے توفیق مفاہیم مختلفہ کے تخصیص کے قائل ہیں تو ظاہر ہے کہ جناب کے معنے عام ہیں العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع مایصلح لہ الخ۔ اور مفہوم آیت لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ الآیہ کا خاص ہے کہ الخاص مادل علی کثرۃ مخصوصۃ اوکما قیل۔ پس بموجب فروق مذکورہ بالا کے مفہوم آیت لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ الآیہ کا جو خاص ہے آپکے معنے عام کا مخصص ہوسکتا ہے نہ برعکس لان التخصیص لایکون الا لبعض الافراد۔ لیکن اندریں صورت اس تخصیص سے کوئی فایدہ مترتب نہیں ہوتا کیونکہ اس تخصیص کا مطلب یہ ہوا کہ آیندہ ایک خاص زمانہ میں بعض اہل کتاب ایمان لے آوینگے حالانکہ بعض اہل کتاب تو ہر زمانہ میں ایمان لائے ہوئے ہیں۔ علاوہ یہ کہ اگر اسکے برعکس تخصیص مانی جائے تو وہ نسخ ہوا جاتا ہے تخصیص نہیں رہتی اور نسخ اخبار میں عند الاصولین درست نہیں ہے۔ ایہا الناظرین مولویصاحب نے اس مسئلہ میں غور نہیں فرمایا اسواسطے اشتباہ والتباس واقع ہوگیا کہ جو آیت خاص تھی اور مخصص ہوسکتی تھی اُسکو عام قرار دیدیا اور جو آیت کہ عام تھی اُسکو خاص یا مخصوص فرمادیا۔ فتاملوا وانظروا واعتبروا یااولی الابصار۔ **قولہ** دوم احادیث صحیحہ سے ثابت ہے الخ۔ **اقول** مولویصاحب آیت کا تو یہ مفہوم ہے کہ مومنین متبعین قیامت تک فایق رہینگے اور کافر قیامت تک مغلوب رہینگے اور مضمون احادیث کا یہ ہے کہ وقت قیام قیامت کے سب شریر رہجاوینگے ان دونوں مفہوموں میں کسی طرح کا تعارض نہیں معلوم ہوتا جو تخصیص یا نسخ کے طور پر ان دونوں مفہوموں میں توفیق کیجاوے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دفعۃ واحدۃ جملہ مومنین متبعین کو اللہ تعالی اپنی طرف اٹھالے اور بقیہ

[۱] یوسف: ۱۰۴ [۲] ھود: ۱۱۹

شرار الناس پر اسوقت سے قیامت قایم ہوجاوے چنانچہ اس درایت کی روایت صحیح بھی مؤید ہے۔ ثم یبعث اللہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقیٰ من الاخیر فیہ فیرجعون الیٰ دین اٰبائھم رواہ مسلم۔ پس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ مومنین متبعین کا وجود جبتک دنیا میں رہیگا قیامت تک ساتھ غلبہ کے رہیگا اور کافر مغلوب رہینگے اور جبکہ مومنین متبعین کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالیگا تب اُسوقت سے بقیہ شرذمہ کفار پر قایم ہوگی۔ پس ثابت ہوگیا کہ وجود کفار بھی الیٰ یوم القیامۃ رہیگا جنپر قیامت قائم ہوگی اور وجود مومنین متبعین بھی جو کفار پر وقت قیام قیامت غالب رہینگے رہیگا اور نزدیک قیام قیامت کے کچھ قبل اسکے ریح طیبہ سے مومنین اٹھائے جاوینگے اسمیں کوئی تناقض نہیں۔ ثانیاً یہ گذارش ہے کہ سلمنا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے اور احادیث صحیحہ مثل لا تقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الخلق وغیرہ اُسکی مخصص ہیں لیکن چونکہ آیت مستغرق تھی کل افراد زمانوں کیواسطے اور حدیث خاص ہے واسطے وقت قیام ساعت کے پس یہ احادیث خاص اُس آیت عام کی مخصص ہوگئیں لیکن اس تخصیص سے مدعا کو کیا فایدہ ہوا۔ مانا کہ آیت مخصوص البعض ہے لیکن بعد اس تخصیص کے بقیہ افراد ازمنہ کو جسمیں مسیح بن مریم کا زمانہ بھی داخل ہے شامل رہیگی اور شمول وعموم اُسکا زمانہ مسیح بن مریم کیواسطے حجت رہیگا کتب اصول میں یہ مسئلہ مصرح کیا گیا ہے حصول المامول مولفہ حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم ومغفور کی عبارت یہانپر نقل کیجاتی ہے۔ واما اذا کان التخصیص بمبین فقد اختلفوا فی ذٰلک علی اقوال ثمانیۃ منھا انہ حجۃ فی الباقی والیہ ذھب الجمھور واختارہ الامدی وابن الحاجب وغیرھما من محققی المتاخرین وھو الحق الذی لا شک فیہ ولا شبہۃ لان اللفظ العام کان متناولا للکل فیکون حجۃ علی کل واحد من اقسام ذٰلک الکل ونحن نعلم بالضرورۃ ان نسبۃ اللفظ الی کل الاقسام علی السویۃ خراج البعض منھا مخصص لا یقتضی اھمال دلالۃ اللفظ علی ما بقی ولا یرفع التعبد بہ وقد ثبت عن سلف ھٰذہ الامۃ ومن بعدھم الاستدلال بالعمومات المخصوصۃ وشاع ذٰلک وذاع وقد قیل انہ ما من عموم الا وقد خص وانہ لا یوجد عام غیر مخصص فلو قلنا انہ غیر حجۃ فی ما بقی للزم ابطال کل عموم ونحن نعلم ان غالب ھٰذہ الشریعۃ المطھرۃ انما تثبت بعمومات۔ پس اس تخصیص سے کہاں ثابت ہوتا ہے وہ دعویٰ کہ مسیح بن مریم کیوقت میں سب اہل ملل ونحل اسلام میں داخل ہوجاوینگے **قولہ** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے الخ **اقول** حسب قواعد علم اصول فقہ کے جو عام وخاص ہیں بظاہر ایک قسم کا

تعارض ہوا کرتا ہی لہذا واسطے توفیق کے عام کو عام مخصوص البعض کرلیا کرتے ہیں! ور واضح ہو کہ تعارض کیواسطے یہ بھی شرط ہی کہ ہر دو ادلہ بہمہ وجوہ درجہ مساوی پر ہوں یہ مسئلہ بھی کتب اصول میں مبین ہی پس اب گذارش یہ ہے کہ آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ بچند وجوہ ذوالوجوہ ٹھہر چکی ہی تو اندریں صورت کیونکر مخصوص ہوسکتی ہی اُس آیہ کے جو ذوالوجوہ نہیں یعنے مثلاً یہ آیت فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[1]۔ اور اگر تخصیص بھی مابین ان دونوں آیتوں کے تسلیم کیجاوے تو چونکہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ عام تھی اور آپ بھی اُسکے عموم کے واسطے ایک زمانہ کے قائل ہیں اور آیت واغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ۔ وغیرہ کا مخصوص خاص ہے کہ الخاص ما دل علی کثرۃ مخصوصۃ اندریں صورت خاص یعنی آیت ثانی عام یعنے آیت اوّل کی مخصص ہوویگی نہ برعکس کہ عکس القضیہ ہُوا جاتا ہے کما مرّ۔ **قولہ** اسی واسطے اس آیہ کو قطعی الدلالۃ لذاتہا نہیں کہا گیا۔ **اقول** جبکہ جناب والا بسبب ذوالوجوہ ہونے کے آیت تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا[2] کو قطعی الدلالت لذاتہا نہیں کہتے تو پھر آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ کو کیوں قطعی الدلالت فرماتے ہو کیونکہ آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ بہ نسبت لفظ کہل کے زیادہ تر ذوالوجوہ ہے۔ اوّل تو ضمیر بہ میں روایتاً و درایتاً بہت سا کچھ اختلاف ہے پھر ضمیر قبل موتہ اختلاف کثیر ہے پھر لفظ اہل کتاب میں بھی بہت اختلاف ہی پھر یہ آیت کیونکر قطعی الدلالت ہوگئی اور وہ نہ ہوئی لان ھٰذا ترجیح بلا مرجح۔ اور دلیل کی دو قسمیں جو باعتبار دلالت کے آپ کرتے ہیں۔ ایک قطعی الدلالت فی نفسہا اور دُوسری قطعی الدلالت لغیرہا یہ ایک اصطلاح جدید ہے، جو دُوسرے پر حجت نہیں کما مر غیر مرۃ۔ **قولہ** مسلّم ہی کہ آیت اِنِّي مُتَوَفِّيْكَ الخ۔ **اقول** آپ خود قسطلانی سی نقل فرما چکے ہیں کہ التوفی اخذ الشئ وافیا والموت نوع منہ اس سی معلوم ہُوا کہ موت میں بھی اخذ شئی وافیاً ہُوا کرتا ہی کیونکہ والموت نوع منہ۔ **قولہ** آپکو نزول عین عیسٰے بن مریم سی الخ۔ **اقول** مولانا مجھ کو یہ افسوس آتا ہی کہ آپ ہمیشہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر مباحثہ کرونگا۔ تو بعد دیکھنے تمام ازالہ اوہام کے۔ لیکن افسوس یہ ہی کہ آپنے ازالہ اوہام کو اوّل سے آخر تک مطالعہ نہ فرمایا سرسری طور پر دو ایک مقام دیکھ لئے اور مباحثہ قائم کرلیا۔ جس کا انجام یہ ہُوا کہ بہت سے امور کی بحث آپکی جانب سے ایک تکرار بے سود رہی۔ ازالہ اوہام اگر آپ مطالعہ فرماویں تو جناب کو صدہا صوارف ایسے قوی ملجاویں کہ معنے حقیقی ابن مریم کے ان صوارف کیوجہ سے ہرگز نہیں لے سکتے۔ مثلاً ایک صارف یہ ہیچمدان سابق لکھ چکا کہ خود صحیحین کی حدیث اُس مسیح بن مریم کی صفت واماکم منکم واقع ہی اور صحیح مسلم میں باسانید صحیحہ

[1] المائدہ : ۱۵ [2] المائدہ : ۱۱۱

فامکم منکم بھی ہے جو سب احتمالات کو قطع کرتا ہے کما مر سابقا۔ **قولہ** اس حدیث کو قطعی الدلالت نہیں کہا گیا صرف تائید کیلئے لائی گئی ہے۔ **اقول** جبکہ اس حدیث کی معارض احادیث متفق علیہ موجود ہیں تو پھر یہ حدیث بمقابلہ احادیث متفق علیہ کے ساقط رہے گی پھر تائید کے کیا معنے خصوصًا اس حالت میں کہ درصورت عدم مخالفت وتعارض احادیث متفق علیہ کے بھی فی نفسہ وہ حجت نہیں ہوسکتی ہے۔ کما مر۔ **قولہ** آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل الخ۔ **اقول** آپ ملاحظہ فرمائیے ازالہ اوہام اور نیز جو اسمیں افادات البخاری لکھے ہیں انکو مطالعہ فرمایئے تاکہ مخالف تعلیم قرآن بھی ثابت ہو جاوے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ تمت۔

مولوی محمد بشیر صاحب کے پرچہ ثالث پر سرسری نظر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ امابعد واضح خاطر عاطر ناظرین منصفین ہو کہ پرچہ ہائے ثلثہ مولویصاحب کے جوابات حضرت اقدس مرزا صاحب کیطرف سے ایسے شافی وکافی دیئے گئے ہیں کہ اب حاجت جواب دینے کی باقی نہیں رہی کیونکہ مولانا صاحب نے اس پرچہ ثالث میں بھی اعادہ انہیں ابحاث کا کیا ہے جنکا جواب حضرت اقدس کیطرف سے مکرر ہو چکا لیکن چونکہ مولویصاحب کیطرف سے مکرر سہ کرر درخواست مباحثہ از ہیچمدان اس اقرار سے واقع ہوئی کہ اگر مجھ کو اس مسئلہ متنازعہ فیہا کا حق ہونا اب بھی ثابت ہو جاویگا تو میں بالضرور قبول کرلونگا۔ لہذا ادھر سے بھی اظہار اللحق والصواب جوابہائے شافی وکافی بامید مضمون اذا تکرر تقرر کرکے مکرر سہ کرر دیئے جاتے ہیں شاید کہ مولانا صاحب حسب اقرار خود اس حق کو قبول فرمالیں۔ اوّل میں اُن تمام احادیث کا فیصلہ قطعی مجملاً چند سطور میں کرنا چاہتا ہوں جو اسوقت بعض سائلین نے پیش کی ہیں بعدہٗ جواب بطور قولہ واقول کے اس پرچہ ثالث کا لکھا جاویگا۔ **فیصلہ** بعض احادیث متفق علیہ درباره نزول مسیح بن مریم ساتھ قید منکم کے وارد ہیں۔ چنانچہ و امامکم منکم اور صحیح مسلم میں فامکم منکم یعنے امکم بکتاب اللہ وسنت رسولہ۔ اب جسقدر احادیث کہ اس قید سے مطلق آئی ہیں خواہ ہزاروں ہی ہوں وہ سب احادیث

مطلقہ اس مقید پر محمول کیجاوینگی کیونکہ قاعدہ مجمع علیہ علم اصول کا ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہؤا کرتا ہے ارشاد الفحول میں لکھا ہے جس کی تلخیص حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم مغفور نے ان الفاظ سے کی ہے الثانی ان یتفقا فی السبب والحکم فیحمل احدھما علی الاخر اتفاقا وبه قال ابوحنیفه ورجح ابن الحاجب وغیرہ ان ھذا الحمل ھو بیان للمطلق ای دال علی ان المراد بالمطلق ھو المقید وقیل انه یکون نسخا والاول اولی وظاھر اطلاقھم عدم الفرق بین ان یکون المطلق متقدما اومتاخرا اوجھل السابق فانه یتعین الحمل۔ اور اگر کوئی کہے کہ مسیح بن مریم پر تعریف مطلق کی کب صادق آتی ہے جو اسمیں تقیید جاری ہو تو جواب اسکا یہ ہے کہ حضرت اقدس نے ازالہ میں اور نیز اخیر پرچہ ثالث میں اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ احادیث میں جو مسیح بن مریم مذکور ہے اس سے مراد مثیل مسیح ہے نہ عین عیسٰے بن مریم۔ چنانچہ آخر پرچہ ثالث میں تحریر فرماتے ہیں کہ اطلاق اسم الشئ علے مایشابھه فی اکثر خواصه وصفاته جایز حسن تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۹ اور ظاہر ہے کہ لفظ مثیل مسیح کے مطلق ہونے میں کچھ شک نہیں جسکی تقیید ساتھ منکم کے احادیث متفق علیہ سے ثابت ہو چکی اور جسقدر احادیث مطلقہ واقع ہیں وہ سب محمول اس مقید پر ہو گئیں فیصلہ شد +

اب ایک خواب جو مولانا صاحب نے دیکھا ہے اور وہ بشرٰے ہے واسطے اطلاع و آگہی ناظرین کے لکھا جاتا ہے تاکہ مولانا صاحب اس مباحثہ میں اس خواب کی تعبیر کو بھی ملحوظ نظر رکھیں +

خواب مولانا محمد بشیر صاحب

بتاریخ ۱۶۔ ربیع الثانی مولوی عبد الکریم صاحب ساکن پاترہ نے ہیچمدان سے بیان کیا کہ مولانا محمد بشیر صاحب نے خواب ذیل کو مجھ سے بیان کیا کہ اندر مکان کے میں کھانا کھا رہا ہوں اور جسم پر لباس کسی قدر نہیں ہے۔ اس اثناء میں معلوم ہؤا کہ ڈپٹی امداد علی صاحب مرحوم آئے ہیں میں نے چاہا کہ اُنکا استقبال مکان کے باہر سے ہی کروں۔ استقبال کے واسطے باہر آیا تو دیکھا کہ ڈپٹی صاحب ممدوح دروازہ سے اندر آگئے ہیں میں نے معانقہ کرنے کا قصد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے کیا معانقہ کریں تمہاری حالت و ہیئت تو جنوں کی سی ہو رہی ہے۔ میں نے چاہا کہ کچھ جواب اسکا دوں لیکن انکے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا اور صرف یہ کہا کہ ہم سے قصور ہؤا معاف کیجئے پھر ڈپٹی صاحب سے معانقہ ہو گیا فقط تعبیر اس خواب کی یہ احقر کچھ نہیں دیتا مولوی صاحب اس خواب کے مضمون پر خود غور فرماویں وبس۔ والعاقل تکفیه الاشارۃ۔

قولہ اوّل یہ کہ آپ قبل ادعائے مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں الخ۔ **اقول** ادعائے مسیحیت بطور رُوحانی براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے اور ازالہ اوہام وغیرہ میں بھی وُہی دعویٰ ہے۔ کوئی دعویٰ جدید نہیں۔ آگے رہا اقرار حیات مسیح سو وہ بطور منطوق کے براہین میں نہیں لکھا گیا۔ ہاں البتہ مسیح کا دوبارہ دُنیا میں آنا لکھا ہے جس سے حیات مسیح بطور مفہوم کے لازم آتی ہے اور یہ مسئلہ مقررہ علم اصول کا ہے کہ لازم القول یا لازم المذہب کا مذہب ہونا ضروری نہیں معہذا اس سے جناب کو کیا فایدہ ہُوا۔ کیونکہ مانا کہ حضرت مرزا صاحب کو حیات مسیح کا اقرار تھا لیکن جبکہ بسبب عدم وجدان دلیل حیات مسیح پر حضرت مرزا صاحب حیات مسیح سے دستبردار ہو گئے اور دعویٰ حیات ثابت نہ ہُوا تو وفات مسیح خود بخود ثابت ہو گئی کیونکہ حیات و وفات میں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر اس صورت میں بار ثبوت حضرت کے ذمہ کہاں رہا۔

قولہ خاکسار ایک سوال کرتا ہے الیٰ آخرہ۔ **اقول** مولانا صاحب نے اسجگہ پر بہت سی شقوق بطور منطقین کے جاری فرمائیں۔ مگر دانست ناقص میں طول عبث کیا ہے۔ لہذا جواب اُسکا مختصر لکھا ہے۔ اوّل ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ خیال حیات مسیح بعد اس الہام کے پیدا ہُوا ہے اور تسلیم کیا کہ الہام سے پہلے اِس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا مگر اس جدّت سے حضرت مرزا صاحب ایسے مدعی نہیں ہو سکتے جسکے ذمہ بار ثبوت ہو تقریر اُسکی وُہی ہے کہ حضرت نے حیات پر کوئی دلیل اور ثبوت نہ پایا تو اس دعوے یا اقرار سے دستبردار ہوئے اور جبکہ اقرار حیات سے دستبردار ہوئے تو بجز وفات کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اجتماع الضدین و ارتفاع الضدین محالات سے ہے۔ پس اس تقریر سے کسی طرح پر بار ثبوت حضرت اقدس کے ذمہ نہیں ہُوا اور وفات خود بخود ثابت ہو گئی۔ اَب ہم اس شق کو بھی اختیار کرتے ہیں کہ قبل الہام سے بھی یہ خیال وفات تھا مگر اسکا یقین نہیں تھا اور بعد الہام کے یقین وفات ہو گیا اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مفید یقین اسوقت میں الہام ہُوا جسکی تائید نصوص نے بھی کی۔ اور اسوجہ سے کہ اکثر لوگوں کو ملہم ہونا حضرت اقدس کا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اور اُنکے لئے الہام حجت بھی نہیں تھا لہذا حضرت اقدس نے سنت اللہ و آیات قرآن مجید سے اس یقین کو ثابت کر دکھایا تاکہ مخالفین اور منکرین الہام پر بھی حجت ہو جاوے۔ اب مخالفین کو لازم ہے کہ یا تو ان نصوص و آیات کا جواب شافی دیویں ورنہ وفات مسیح کو تسلیم کریں پھر بعد تسلیم وفات مسیح کے مسیح موعود ہونیکی بحث ہو سکتی ہے

قولہ سوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر الخ۔ **اقول** یہاں پر بھی دو شقیں منطقیین کے طور پر جاری فرمائی گئی ہیں لیکن حاصل اُنکا کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ نصوص

قرآنیہ قطعی طور سے وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جو فساد اس شق پر بیان کیا گیا ہے اسکی نسبت ہم بھی مولویصاحب سے یہاں پر صرف ایک سوال کرتے ہیں تاکہ طول لازم نہ آوے جو اس سوال کا جواب مولویصاحب دیویں وہی جواب حضرت اقدس مرزا صاحب کیطرف سے تصوّر فرماویں۔ سوال یہ ہے کہ قرآنیت ہر دو سورتوں معوذتین کی قطعی طور پر آپکے نزدیک ثابت ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی آپ اسکا اشتہار دیں کہ میرے نزدیک یعنے مولویصاحب کے نزدیک معوذتین قطعی قرآن نہیں ہیں اور بصورت شک اوّل لازم آتا ہے کہ آپکے نزدیک وہ صحابہ جنہوں نے ان ہر دو سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار کیا تھا نعوذ باللہ کافر ہوں۔ کیونکہ منکر قرآن متواتر کا جو قطعی اور یقینی ہے کافر ہوتا ہے فما ھو جوابکم عنه فھو جوابنا۔ **قولہ** چہارم آپنے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے الخ۔ **اقول** تعریف مدعی کی حضرت مرزا صاحب نے محض اپنی رائے سے نہیں بیان کی بلکہ فقہاء اور محدثین اور نظار جو تعریف مدعی کی بموجب اپنی اپنی اصطلاح کے کرتے ہیں اُسکی تشریح اور توضیح بطور سبر اور کُر کے بیان کی ہے اور قرآن مجید سے بھی مستنبط ہے وکیف لا وکل العلم فی القرآن لاکن تقاصر عنه افہام الرجال اس مقام پر مولانا صاحب نے کتاب الاقضیہ والشہادات کتب حدیث کو اور کتاب الدعوی کتب فقہ کو اور تمام آیات مخاصمہ و آیت مداینہ قرآن مجید کو غور وامعان سے نظر نہیں فرمایا جو ایسا کچھ فرماتے ہیں کہ یہ نہ ہے کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا فقیہ کا اسکے ثبوت کیلئے پیش کیجئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اگر مولویصاحب کا اس فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جس عبارت اُردو میں حضرت اقدس نے تعریف مدعی کی بیان کی ہے وہ کہیں مذکور نہیں تو البتہ یہ فرمانا مولانا صاحب کا کسی قدر درست اور راست ہے۔ فی الحقیقت یہ عبارت اُردو کی جو حضرت اقدس نے تعریف مدعی میں بیان کی نہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کتب فقہ عربیہ میں کہیں لکھی ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں ہیں اور بعینہا یہ الفاظ تو شاید کسی کتاب فقہ اُردو میں بھی نہ نکلیں گے۔ لیکن اس بنا پر تو جناب مولویصاحب کا سب وعظ و پند جو اُردو میں ہُوا کرتا ہے وُہ بھی کہیں مذکور نہیں اندریں صورت وہ سب وعظ و پند محض رائے جناب کی ہوئی جاتی ہے ماھو جوابکم فھو جوابنا اور اگر یہ مطلب نہیں صرف مطلب سے مطلب ہے تو لیجئے زیادہ طوالت تو اس تحریر مختصر میں کیا کیجاوے صرف بحوالہ حجت اللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک حدیث کی شرح لکھے دیتا ہوں۔ قال صلعم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی الناس دماء رجال واموالھم ولکن البینة للمدعی والیمین علی المدعی علیه فالمدعی

ھوالذی یدعی خلاف الظاھر ویثبت الزیادۃ والمدعی علیہ ھو مستصحب الا صل والتمسک بالظاھر ولاعدل من ان یعتبر فیمن یدعی بینۃ فیمن یتمسک بالظاھر ویدرأ عن نفسہ الیمین اذا لم تقم حجۃ الاخر وقد اشار النبی صلعم الی سبب مشروعیۃ ھذا الاصل حیث قال لو یعطی الناس الخ یعنی کان سبباً للتظالم فلا بد من حجۃ انتھی۔ ایہا الناظرین اب ملاحظہ فرماؤ کہ جو تعریف اور فلاسفی مدعی ہونے کی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امۃ نے عربی عبارت میں بیان فرمائی اُسکا مطلب وہی ہی جو حضرت اقدس نے اُردو میں بیان فرمایا یا کچھ اور ہی بینوا توجروا۔ **قولہ** پنجم یہ تعریف مدعی کی الخ۔ **اقول** ہم پہلے ثابت کر چکے کہ رشیدیہ میں قید من حیث انہ اثبات بالدلیل او التنبیہ اُسی بیان کا مجمل ہی جسکو حضرت اقدس نے شرح فرمایا ہی۔ فتذکروا۔ اور عصام الملۃ والدین کی مراد بھی وہی ہی جو رشیدیہ سی ثابت ہو چکی۔ پس جو تعریف مدعی کی حضرت اقدس نے لکھی ہی بالکل مطابق ہی اُس تعریف کے جو علم مناظرہ میں لکھی ہی۔ علاوہ بریں یہ کہ اس مباحثہ میں جناب والا مدعی ہو چکے ہیں۔ معہذا اندریں صورت حضرت اقدس اس مباحثہ حیات وممات میں مدعی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ **قولہ** آپ نے توضیح المرام اور ازالہ اوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہی الخ۔ **اقول** اگر حضرت اقدس نے بموجب قول ابوالدرداء کے لا یفقہ الرجل حتی یجعل للقرآن وجوھا ضمیر قبل موتہ کیطرف حضرت عیسیٰؑ کے راجع کی ہی تو اس صورت میں آیت کی تفسیر وہ ہوگی جو ازالۃ الاوہام میں لکھی ہی اُسکو ملاحظہ فرمائیے پھر آپکا مدعا ہر طرح پر کیونکر ثابت ہوگا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ درصورت ارجاع ضمیر موتہ کیطرف حضرت عیسیٰؑ کے وُہی معنے ہوں جو آپ کے نزدیک ہیں۔ غایت الامر یہ ہے کہ اس صورت میں جو معنے مورد اعتراض آپ کرتے ہیں وہ بھی ایک احتمال ضعیف کے طور پر ہو سکتے ہیں اندریں صورت آپ کے معنے قطعی کیونکر ہو جاوینگے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مثل مشہور ومقبول ہے۔ باقی جناب کے کل قول کا جواب شافی وکافی حضرت اقدس نے ایسا دیا ہی کہ خوبی اُس کی انصاف ناظرین منصفین پر موقوف ہے مگر اس کا کیا علاج ہے کہ نہ آپ اُس کو قبول کریں اور نہ جواب شافی دیں۔ **قولہ** خود آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الخ۔ **اقول** ہرگز ہرگز صریح نہیں بلکہ ذوالوجوہ ہے کما مر بیانہ۔ **قولہ** رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے الخ۔ **اقول** یہ التباس حق کا ساتھ غیر حق کے کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب ضمیر قبل موتہ کی کتابی کی طرف راجع

ہوگی توسوائے معنے مضارع کے جو دونوں زمانوں حال و استقبال کو شامل ہو اور کیا معنے ہونگے۔ اور جملہ تفاسیر میں ضمیر قبل موتہ کی کتابی کیطرف راجع کی ہو حتیٰ کہ جلالین جو اخصر التفاسیر ہے اُس میں بھی اوّل قول یہی لکھا ہو کہ ضمیر قبل موتہ کی کتابی کیطرف راجع ہو پھر اور تفاسیر کا تو ذکر ہی کیا ہو۔ پھر کوئی اہل علم ایسی بات مُنہ سے نکال سکتا ہو کہ حال و استمرار کے معنے یہاں پر غلط محض ہیں۔ اور اگر حضرت اقدس نے اس تقدیر پر بھی معنے استقبال کا مراد ہونا ممکن فرمایا ہو تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حال و استمرار کا مراد ہونا باطل ہو ایک وجہ کی امکان صحت سے دُوسری وجوہ کا ابطال کیونکر لازم آگیا۔ **قولہ** بلکہ یہ خروج بقول آپکے آپ پر لازم آگیا الخ۔ **اقول** مولانا آپنے ضرور اس شرط کا خیال و لحاظ نہیں کیا اور حضرت اقدس نے اس شرط کو پُورا کردیا۔ کیونکہ نون ثقیلہ کا جو استعمال صحیح صحیح تھا اُسکو بھی قرآن مجید سے ہی ثابت کردیا۔ اور جنابنے بمقابلہ قرآن مجید کے غیر کتاب اللہ و سنت رسول کیطرف رجوع کیا اور اقوال اور فہم رجال سے جو خود بموجب آپکے اقرار کے حجت نہیں استدلال کیا۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۶ سے جو جنابنے حضرت اقدس کو الزام دیا ہو وہ ٹھیک نہیں ہو بچند وجوہ اماؔ اوّلاً آنکہ ازالہ اوہام کی تقریر کے وقت آپ کب مخاطب تھے اور فیما بین جناب اور مرزا صاحب کے ازالہ اوہام کی تحریر کے وقت یہ شرط کب ہوئی تھی کہ قال اللہ اور قال الرسول سے باہر نہ جاوینگے۔ یہ شرط تو آپسے اس مباحثہ میں ہُوئی ہے۔ اور ازالہ اوہام جواب ہے سب مخالفین مختلف طبائع کا ہر شخص کو اُسکے فہم کے بموجب الزام اور جواب دیا گیا ہے۔ پھر اس مباحثہ میں یہ نقض و اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ اماؔ ثانیاً آنکہ حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں کس نحوی کے قول سے استناد کیا ہو۔ وہاں پر بھی محاورہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت کی ہو کہ قال صیغہ ماضی کا ہو اور اُسکے اوّل میں اذ موجود ہو جو تمام محاورات قرآن مجید میں واسطے ماضی کے آتا ہو۔ پس عبارت مندرجہ صفحہ ۶۰۲۔ ازالہ میں غیر اللہ کے کلام سے کب استدلال کیا ہو بینوا توجروا۔ مولانا یہی تو حضرت اقدس کا کمال ہو جو دوسرے میں نہیں پایا جاتا کہ ہر ایک مطلب کو قرآن مجید سے ہی استخراج و استنباط فرماتے ہیں صدق اللہ تعالیٰ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[۱] **قولہ** آپ ایسی باتیں کرتے ہیں الخ **اقول** یہ تو آپکا ہی مغالطہ ہو نہ حضرت اقدس کا ورنہ آپ پر لازم ہو کہ جن آیات میں آپ نے معنے استقبال کے لئے ہیں۔ اُس استقبال کی تصریح یا تو قرآن مجید سے

[۱] الانعام : ۶۰

یا حدیث صحیح سے یا قول صحابی سے ثابت کریں اور اس آیہ کو آپ بھی تو پیش رکھیں کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ[1] **قولہ** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے الخ۔ **اقول** جناب نے بغیر سوچے اور تامل کئے اُس مغالطہ کو جسکے مسند الیہ آپ ہی ہیں۔ حضرت اقدس کی طرف نسبت کیا ہے بیان اُسکا یہ ہے کہ جو علما عارف باللہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں وہ بتائید روح القدس جملہ علوم کا استخراج قرآن مجید سے کرسکتے ہیں قال اللہ تعالیٰ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ[2] وایضاً قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[3] وایضاً قال اللہ تعالیٰ وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[4]۔ اور علماء ظاہر کو یہ بات نصیب نہیں ہوسکتی اُن کو البتہ اشد احتیاج طرف علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کی ہوتی ہے یہ مسئلہ اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے اور کافی و کامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اُسپر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جانا ثابت ہوگیا اب اسکا کوئی اہل علم انکار نہیں کرسکتا اور کوئی قاعدہ نحویہ اجماعیہ آپنے ایسا بیان نہیں فرمایا جسکا ادھر سے انکار کیا گیا ہو۔ اور نون ثقیلہ کا حال تو آپکو معلوم ہوچکا اور اب یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ سابق میں جسقدر رشد و مدسے نون ثقیلہ کی بحث طلبہ کے روبرو بیان فرمایا کرتے تھے اب اُس نون ثقیلہ کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ مثل مشہور ہے جولۃ غیر الحق ساعۃ وجولۃ الحق الی الساعۃ اور حضرت اقدس نے کسی علم میں آپپر الزام نہیں لگایا۔ تمام علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کے رُو سے جناب پر ہی الزام عائد ہوگیا ہے کما مر۔ اور ایسی باتیں کرنے سے جو آپ کی یہ غرض ہے کہ حضرت اقدس کی ناواقفی علوم درسیہ سے لوگوں پر ثابت کریں یہ غرض ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ علاقہ پنجاب میں سب کو معلوم ہے کہ اوائل عمر میں سب مراحل اور جملہ منازل علوم درسیہ کے بھی آپ طے فرماچکے ہیں اور فی الحقیقت یہ صحیح ہے کہ علماء ظاہر کو ان علوم سے چارہ نہیں پھر معہذا آپنے جو علماء ظاہر میں سے ہیں ان علوم کو کیوں ترک فرما رکھا ہے۔ پس اگر جناب کو حضرت اقدس سے مباحثہ کرنا ہے تو پہلے ان دو کاموں میں سے ایک کام کیجئے اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کرینگے تو یہ امر اُس بات پر محمول ہوگا جسکو آپ حضرت اقدس کیطرف منسوب فرماتے ہیں یا تو ان علوم درسیہ کے اجماعی باتوں کے تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ موقوف کرکے ایک ایک کتاب ایسے قاعدوں کی رائج و شائع کیجئے جیسا نون ثقیلہ کا قاعدہ جناب نے ایجاد فرمایا ہے۔ مگر اسکے ساتھ یہ بھی ہو کہ اُن قواعد نو ایجاد کو سب علمائے اسلام

[1] البقرۃ : ۴۵ [2] الانعام : ۶۰ [3] عنکبوت : ۷۰ [4] الکہف : ۶۶

قبول بھی کرلیں اور اگر سب علمائے اسلام نے قبول نہ کیا تو پھر ایسی ایجادوں سے کیا فائدہ ہوا۔ پس بموجب اُس طریقہ کے جو جناب نے دربارہ نون ثقیلہ ایجاد کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا جب آپ کسی علم میں ترمیم فرماوینگے تو دوسرا بھی ترمیم کرسکتا ہے۔ **قولہ** اسکا جواب عامہ تفاسیر میں الخ۔ **اقول** یہ کون کہتا ہے کہ عامہ تفاسیر میں اسکا جواب بطور تاویلات رکیکہ اور توجیہات ضعیفہ کے نہیں لکھا مطلب تو یہ ہے کہ قواعد نحو جو کتب درسیہ نحو میں لکھی ہیں۔ قرأت متواترہ اِنَّ هٰذَانِ اُسکے خلاف ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قواعد علوم تابع وخادم قرآن مجید ہیں۔ اور قرآن مجید سب کا متبوع اور مخدوم پس جملہ علوم کو تابع قرآن مجید کا کرنا ضرور ہے نہ برعکس۔ پس بمقابلہ وتعارض قرآن مجید کے کوئی قاعدہ ہو ساقط الاعتبار رہیگا۔ کما مر بیانہ

قولہ یہ خطا فاحش ہے۔ **اقول** یہ خطا فاش ہے کیونکہ اِنَّ هٰذَانِ قرأت متواترہ کب ہے جو یوں لکھا جاتا کہ بجائے ان ہذین کے اِنَّ ہٰذَانِ لکھا ہو۔ اور لفظ فاش کو مولویصاحب نے خلاف محاورہ فرس کے فاحش لکھا ہے یہ خطا فاش محاورہ فرس ونیز محاورہ اُردو کی ہے۔ **قولہ** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت الخ۔ **اقول** جو مضارع موکد بہ لام تاکید معہ نون تاکید کے ہووے اُسکا استعمال التزاماً خالص استقبال کیلئے ہونا کسی ایک امام نحو نے بھی نہیں لکھا۔ چہ جائیکہ اسپر اجماع ہوگیا ہو۔ ومن ادعی الان فعلیہ البیان۔ اور میزان الصرف وغیرہ کے حاشیہ میں لکھی ہونے سے اجماع ائمہ نحات کا ثابت نہیں ہوسکتا۔ لہذا آپکو ضرور ہے کہ اشتہار اس بات کا دیویں کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اور وہ بھی التزاماً ہر ایک صیغہ مضارع موکد بلام تاکید ونون تاکید میں جو ہمنے لکھا تھا اور اُسکو منسوب باجماع ائمہ نحات کیا تھا وہ خلاف نفس الامر کے اور غیر صحیح تھا ہمنے اُس سے رجوع کیا تاکہ کوئی آپکا معتقد دروازہ الحاد کا نہ کھولنے پاوے۔ **قولہ** سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ[1]۔ **اقول** التفاسیر المعتبرۃ تشہد بہا واللہ الکریم۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيمٌ[2]

قولہ آپ ان اکابر کا مطلب الخ۔ **اقول** آپ ہی ان اکابر مفسرین کا مطلب بالکل نہیں سمجھے فافہم۔

قولہ توضیح المرام سے معلوم ہوتا ہے الخ۔ **اقول** ایہا الناظرین ذرا انصاف کرو اور برائے خدا اللہ تعالیٰ سے ڈر کر توضیح المرام کو بھی دیکھو اور ازالۃ الاوہام کو بھی ملاحظہ کرو کہ حضرت اقدس نے کس جگہ پر آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت یقینی یا صریح الدلالت لکھا ہے جو مولویصاحب بطور معارضہ کے فرماتے ہیں کہ آپکی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے الخ ہاں البتہ اگر حضرت اقدس آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت فرماتے جیسا کہ مولوی صاحب اس آیہ کو حیات مسیح پر

[1] النور: ۱۷ [2] الواقعۃ: ۷۷

قطعی الدلالت فرماتے ہیں تو بالضرور جو الزام مولویصاحب پر عائد ہے وہ حضرت اقدس پر بھی عائد ہو جاتا۔ واذ لا فلا۔ آگے رہی یہ بات کہ کوئی ایسے معنے کسی آیت کے جو مفسرین سابقین پر مکشوف نہ ہوئے ہوں اور وہ حضرت اقدس مرزا صاحب پر مکشوف ہوں سو اسمیں کوئی محذور لازم نہیں آتا کم ترك الاول للاٰخر مثل مشہور ہے۔ کیونکہ یہ بات اپنے محل پر ثابت کیگئی ہے کہ معارف و اسرار قرآن مجید کے ایک خزائن لاانتہا ہیں جو وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ اور علماء عارفین باللہ پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے مفسرین نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ جسقدر معارف و اسرار قرآن مجید کے تھے وہ سب ہم پر مکشوف ہوگئے اور اب آیندہ کوئی اسرار اور معارف باقی نہیں رہا۔ خصوصاً تفاصیل و تفاسیر ان پیشگوئیوں کی جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اُنکی نسبت تو سب کا یہ اقرار ہے کہ سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ[1] قال اللہ تعالیٰ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ[2] جبکہ ہر شے کی نسبت ایسا کچھ ارشاد فرمایا گیا تو قرآن مجید جو افضل الاشیاء ہے اُسکے خزائن اسرار کا گیا ذکر ہے۔ **قولہ** یہ طعن بادنیٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ **اقول** جوابہ مر آنفا۔

قولہ اس عبارت سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے الخ۔ **اقول** جو معنے آیت لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ کے آپ لیتے ہیں ان معنے کو تمام مفسرین محققین نے سوائے ابن جریر طبری و من تبعہ کے بطور مرجوح قول ضعیف قرار دیا ہے اور قول اوّل اور راجح یہی لکھا ہے کہ ضمیر قبل موتہ کی طرف کتابی کے راجع ہے اور مانا کہ دونوں احتمال مساوی درجہ پر ہیں اور پھر یہ بھی تسلیم کیا کہ آپکے نزدیک قول مرجوح تو راجح ہے اور قول راجح مرجوح ہے لیکن معہذا ایک قول کو قطعی الدلالت کہنا باطل ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اور آیت اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ بالضرور وفات مسیح میں صریح الدلالت ہے اور توفی کے معنے میں سوائے وفات کے جو اور قول لکھے ہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ اب اگر کہا جائے کہ جبکہ تم نے آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ کو بسبب ذوالوجوہ اور ذو احتمالات ہونے کے متشابہ قرار دیدیا۔ اور تمہارے نزدیک صریح الدلالت نہ رہی تو پھر آیت مُتَوَفِّيۡكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ بھی وفات مسیح میں صریح الدلالت نہ رہی کیونکہ وہ بھی ذوالوجوہ ہے اسواسطے کہ تفاسیر میں معنے توفی کے سوائے موت کے اور کچھ بھی تو لکھے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ احتمال کی دو قسمیں ہیں ایک تو احتمال ناشی عن الدلیل ہوتا ہے۔ اور دوم احتمال غیر ناشی عن الدلیل۔ احتمال ناشی عن الدلیل مقبول ہوتا ہے۔ اور جس

[1] البقرہ : ۳۳ [2] الحجر : ۲۲

کلام میں احتمال ناشی عن الدلیل پیدا ہو وہ کلام بالضرور ایک وجہ پر قطعی الدلالت نہیں رہتا۔ اور جو احتمال غیر ناشی عن الدلیل ہو وہ عند اولی الابصار ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ اگر ایسے احتمالات بعیدہ کا لحاظ کیا جاوے تو ہم کو ضروریات دین کا ثابت کرنا بھی مشکل ہو جاویگا۔ تفاسیر میں سب طرح کے اقوال ضعیفہ و رکیکہ و روایات موضوعہ مندرج ہیں۔ اگر اُن سب روایات موضوعہ اور اقوال رکیکہ کو تسلیم کیا جاوے تو پھر شرع اسلام میں ایک بڑا غدر برپا ہو جاویگا۔ اور اگر کوئی کہے کہ توفّی کے معنوں میں سوائے وفات و موت کے جو دوسرا احتمال مفید مخالفین ہے وہ بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ ایسے مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت اس احتمال کا دلیل سے ثابت کرے اور انعام ایکہزار روپیہ کا جو حضرت اقدس نے ازالۃ الاوہام میں ایسے شخص کے واسطے مشتہر کیا ہے وہ طلب کرے۔ بعد طے کرنے اس مرحلہ کے یہ بات زبان پر لاوے کہ معنے توفّی میں سوائے موت و وفات کے دوسرا احتمال بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ ودونہ خرط القتاد۔ **قولہ** نووی کی عبارت سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے الخ۔

اقول جبکہ نووی جیسے شارح حدیث نے یہ امر بدلیل ثابت کیا ہے کہ اکثر ائمہ تفسیر نے ضمیر موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے تو قطعی الدلالت ہونے میں آیت مذکورہ کے دربارہ حیات مسیح کیونکر فرق نہ آویگا۔ آگے رہا آپکا جرح جو نسبت قطعی الدلالت ہونے آیت مُتَوَفِّیْكَ وغیرہ کے کیا ہے۔ اسکا جواب مختصر ابھی اُوپر گذر چکا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں جو یہ قول نقل کیا ہے کہ المراد بالوفاۃ ھٰھنا النوم یہ جناب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ یہ رائے ہے ایک مفسر کی۔ غایت الامر یہ کہ ایک جماعت قلیلہ کی رائے ہے جو غیر پر حجت نہیں۔ خصوصًا ایسی حالت میں جو صحیح بخاری کی معارض ہے بالفعل ہم اس رائے پر یہ جرح کرتے ہیں کہ اگر مراد توفی سے اِنَامَتْ ہوتی تو دیرسل الاخریٰ کا مضمون واقع ہو جاتا۔ یا اُسکی نسبت کچھ ایسی تصریح ہوتی کہ یہ نوم ایک غیر معہود نوم ہے۔ یہ کیسی نوم ہے کہ قریب دو ہزار برس کے گذر چکے اور ابھی تک دَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی واقع نہیں ہوا۔ کما مر بیانہ سابقًا۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے کسی جگہ پر آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو وفات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں لکھا ومن ادعی فعلیہ تصحیح نقل قولہ۔ **قولہ** اور ایک ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے الخ۔

اقول جبکہ اختلاف مع الدلیل ہے تو ثابت ہو چکا کہ منافی قطعیت ہے اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں جو احتمال دوسرا معنے توفی میں ہے وہ ناشی عن الدلیل نہیں لہذا وہ احتمال اُسکے

قطعی الدلالت ہونے میں مضر نہیں ہوسکتا اور یہ چند مرتبہ گذرچکا کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو حضرت اقدس نے دربارہ وفات مسیح قطعی الدلالت کہیں نہیں لکھا۔ **قولہ** اور تفسیر مظہری والے کا یہ قول الخ۔
اقول مولانا صاحب قول صاحب تفسیر مظہری کا اگر آپکے نزدیک نقول تھا اور مخدوش تھا اور مخالف تھا عامہ تفاسیر کے تو کسی تفسیر سے اُسکا مخدوش ہونا ثابت کیا ہوتا بلاوجہ کسی مفسر کے قول مبرہن کو مخدوش اور نقول اور مخالف کہدینا دیانت اور انصاف کے خلاف ہے اور جو صارف معنے حال سے جناب نے نون ثقیلہ کو قرار دیا تھا وہ تو صارف رہا ہی نہیں پھر اگر کوئی طالب حق تفسیر مظہری کیطرف سے آپکی خدمت میں یہ کہے کہ لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے وہ صارف عن معنے الاستقبال ہے تو آپ اُسکا کیا جواب دیوینگے اور طرفہ یہ ہے کہ جس تفسیر کی عبارت کو جناب نے دارو مدار اپنے مباحثہ کا گردانا ہے اور مناط استدلال اُسکو قرار دیا ہے اُس عبارت میں خود جناب نے یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ وقال الحسن البصری یعنی النجاشی واصحابہ رواھما ابن ابی حاتم۔ اب آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب حال کے معنے آپکے نزدیک محض باطل تھے تو جناب نے قول حسن بصری کو جو مناقض آپکے مُدعا کے ہے کیوں نقل فرمایا اور اُسکا ابطال بدلیل کیوں نہیں کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ جس معنے کو التزاماً آپ مراد لیتے ہیں اسپر استدلال قول مناقض سے کیا جاوے۔ اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءُ عُجَابٌ۔
اور رواۃ اسناد قرأت ابی ابن کعب کی جو تفسیر ابن کثیر میں درج ہیں اور جناب نے اُنکی تضعیف کی ہے اور علم اسماء الرجال میں ہمہ دانی ظاہر فرمائی ہے اُسکی نسبت یہ گذارش ہے کہ جناب کی تحریر میں خفیف بالفا لکھا ہوا ہے اور تقریب میں کسی جگہ خفیف کا ترجمہ نہیں لکھا۔ اگر خصیب بالصاد و باہے تو جناب پر واجب تھا کہ اوّل تو بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب کے جو آپکے نزدیک علم اسماء الرجال میں دخل نہیں رکھتے اور شاید اس علم میں حضرت اقدس کو توجہ و التفات نہ ہوا ہو کیونکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ میں اس علم کو قشر علوم حدیث فرمایا ہے اندریں صورت آپ ثابت کرتے کہ خصیب تین ہیں جنمیں سے یہاں پر خصیب بصیغہ تصغیر معین ہے اور یہ ترجمہ اُسکا جو مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر واقع ہے کہ بموجب علم اصول حدیث کے اس مرتبہ خامسہ کا فلاں حکم ہے مثلاً یہ کہ حدیث اُسکی اس مرتبہ فلان کی ہوتی ہے۔ علٰی ہٰذا القیاس۔ عتاب بن بشیر کا مرتبہ بھی مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر ہے بس بمقابلہ ہم جیسے طلبہ کے جو علم اسماء الرجال سے بیخبر ہیں اسقدر تو آپ پر ضرور واجب تھا کہ رواۃ مرتبہ خامسہ کا حکم علم اصول حدیث سے بیان فرما دیتے تاکہ یہ معلوم ہوجاتا کہ ایسے رواۃ مرتبہ خامسہ کی روایت سے جو کوئی قرأت آئی ہو اُس سے تائید

کرنا کسی معنے قرأت متواترہ کا جیساکہ تمام مفسرین محققین نے کیا ہو درست نہیں ہے۔ اب تھوڑی سی گذارش اور ہے کہ عتّاب بن بشیر سے بخاری۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی نے تخریج کی ہے جیساکہ تقریب میں بھی لکھا ہے۔ کیا جناب کے نزدیک یہ عتّاب ساقط الاعتبار ہے۔ آگے رہا خصیب جن محدثوں نے اُس سے تخریج کی ہے اسکو مَیں ابھی نہیں لکھتا کیونکہ تقریب میں بھی اُسکے ترجمہ میں اس مقام پر کچھ نہیں لکھا۔ دیکھہ رہا ہوں کہ آپ عتّاب کی نسبت کیا جواب دیتے ہیں یا اس ناچیز پر عتاب ہی عتاب فرماتے ہیں **قولہ** عموماً یہ بات غلط ہے۔ **اقول** اس اسناد کی رُواۃ میں علل ظاہرہ تو جناب والا بیان فرماچکے لیکن علل خفیہ غامضہ سے اطلاع نہ فرمائی۔ شاید اسواسطے کہ اُنکی پرکھ سوائے جناب والا کے اور کسی کو حاصل نہیں اسی واسطے تمام مفسرین محققین نے اس قرأت سے بغیر تحقیق تائید معنے قرأت متواترہ کے فرمائی ہے کیونکہ وُہ ان علل خفیہ غامضہ سے واقف نہ تھے اور جناب والا واقف ہیں۔ **قولہ** ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موتہ میں البتہ منقول ہیں الخ۔ **اقول** جبکہ حسب اقرار جناب کے دو قول آیت کی تفسیر میں منقول ہیں اور یہ ثابت ہو چکا کہ تمام تفاسیر میں قول راجح بدلائل یہی لکھا ہے کہ ضمیر قبل موتہ کی کتابی کیطرف راجع ہے تو پھر جو معنے جناب لیتے ہیں انکی قطعیت میں کیونکر فرق نہ آویگا اور وماھو جوابکم فھو جوابنا۔ جو ارشاد ہے وہ یہاں ہو نہیں ہوسکتا یہ تو قیاس مع الفارق ہے کیونکہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں احتمال مخالف غیر ناشی عن الدلیل ہے یہ تو مقابلہ نص کا ہُوا جاتا ہے ساتھ قول کے بلکہ ترجیح قول کی اُوپر نص کے ہوئی جاتی ہے اور یہی تو تقلید ناجائز ہے جسکو ہم اور آپ مدت سے چھوڑے بیٹھے ہیں ذو الوجوہ کلام میں خواہ کلام الٰہی ہو یا کلام رسول مقبول صلعم کسی معنے کو اقوال سے ترجیح ہوسکتی ہے اور نص کے مقابل قول کی ترجیح درست نہیں کتب اصول فقہ مثل مسلم الثبوت وغیرہ کے یہ مسئلہ معتبر نہیں ہوچکا ہے بسبب عدم فرق کرنیکے ان دونوں امروں میں جناب والا کو اس مقام پر دھوکا ہوگیا ہے ذرا اس بارہ میں غور فرمایا جاوے۔ پس ثابت ہُوا کہ یہ قیاس جناب کا قیاس مع الفارق ہے۔ **قولہ** یہ کذب صریح ہے۔ **اقول** صحیح بخاری سے ثابت ہوچکا ہے کہ ابن عباس وفات مسیح کے قائل ہیں۔ پس بحکم قاعدہ اصول حدیث کہ صحیح بخاری مقدم ہے سب کتب حدیث پر۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری مسئلہ مسلمہ ہے پس سوائے اسکے جو قول مخالف ابن عباس کا ہے ساقط رہیگا۔ پھر گذارش یہ ہے کہ بعض ائمہ دیگر بھی مثل ابن اسحاق اور وہب وغیرہ کے وفات مسیح کے قائل ہیں اور جو معنے اس آیت کے ابو مالک نے کئے ہیں کہ ذٰلک عند نزول عیسیٰ بن مریم لا یبقی احد من

اھل الکتٰب الا من آمن به اسکو آپ فرما چکے ہیں کہ آیت سے یہ معنے یعنی وقت نزول ہرگز ثابت نہیں ہوتے اور حسن بصری کیطرف قبول ان معنے کا اسناد کرنا نہایت موجب تعجب ہے حسن بصری کا قول تو جناب نے یہ نقل کیا ہے یعنے النجاشی و اصحابہ اس قول میں معنے استقبال سے کیا نسبت یہ تو خاص حال ہو گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود ان معنے کا قبول بطور شک کے فرماتے ہیں نہ مثل جناب کے کہ یہ آیت معنے مطلوب میں قطعیۃ الدلالت لذاتہا ہے اور ابن کثیر سے جو جناب نقل فرماتے ہیں کہ یہ معنے بدلیل قاطع ثابت ہیں الخ۔ لہذا جناب سے مطالبہ دلیل قاطع کا ہے وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جاوے ۔ نگفتہ ندارد کسی باتو کار۔ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار آگے رہا کسی کا قول کسی کے نزدیک اولیٰ ہونا یا اصح ہونا سو یہ چیز دیگر ہے اور قطعی الدلالت ہونا چیز دیگر۔ وشتان بینھما پس تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام ہے۔ **قولہ** یہیں تو وہی معنے جو تمام صحابہ و تابعین وغیرہم سے الخ **اقول** تمام صحابہ یا تابعین سے منقول ہونا ان معنی کا غیر صحیح ثابت ہو چکا اور آپ خود تسلیم فرما چکے کہ ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موتہ میں البتہ منقول ہیں انتہیٰ قولکم۔ پس ایسا کچھ فرمانا جناب کا اس اقرار کے مناقض ہے اور مسائل مستنبط کتاب و سنّت کو مخترع فرمانا یہ ایک اختراع جدید ہے اور اہل لسان اپنی کلام میں ازمنۂ ثلثہ کی تصریح کب کیا کرتے ہیں بلکہ عجم کے علماء اور غیر علماء بھی وقت تخاطب کے ایسی تصریحات نہیں کیا کرتے یہ صرف عجم کے اطفال وقت پڑھنے میزان منشعب کے پڑھا کرتے ہیں فعل کیا اُس ایک مرد نے بیچ زمانہ گذرے ہوئے کے صیغۂ واحد مذکر غائب کا بحث اثبات فعل ماضی معروف کی۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو زمانہ استقبال کو بھی تسلیم فرما کر معنے بیان فرمائے ہیں وہ تو یہ مضمون ہے کہ خصم را تا بدر وازہ باید رسانید۔ یہ جناب کو کیا مفید ہے اور یہ جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن صحابہ نے ارجاع ضمیر کا طرف کتابی کے کیا ہے وہ خطا پر ہیں اگر آپکی اس تخطیہ صحابہ کو سرسری طور پر تسلیم بھی کر لیا جاوے تو حضرت مرزا صاحب جو عاشق رسول مقبول اور فریفتہ محبت صحابہ صلعم ہیں۔ ہرگز اس آپکی بات کو تسلیم نہ کرینگے کہ وہ صحابہ قطعی غلطی اور باطل پر ہیں جیسا کہ آپ پرچہ اوّل میں فرما چکے ہیں کہ جتنے معنے اسکے ماعدا ہیں سب غلط اور باطل ہیں کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم[1] پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ مقام استبعاد کا نہ ہو۔ **قولہ** قرأت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے الخ۔ **اقول** جبتک کہ حکم ترجمہ عتاب ابن بشیر اور خصیب کا بموجب علم اصول حدیث کے بیان نہ فرمایا جاوے اور یہ ثابت نہ کیا جاوے کہ ایسی رواۃ جو مرتبہ خامسہ میں واقع ہیں اُن کی روایت سے جو قرأت آئی ہو اُس سے تائید معنی قرأت کے درست نہیں تب تک یہ قول قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام مفسرین محققین اس

[1] الکہف : ۶

قرأت کو واسطے تائید معنے قرأت متواترہ کے لائے ہیں۔ **قولہ** معنے مذکور کا فساد اسوجہ سی نہیں ہو الخ۔ **اقول** جبکہ اس معنے کا فساد جو آپ کے معنے کے مخالف ہیں اس وجہ سی نہیں ہو کہ وہ مخالف ہو قاعدہ نحو کے تو پھر اور کس وجہ سی وہ فساد ہے بیان فرمایا جاوے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کے معنے قاعدہ نحو کے سراسر موافق ہیں لیکن اس سی یہ کب لازم آتا ہو کہ دوسرے معنے جو حسب اقرار جناب کے مخالف قاعدہ نحو کے نہیں ہیں وہ فاسد اور باطل ہوں۔ یہ کیسا معما ارشاد فرمایا گیا ذرا سوچکر اور تامل فرماکر توضیح اسکی فرمائی جاوے۔ **قولہ** پس اس قول کا کذب کالشمس فے نصف النہار ظاہر ہوگیا۔ **اقول** یہ بات اپنے محل پر ثابت ہوچکی ہو کہ جب صرف اقوال رجال میں بحث آکر پڑتی ہو تو لحاظ کثرت اقوال کا کیا جاتا ہو نہ قلت کا۔ پس اگر تمام جہان کی تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن جریر جناب نے پیش فرمادی اور ابن کثیر اسکا تابع ہوا تو اس سی قطعیت معنے جناب کی کیونکر حاصل ہوگئی۔ ایک یا دو مفسرین تو ایک طرف اور تمام جہان کی تفسیریں دوسری طرف۔ اب آپ ہی انصاف سے فرماویں کہ کس کو ترجیح دیجاویگی۔ پھر اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے بموجب مثل مشہور ومقبول وللاکثر حکم الکل کے ایسا کچھ ارشاد فرمایا کہ سب کے سب آپ ہی کے معنے کو ضعیف ٹھہراتے ہیں تو اس قول کا کذب کالشمس فے نصف النہار کیونکر ظاہر ہوگیا۔ بحکم النادر کالمعدوم للاکثر حکم الکل کے یہ تو عکس القضیہ ہے اور پھر یہ سب مضمون اُس صورت میں ہو کہ معنے مطلوب جناب کے نصوص کے متعارض نہ ہوتے درصورتیکہ یہ معنے متعارض نصوص بیّنہ کے ہیں تو پھر ابن جریر کے قول سے جسکا تابع ابن کثیر بھی ہوگیا ہو قطعیت آپکے معنے کی اور بطلان دوسرے معنے کا کیونکر ثابت ہوسکتا ہو۔ بینوا توجروا۔ **قولہ** بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہو نہ اثبات دعویٰ۔ **اقول** بڑی تعجب کی بات ہے جب آپکے معنے پر کوئی بڑا فساد لازم آتا ہو تب آپ دعوے ہی سے دست بردار ہوجاتے ہیں اور پھر بھی اپنے دعوے کو قطعی الثبوت فرمائے جاتے ہیں۔ جناب من اگر معنے قرأت متواترہ کے وہ کئے جاویں جو قرأت غیر متواترہ سی ثابت ہوتے ہیں تو پھر دعوے جناب پر اب کونسی دلیل باقی رہ گئی۔ مولانا رفع مخالفت جو آپ کیا کریں ذرہ سوچکر اور تامل فرماکر کیا کریں وہ رفع مخالفت ہی کیا ہوا جس سے دعویٰ بالکل نیست ونابود ہوجاوے۔ ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا[1]۔ **قولہ** سند میں جو جرح ہے وہ الخ۔ **اقول** کوئی ایسی جرح جناب نے بیان نہیں فرمائی جس سے تمام مفسرین محققین کا اس قرأت غیر متواترہ

[1] النحل : ۹۳

کو واسطے تائید معنے قرأت متواترہ کے لانا باطل ثابت ہوا اور اسکا جناب سے مطالبہ ہی **قولہ** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنے کی صحت پر معترض ہیں **اقول** جواب اسکا مکرر سہ کرر گذر چکا بھلا تیرہ سو برس کی تفاسیر اسقدر کثیر کا مقابلہ صرف ایک تفسیر ابن جریر و من تبعہ یعنے ابن کثیر کیا کرے گی۔ وللاکثر حکم الکل و النادر کالمعدوم۔ علاوہ یہ کہ اقوال مندرجہ ابن جریر معارض ہیں نصوص قرآن مجید اور حدیث شریف کے فتسقط لامحالۃ۔ **قولہ** یہ محض غلط ہی الخ **اقول** یہ ثبوت تعارض بین المعنیین کی کیا عمدہ دلیل ارشاد ہوئی ہی سبحان اللہ مگر یہ تو ارشاد ہو کہ یہ تعارض کونسا ہے آیا صرف تعارض عرفی بمعنے متعدد کے ہی یا بمعنے تناقض منطقی کے بشق اول حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں دو متعدد معنے جمع ہو سکتے ہیں مثلث مثلاً یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب کو قبل موت عیسیٰ بن مریم کے یہ خیالات شک و شبہ صلب و قتل کے حضرت عیسےٰ بن مریم کی نسبت چلے آتے ہیں جو اس آیت کے اوپر مذکور ہیں اور انکو ان شبہات کے ہونے پر یقین ہی اور یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان و یقین رکھتا ہی کہ مسیح بن مریم یقینی طور پر صلب و قتل کی موت سے نہیں مرا اسکے قتل یا صلب کی نسبت صرف شکوک و شبہات ہیں علی ہذا القیاس اور معانی جو حضرت اقدس نے ازالہ وغیرہ میں بہ سبب ذوالوجوہ ہونے آیت کے لکھے ہیں وہ متناقض نہیں جو باہم جمع نہ ہو سکیں اور بشق ثانی ان دونوں معنوں میں تناقض ثابت فرمایا جائے ورنہ حضرت مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ الہامی معنے ان معنوں کے مغائر نہیں بہت درست اور نہایت صحیح ہی۔ پھر سخت تعارض اور بین تخالف کیسا۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ درصورت ارجاع اس ضمیر کیطرف کتابی کے ہونے میں ہمنے ان دونوں معنی کا غیر متناقض ہونا ثابت کر دیا ورنہ جمع کیوں ہو سکتی اجماع النقیضین تو درست ہے ہی نہیں اور حضرت مرزا صاحب یہ کب کہتے ہیں کہ ضمیر قبل موتہ کیطرف عیسےٰ بن مریم کے رجوع نہیں ہو سکتی وہ تو یہ کہتے ہیں کہ درصورت ارجاع ضمیر کے طرف عیسےٰ بن مریم کے وہ معنے جو آپ کرتے ہیں وہ مورد فساد ہیں اور اسوجہ سے قابل تسلیم نہیں ہیں اور آیت وان من اہل الکتب کو وفات مسیح ابن مریم میں مرزا صاحب نے کسی جگہ یقینی صریح الدلالت اور قطعیۃ الدلالت نہیں لکھا ہاں وفات مسیح میں بطور اشارۃ النص کے لکھا ہے، اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آیت ذوالوجوہ کا باوجود اقرار ذوالوجوہ ہونیکے ایک وجہ پر اصرار کر کر اسوجہ کو قطعیۃ الدلالت کہدینا اور باقی وجوہ کا بلا دلیل جحد و انکار کرنا وجحدوا بہا و استیقنتہا انفسہم[1] کا مصداق ہے یا نہیں۔ **قولہ** یہ امر مسلم ہے الخ۔

[1] النمل : ۱۵

اقول یہ ایک نزاع لفظی ہے اور مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں کسی کلمہ کے تکلم کے بعد متصلہ کا زمانہ آپ کے نزدیک استقبال قریب ہے اور اہل عربیہ کے نزدیک حال ہے مطول اور ہوامش اسکے سے یہ مطلب ثابت ہو چکا اور ایسے مناقشات کر نیکی نسبت عرف اور اہل عربیہ کیطرف سے محشیان مطول وغیرہ یہ کہہ چکے کہ یہ مناقشات واہیہ ہیں۔ قولہ فرق نہ کرنا الخ۔ اقول فرق کرنا ایسی عرفی باتوں مین جو نہایت درجہ کی موشگافی ہے لاحاصل ولاطایل ہے جو منجملہ مناقشات واہیہ کے ہیں نہ داب محصلین جیساکہ ماہر علم عربیہ وفنون بلاغت بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں۔ قولہ بلکہ کہا گیا ہے کہ اسکا ایفا الخ اقول اسکے کیا معنے کہ مجاہدہ تو کریں زمانہ حال میں اور ہدایت حاصل ہو کسی زمانہ نامعلوم آیندہ میں۔ اے مولانا مجاہدہ کے ساتھ ہی بطور اتصال لزومی کے ہدایت الہٰی فوراً اور معاً پہنچ جاتی ہے بلکہ مجاہدہ فی اللہ بھی خود ہدایت سے ہی ہوتا ہے۔ مجاہدہ اور ہدایت کا ایسا اتصال ہے جیسا طلوع شمس اور وجود نہار میں۔ اگر جناب کو اسمیں کچھ کلام ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس بارہ میں دلائل علمیہ کتاب و سنت سے پیش کیجاوینگی۔ بالفعل بطور تنبیہ کے مختصر عرض کیا گیا اور بڑی تعجب کی بات ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمکو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے اور پھر بلا وجہ وبغیر دلیل یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ مولانا اس آیت سے تو یہ مطلب بطور عبارت النص کے ثابت ہوتا ہے اگرچہ دوسری آیات سے بھی ثابت ہو۔ اور نون ثقیلہ کا حال تو ناظرین منصفین کو معلوم ہو چکا کہ اس نے اثبات مدعا جناب سے بالکل دستبرداری کردی ہے اور وہ آیت کے پورے معنے کو اُدھورا نہیں کرسکتا۔ پھر ہمیں کیا ضرورت واقع ہوئی ہے کہ کلام ابلغ البلغاء کو پورے معنے سے عاری کرکر اُدھورے معنے پر محمول کریں۔ قولہ یہ آیات منافی قطعیۃ الدلالت الخ اقول آیت لیؤمنن بہ آپکے مسلک کے بموجب عام ہے اور مفہوم اُن آیات کا خاص ہے اور یہ امر گذر چکا کہ خاص مخصص عام کا ہوا کرتا ہے نہ برعکس جو عکس القضیہ ہوا جاتا ہے ومر تفصیلہ۔ قولہ یہ حصر غیر مسلم ہے الخ۔ اقول خود آپکا حصر ہی معنے غلام میں جو صرف بمعنے کودک صغیر کیا گیا ہے غیر مسلم ہے قاموس وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے اور منتہی الادب میں بھی لکھا ہے غلام بالضم کودک ومرد میانہ سال از لغات اضداد است یا از ہنگام ولادت تا آمد جوانے۔ پس اندریں صورت جو صراح وغیرہ سے نقل فرمایا گیا ہے جناب کو کچھ بھی مفید نہیں اور حضرت مرزا صاحب کو کچھ بھی مضر نہیں ہے۔ قولہ اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ۔ اقول چند مرتبہ عرض ہو چکا کہ حضرت مرزا صاحب

اس آیت کو وفات مسیح میں صریحۃ الدلالت اور قطعیۃ الدلالت نہیں کہتے جیسا کہ جناب اس آیہ کو حیات مسیح میں قطعیۃ الدلالت فرماتے ہیں۔ بموجب اقرار جناب کے آپکے نزدیک بھی ضمیر قبل موتہ کی ذو الوجوہ ہی جسکو اہل اصول نے ایسی ضمیر کو متشابہ کی مثال میں لکھا ہی پھر اگر ایک وجہ کو تسلیم کر کر اسکے معنے صحیح اور سالم عن الفساد حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں تو اس سی یہ کب لازم آتا ہی کہ دُوسری وجہ غلط اور باطل ہوگئی۔ **قولہ** دوم برتقدیر موت بھی الخ۔ **اقول** اللہ تعالیٰ جو اصدق الصادقین ہی فرماتا ہے او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیك حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق نے جو خبر دی ہی اُس مسیح آنیوالے کیواسطے از روئے احادیث متفق علیہ کے یہ قید بھی لگادی ہی واماکم منکم اور فامکم منکم یعنے امکم بکتاب اللہ تعالیٰ وسنۃ رسولہ صلے اللہ علیہ وسلم پس جملہ احادیث مطلقہ جو درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں ان سے مراد بھی یہی مقید ہوگا کما مرّ تفصیلہ پس ثابت ہُوا کہ مخبر صادق نے یہ خبر بھی نہیں دی کہ مسیح بن مریم جو اس امت میں آنیوالا ہی وہی عیسٰی بن مریم بنی اسرائیلی آویگا جو نبی و رسول بنی اسرائیل کا تھا بلکہ یہ خبر دی ہی۔ وہ مسیح آنیوالا تم میں سے ایک ایسا اور ایسا امام ہوگا اور اسکی امامت کتاب اللہ کی معارف و اسرار اور سنّت رسول صلعم کے بیان دقائق و حقائق میں ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم میں اسکی بحث واقع ہو چکی **قولہ** برتقدیر وفات بھی الخ **اقول** مولانا بڑی وجہ قوی اور معقول موجود ہی جسکا بیان مفصلاً ثابت ہو چکا یعنے حضرت عیسٰے بن مریم رسول اللہ جنّت میں داخل ہو چکے قیل ادخل الجنۃ وادخلی جنتی وما ھم عنھا بمخرجین + **قولہ** ظاہر اس سی یہ مفہوم ہوتا ہی کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر الخ **اقول** ملاحظہ فرمایا جائے ازالۃ الاوہام افادات البخاری صفحہ ۱۹۰ تا کہ جناب کو ثابت ہو کہ بخاری میں متعدد جگہ ابن مریم کا ذکر کر کے اُس سے مُراد کوئی مثیل لیا گیا ہی۔ **قولہ** افسوس کہ باوجود الخ۔ **اقول** باوجود اسکے کہ آپکے اقرار سی آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ حیات و وفات میں ذو الوجوہ ہے پھر بھی آپ اسکو قطعی الدلالت حیات میں فرماتے ہیں*۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ و الی اللہ المشتکی اب سنیئے یہ تو آپکی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنیوالا جواب دیا جاتا ہی آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں ایسا کرینگے تو یقیناً سمجھا جاویگا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سی آپکو غرض نہیں

* دیکھئے صفحہ ۱۷۵ ۳۰۴ ے بنی اسرائیل : ۹۴

ہے وہ جواب یہ ہے کہ مولویصاحب مَیں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے اُن جملہ جوابوں کو جنکو مَیں اسوقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلمبند کر کے آپکی خدمت میں پیش کر دیا اور آپنے یہ بھی کہدیا تھا کہ میرا اصل تمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے۔ مع ہذا اُسکی قطعی الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش نہ کیا اگر آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہیں تو اُسکے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کریں یا تو جملہ دلایل وجوابات سے تعرض کریں اور انمیں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑیں یا میری بات یعنی وفات مسیح سے جو سنت اللہ کے موافق ہے تعرض فرماویں اسکے سوا کسی بات کے جواب سے متعرض نہ ہوں مگر افسوس کہ آپ نہ پہلی صورت اختیار کرتے ہیں نہ دوسری بلکہ میری اصل بات کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کرتے ہیں مگر انکو بھی اُدھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کے جواب کا حوالہ آیندہ پر چھوڑا کہ ازالہ کا جواب یوں بسط سے دیا جاویگا اور دُوں تفصیل سے رد کیا جاویگا اور اُنکے مقابلہ میں اپنے دلایل وغیرہ کے بیان کو بھی اپنے آیندہ رد ازالہ اوہام پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا وہ ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دُور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکا کھاویں اور خواص ناخوش ہوں اسکی ایک مثال آپکی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحب من جس حالت میں آپنے خود مدعی ہو کر دلائل بھی پیش نہ کیے اور یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا منصب مدعی ہونے کا نہیں ہے تو آپکو اس بحث کی کیا ضرورت تھی صرف دلائل قطعیۃ الدلالت پیش کر دینے۔ **دوسری مثال** یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کے بھی آپنے خلاف بے موقع کیا اور لوگوں کو یہ جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ سے علم کو کم رکھتے ہیں حالانکہ یہ امر خلاف ہے اور طرہ اسپر یہ ہے کہ وہ بھی ..... اس بحث میں آپکے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل نے اس بحث میں بسبب چند مصالح علمیت کے مناظرہ نہ فرمایا لہذا شیخ الکل کا ذکر آپ کے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا کیونکہ آپکو شیخ الکل کی رائے سے مخالف ہونا نہیں چاہیئے تھا اور نیز اپنے موافق مولوی محمد حسین صاحب سے بھی مخالفت مناسب نہیں تھی باوجودیکہ حضرت شیخ الکل نے فیمابین جناب اور مولویصاحب بٹالوی ممدوح کے اُس نزاع معلومہ کی بابت صلح بھی کرادی تھی پھر اُنکے نہ شریک کرنے میں کیا مصلحت تھی۔ **تیسری مثال**

حاشیہ ۱۷۴

۵ عبارت زیر خط مولانا صاحب کی ہے اور کلمات غیر معلم بخطوط اس ہیچمدان کے ہیں ناظرین منصفین لطف اس معارضہ بالقلوب کا حاصل کر کر داد انصاف دیں الانصاف احسن الاوصاف اور جو کلمات مولویصاحب پر عاید ہوئے اور اسجگہ لکھے گئے ہیں وُہ میری طرف سے نہیں مولویصاحب کی ہی عبارت بعینہا ہے ؎ این جہان کوہست فعل ما ندا ٭ باز می آید ندا ہا را صدا -

یہ ہی کہ آپنے نہ صرف ایک تفسیر ابن جریر کی عبارت و اقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اور وہ بھی بطور شک کے جبپر اِنْ دلالت کرتا ہی نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہی کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ و تابعین مسئلہ حیاتِ مسیح میں جو اس آیہ لیؤمنن بہٖ قبل موتہٖ کو قطعی الدلالت نہیں کہتے محض غلطی اور باطل پر ہیں نعوذ باللہ منہ اور معہذا یہ بھی جتلانا چاہا ہی کہ وہ سب مرزا صاحب کے مخالف اور ہمارے موافق ہیں اور یہ محض مغالطہ ہی کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قایل نہیں ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حیات اس آیہ سے بطور قطعی الدلالت کے ثابت ہوتی ہی اور ابن جریر اور ابن کثیر کا مطلب بھی یہ نہیں۔ ہاں البتہ انہوں نے اپنی رائے کو ترجیح دیکر یہ تقول مسامحتاً کر دیا ہی کہ یہ رائے دلیل قاطع سی ثابت ہے چنانچہ اب جناب سے اُسی دلیل قاطع کا مطالبہ ہی اگر موجود ہو تو بیان فرمائی جاوے۔

چوتھی مثال آپکا عوام الناس کو یہ جتانا ہی کہ نون لیؤمنن کو باوجود لام تاکید کے التزاماً خالص استقبال کے لئے ٹھہرانا تمام صحابہ و مفسرین کا مذہب ہے جو سراسر آپکا دھوکا و مغالطہ ہی آپکی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ جواب ترکی بترکی دے چکا آیندہ بھی اگر یہی طریق جاری رہا تو اس سی آپکو تو یہ فائدہ ہوگا۔ کہ اصل بات ٹل جاویگی اور آپکی اتباع میں آپکی جواب نویسی ثابت ہو جاویگی مگر اسمیں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ اُنپر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپکا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد حیات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو اِدھر اُدھر لیجا کر ٹلا رہے ہیں لہذا آیندہ آپکو اسپر مجبور کیا جاتا ہی کہ اگر بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مد نظر ہے تو زاید باتوں کو چھوڑ کر میری اصل بات یعنے وفات مسیح پر دلیل قطعی قایم کرنے میں کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحویہ اجماعیہ و باستدلال قواعد علم بلاغت و اصول حدیث و اصول فقہ و سائر علوم درسیہ رسمیہ کے مضمون آیت کا زمانہ استقبال کے لئے مخصوص نہ ہونا اور بصورت صحت تحقق اس مضمون کا وقتِ نزول سے مخصوص نہ ہونا ثابت کیا ہے اسکا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحویہ اجماعیہ و علم بلاغت وغیرہ کے دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی و قواعد علم بلاغت وغیرہ بیکار و بے اعتبار ہیں یا خاصکر یہ قاعدہ یعنے صیغہ مستقبل کا واسطے دوام تجددی کے آنا غلط ہے اور اُس کو فلاں شخص امام فن نے غلط قرار دیا ہے اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال عرب عربا سے یہ دلیل ہے۔ اور بجائے اس کے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے یہ کہ فہم معنے قرآن کے لئے کوئی قاعدہ علم بلاغت و علم اصول فقہ و علم اصول حدیث وغیرہ کا مقرر نہیں ہے جس

طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تعمیم مضمون آیت بزمانہ حال واستقبال یا تجدد دوامی کے اس مضمون کی تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے ثابت ہے یا اس تعمیم سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور اور معنے سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہو سکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف ایک دو مفسرین کا تفسیر آیت میں اس تعمیم کا مبطل ہو سکتا ہے اور مجرد اقوال ایک دو مفسر کے آپ کے نزدیک لائق استدلال و استناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ و تابعین کے اُن اقوال کو جو درباره وفات مسیح وارد ہیں اور صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں قبول کریں۔ کیونکہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری مسئلہ مسلمہ ہے یا اُن کے ایسے معنے بتاویں جن سے حیات مسیح ثابت ہو۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ و تابعین ہمارے ساتھ ہیں ان میں کوئی اُسکا قائل نہیں کہ مسیح بن مریم کی حیات اس آیہ سے بطور قطعیۃ الدلالت کے ثابت ہوتی ہے آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کردیں کہ حضرت مسیح کی حیات اس آیت سے بطور قطعیۃ الدلالت کے ثابت ہے اور برہان قطعی اس کی یہ ہے تو ہم وفات مسیح سے دست بردار ہو جاوینگے لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے۔ اب اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے تو ہم سے تیس آیات قرآن شریف اور احادیث صحیح بخاری وغیرہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال سُنیں جنکو ہم آئندہ بھی جواب رد ازالہ اوہام میں انشاء اللہ تعالیٰ نقل کرینگے جیسا کہ بعض اب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں عامہ ناظرین تو اس سے فائدہ اُٹھاوینگے اور اس سے نتیجہ بحث نکال لینگے۔ آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وہ دو حرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحٰبہ اجمعین وعلی من اتبع الرشد والھدٰی من بعد ما تبین من الغيّ والطغوی۔ محررہ سیم ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ کتبہ محمد احسن۔ امروہی نزیل بھوپال۔